پیش لفظ

پیرِ کامل ﷺ کو میں نے آپ کے لئے لکھا ہے۔ آپ سب کی زندگی میں آنے والے اُس موڑ کے لئے، جب روشنی یا تاریکی کے انتخاب کا فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ہم چاہیں تو اس راستے پر قدم بڑھا دیں جو روشن ہے اور چاہیں تو تاریکی میں داخل ہو جائیں۔

روشنی میں ہوتے ہوئے بھی انسان کو آنکھیں کھلی رکھنی پڑتی ہیں۔ اگر وہ ٹھوکر کھائے بغیر زندگی کا سفر طے کرنا چاہتا ہے تو تاریکی میں داخل ہونے کے بعد آنکھیں کھلی رکھیں یا بند کوئی فرق نہیں پڑتا، تاریکی ٹھوکروں کو ہماری زندگی کا مقدر بنا دیتی ہے۔

مگر بعض دفعہ تاریکی میں قدم دھرنے کے بعد ٹھوکر لگنے سے پہلے ہی انسان کو پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔ وہ واپس اُس موڑ پر آنا چاہتا ہے جہاں سے اس نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ تب صرف ایک چیز اس کی مدد کر سکتی ہے، کوئی آواز جو رہنمائی کا کام کرے اور انسان اطاعت کے علاوہ کچھ نہ کرے۔

پیرِ کامل ﷺ وہی آواز ہے، جو انسان کو تاریکی سے روشنی تک لا سکتی ہے اور لاتی ہے۔ اگر انسان روشنی چاہے تو "یقیناً ہدایت انہیں کو دی جاتی ہے جو ہدایت چاہتے ہیں۔"

آیئے ایک بار پھر پیرِ کامل ﷺ کو سنیں!

عمیرہ احمد

باب ۱

[redacted]

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش؟" بال پوائنٹ ہونٹوں میں دبائے وہ سوچ میں پڑ گئی پھر ایک لمبا سانس لیتے ہوئے قدرے بے بسی سے مسکرائی۔

"بہت مشکل ہے اس سوال کا جواب دینا۔"

"کیوں مشکل ہے؟" جویریہ نے اس سے پوچھا۔

"کیونکہ میری بہت ساری خواہشات ہیں اور ہر خواہش ہی میرے لئے بہت اہم ہے۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں آڈیٹوریم کے عقبی حصے میں دیوار کے ساتھ زمین پر ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔

ایف ایس سی کلاسز میں آج ان کا آٹھواں دن تھا اور اس وقت وہ دونوں اپنے فری پیریڈ میں آڈیٹوریم کے عقبی حصے میں آ کر بیٹھ گئی تھیں۔ نمکین مونگ پھلی کے دانوں کو ایک ایک کر کے کھاتے

ہوئے جویریہ نے اس سے پوچھا۔

"تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے امامہ؟"

امامہ نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا اور سوچ میں پڑ گئی۔

"پہلے تم بتاؤ، تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" امامہ نے جواب دینے کے بجائے اُلٹا سوال کر دیا۔

"پہلے میں نے پوچھا ہے، تمہیں پہلے جواب دینا چاہئے۔" جویریہ نے گردن ہلائی۔

"اچھا..... ٹھیک ہے ..... مجھے اور سوچنے دو۔" امامہ نے فوراً ہار مانتے ہوئے کہا: "میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش؟" وہ بڑبڑائی۔ "ایک خواہش تو یہ ہے کہ میری زندگی بہت لمبی ہو۔" اس نے کہا۔

"کیوں.....؟" جویریہ ہنسی۔

"بس پچاس، ساٹھ سال کی زندگی مجھے بڑی چھوٹی لگتی ہے..... کم سے کم سو سال تو ملنے چاہئیں انسان کو دنیا میں..... اور پھر میں اتنا سب کچھ کرنا چاہتی ہوں..... اگر جلدی مر جاؤں گی تو پھر میری ساری خواہشات ادھوری رہ جائیں گی۔" اس نے مونگ پھلی کا ایک دانہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا اور.....؟" جویریہ نے کہا۔

"اور یہ کہ میں ملک کی سب سے بڑی ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں..... سب سے اچھی آئی اسپیشلسٹ۔ میں چاہتی ہوں جب پاکستان میں آئی سرجری کی تاریخ لکھی جائے تو اس میں میرا نام ٹاپ آف دا لسٹ ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے آسمان کو دیکھا۔

"اچھا اور اگر کبھی تم ڈاکٹر نہ بن سکیں تو.....؟" جویریہ نے کہا: "آخر یہ میرٹ اور قسمت کی بات ہے۔"

"ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ میں اتنی محنت کر رہی ہوں کہ میرٹ پر ہر صورت آؤں گی۔ پھر میرے والدین کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ میں اگر یہاں کسی میڈیکل کالج میں نہ جا سکی تو وہ مجھے بیرون ملک بھجوا دیں گے۔"

"پھر بھی اگر کبھی ایسا ہو کہ تم ڈاکٹر نہ بن سکو تو.....؟"

"ہو ہی نہیں سکتا..... یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے میں اس پروفیشن کے لئے سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں۔ یہ میرا خواب ہے اور خوابوں کو بھلا کیسے چھوڑا یا بھلایا جا سکتا ہے۔ امپاسبل....."

امامہ نے قطعی انداز میں سر ہلاتے ہوئے ہتھیلی پر رکھے ہوئے دانوں میں سے ایک اور دانہ منہ میں ڈالا۔ [illegible]

[illegible] "زندگی میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔ کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے، فرض کرو کہ تم ڈاکٹر نہیں بن

پاتیں تو.....؟ پھر تم کیا کرو گی..... ؟ کیسے ری ایکٹ کرو گی؟" امامہ اب سوچ میں پڑ گئی۔

"پہلے تو میں بہت روؤں گی۔ بہت ہی زیادہ — کئی دن..... اور پھر میں مر جاؤں گی۔"

جویریہ بے اختیار ہنسی "اور ابھی کچھ دیر پہلے تو تم یہ کہہ رہی تھیں کہ تم لمبی زندگی چاہتی ہو..... اور ابھی تم کہہ رہی ہو کہ تم مر جاؤ گی۔"

"ہاں تو پھر زندہ رہ کر کیا کروں گی۔ سارے پلانز ہی میرے میڈیکل کے حوالے سے ہیں ..... اور یہ چیز زندگی سے نکل گئی تو پھر باقی رہے گا کیا؟"

"یعنی تمہاری ایک بڑی خواہش دوسری بڑی خواہش کو ختم کر دے گی؟"

"تم یہی سمجھ لو....."

"تو پھر اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ تمہاری سب سے بڑی خواہش ڈاکٹر بننا ہے، لمبی زندگی پانا نہیں۔"

"تم کہہ سکتی ہو....."

"اچھا..... اگر تم ڈاکٹر نہ بن سکیں تو پھر مرو گی کیسے..... خودکشی کرو گی یا طبعی موت؟" جویریہ نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"طبعی موت ہی مروں گی— خودکشی تو کر ہی نہیں سکتی۔" امامہ نے لاپروائی سے کہا۔

"اور اگر تمہیں طبعی موت آ نہ سکی تو..... میرا مطلب ہے جلد نہ آئی تو پھر تو تم ڈاکٹر نہ بننے کے باوجود بھی لمبی زندگی گزارو گی۔"

"نہیں، مجھے پتا ہے کہ اگر میں ڈاکٹر نہ بنی تو پھر بہت جلد مر جاؤں گی۔ مجھے اتنا دکھ ہوگا کہ میں تو زندہ رہ ہی نہیں سکوں گی۔" وہ یقین سے بولی۔

"تم جس قدر خوش مزاج ہو، میں کبھی یقین نہیں کر سکتی کہ تم کبھی اتنی دکھی ہو سکتی ہو کہ رو رو کر مر جاؤ اور وہ بھی صرف اس لئے کہ تم ڈاکٹر نہیں بن سکیں۔ look funny۔" جویریہ نے اس بار اس کا مذاق اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"تم اب میری بات چھوڑو، اپنی بات کرو، تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" امامہ نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"رہنے دو....."

"کیوں رہنے دوں.....؟ بتاؤ نا؟"

"تمہیں برا لگے گا؟" جویریہ نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

امامہ نے گردن موڑ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ "مجھے کیوں برا لگے گا؟"

جویریہ خاموش رہی۔

"ایسی کیا بات ہے جو مجھے بری لگے گی؟" امامہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"بری لگے گی۔" جویریہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"آخر تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کا میری زندگی سے کیا تعلق ہے کہ میں اس پر برا مانوں گی۔" امامہ نے اس بار قدرے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔ "کہیں تمہاری یہ خواہش تو نہیں ہے کہ میں ڈاکٹر نہ بنوں؟" امامہ کو اچانک یاد آیا۔

جویریہ ہنس دی۔ "نہیں...... زندگی صرف ایک ڈاکٹر بن جانے سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔" اس نے کچھ فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"پہیلیاں بجھوانا چھوڑ دو اور مجھے بتاؤ۔" امامہ نے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں، میں برا نہیں مانوں گی۔" امامہ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"وعدہ کرنے کے باوجود میری بات سننے پر تم بری طرح ناراض ہو گی۔ بہتر ہے ہم کچھ اور بات کریں۔" جویریہ نے کہا۔

"اچھا میں اندازہ لگاتی ہوں، تمہاری اس خواہش کا تعلق میرے لئے کسی بہت اہم چیز سے ہے...... رائٹ......؟" امامہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا جویریہ نے سر ہلایا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے لئے کون سی چیز اتنی اہم ہو سکتی ہے کہ میں......" وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔

"مگر جب تک میں تمہاری خواہش کی نوعیت نہیں جان لیتی، میں کچھ بھی اندازہ نہیں کر سکتی۔ بتا دو جویریہ...... پلیز...... اب تو مجھے بہت ہی زیادہ تجسس ہو رہا ہے۔" اس نے منت کی۔

وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ امامہ غور سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جویریہ نے سر اُٹھا کر امامہ کو دیکھا۔

"میرے پروفیشن کے علاوہ میری زندگی میں فی الحال جن چیزوں کی اہمیت ہے وہ صرف ایک ہی ہے اور اگر تم اس کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتی ہو تو کہو میں برا نہیں مانوں گی۔" امامہ نے سنجیدگی سے کہا۔

جویریہ نے قدرے چونک کر اسے دیکھا، وہ اپنے ہاتھ میں موجود ایک انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔ جویریہ مسکرائی۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ تم---" جویریہ نے اسے اپنی خواہش بتائی۔

امامہ کا چہرہ یک دم سفید پڑ گیا۔ وہ شاکڈ تھی یا حیرت زدہ...... جویریہ اندازہ نہیں کر سکی، مگر اس کے چہرے کے تاثرات یہ ضرور بتا رہے تھے کہ جویریہ کے منہ سے نکلنے والے جملے اس کے ہر اندازے کے برعکس تھے۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا تم برا مانو گی۔" جویریہ نے جیسے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر امامہ کچھ کہے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

معیز حلق کے بل چلاتا ہوا درد سے دوہرا ہو گیا، اس کے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر تھے۔ اس کے سامنے کھڑے بارہ سالہ لڑکے نے اپنی پھٹی ہوئی ٹی شرٹ کی آستین سے اپنی ناک سے بہتا ہوا خون صاف کیا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹینس ریکٹ ایک بار پھر پوری قوت سے معیز کی ٹانگ پر دے مارا۔ معیز کے حلق سے ایک بار پھر چیخ نکلی اور وہ اس بار سیدھا ہو گیا۔ کچھ بے یقینی کے عالم میں اس نے خود سے دو سال چھوٹے بھائی کو دیکھا جو اب بغیر کسی لحاظ اور مروّت کے اسے اس ریکٹ سے پیٹ رہا تھا جو معیز کچھ دیر پہلے اسے پیٹنے کے لئے لے کر آیا تھا۔

اس ہفتے میں ان دونوں کے درمیان ہونے والا یہ تیسرا جھگڑا تھا اور تینوں بار جھگڑا شروع کرنے والا اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ معیز اور اس کے تعلقات ہمیشہ ہی ناخوشگوار رہے تھے۔

ان کا جھگڑا بچپن سے لے کر اب سے کچھ پہلے تک صرف زبانی کلامی باتوں اور دھمکیوں تک ہی محدود رہتا تھا، مگر اب کچھ عرصے سے وہ دونوں ہاتھا پائی پر بھی اتر آئے تھے۔

آج بھی یہی ہوا تھا وہ دونوں اسکول سے اکٹھے واپس آئے تھے اور گاڑی سے اُترتے ہوئے اس کے چھوٹے بھائی نے بڑی درشتی کے ساتھ پیچھے ڈگی سے اس وقت اپنا بیگ کھینچ کر نکالا جب معیز اپنا بیگ نکال رہا تھا۔ بیگ کھینچتے ہوئے معیز کے ہاتھ کو بری طرح رگڑ آئی۔ معیز بری طرح تلملایا۔

"تم اندھے ہو چکے ہو؟"

وہ اطمینان سے اپنا بیگ اٹھائے بے نیازی سے اندر جا رہا تھا، معیز کے چلانے پر اس نے پلٹ کر اس کو دیکھا اور لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ معیز کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی، وہ تیز قدموں سے اس کے پیچھے اندر چلا آیا۔

"اگر دوبارہ تم نے ایسی حرکت کی تو میں تمہارا ہاتھ توڑ دوں گا۔" اس کے قریب پہنچتے ہوئے معیز ایک بار پھر دھاڑا۔ اس نے بیگ کندھے سے اُتار کر نیچے رکھ دیا اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"نکالوں گا...... تم کیا کرو گے......؟ ہاتھ توڑ دو گے؟ اتنی ہمت ہے؟"

"یہ میں تمہیں اس وقت بتاؤں گا جب تم دوبارہ یہ حرکت کرو گے۔" معیز اپنے کمرے کی

طرف بڑھا۔

مگر اس کے بھائی نے پوری قوت سے اس کا بیگ کھینچتے ہوئے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

''نہیں تم مجھے ابھی بتاؤ۔'' اس نے معیز کا بیگ اُٹھا کر دور پھینک دیا۔ معیز کا چہرہ سُرخ ہو گیا اس نے زمین پر پڑا ہوا اپنے بھائی کا بیگ اُٹھا کر دور اچھال دیا۔ ایک لمحے کا انتظار کیے بغیر اس کے بھائی نے پوری قوت سے معیز کی ٹانگ پر ٹھوکر ماری۔ جواباً اس نے پوری قوت سے چھوٹے بھائی کے منہ پر مکا مارا جو اس کی ناک پر لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کی ناک سے خون نکلنے لگا۔ اتنے شدید حملے کے باوجود اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ اس نے معیز کی ٹائی کھینچتے ہوئے اس کا گلا دبانے کی کوشش کی۔ معیز نے جواباً اس کی شرٹ کو کالرز سے کھینچا اسے شرٹ کے پھٹنے کی آواز آئی۔ اس نے پوری قوت سے اپنے چھوٹے بھائی کے پیٹ میں مکا مارا اس کے بھائی کے ہاتھ سے اس کی ٹائی نکل گئی۔

''ٹھہرو میں تمہیں اب تمہارا ہاتھ توڑ کر دکھاتا ہوں۔'' معیز نے اسے گالیاں دیتے ہوئے لاؤنج کے ایک کونے میں پڑے ہوئے ایک ریکٹ کو اُٹھا لیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو مارنے کی کوشش کی مگر اگلے ہی لمحے ریکٹ اس کے بھائی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے پوری قوت سے گھما کر اتنی برق رفتاری کے ساتھ اس ریکٹ کو معیز کے پیٹ میں مارا کہ وہ سنبھل یا خود کو بچا بھی نہیں سکا۔ اس نے یکے بعد دیگرے اس کی کمر اور ٹانگ پر ریکٹ برسا دیے۔

اندر سے ان دونوں کا بڑا بھائی اشتعال کے عالم میں باہر لاؤنج میں آ گیا۔

''کیا تکلیف ہے تم دونوں کو .... گھر میں آتے ہی ہنگامہ شروع کر دیتے ہو۔'' اس کو دیکھتے ہی چھوٹے بھائی نے اٹھا ہوا ریکٹ نیچے کر لیا تھا۔

اور تم .... تمہیں شرم نہیں آتی اپنے سے بڑے بھائی کو مارتے ہو۔'' اس کی نظر اب اس کے ہاتھ میں پکڑے ریکٹ پر گئی۔

''نہیں آتی۔'' اس نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہوئے ریکٹ ایک طرف اچھال دیا اور بڑی بے خوفی سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا اپنا بیگ اُٹھا کر اندر جانے لگا۔ معیز نے بلند آواز میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا۔

''تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔'' وہ ابھی تک اپنی ٹانگ سہلا رہا تھا۔

"sure why not." (ہاں، کیوں نہیں) ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ سیڑھیوں کے آخری سرے پر رُک کر اس نے معیز سے کہا: ''اگلی بار تم بیٹ لے کر آنا...... ٹینس ریکٹ سے کچھ مزہ نہیں آیا...... تمہاری کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی۔'' معیز کو اشتعال آ گیا۔

''تم اپنی ناک سنبھالو...... وہ یقیناً ٹوٹ گئی ہے۔''

معیز غصے کے عالم میں سیڑھیوں کو دیکھتا رہا، جہاں کچھ دیر پہلے وہ کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

مسز سبا نتھار چرڈز نے دوسری رو میں کھڑکی کے ساتھ پہلی کرسی پر بیٹھے ہوئے اس لڑکے کو چوتھی بار گھورا۔ وہ اس وقت بھی بڑی بے نیازی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ باہر سے نظریں ہٹاتا.... ایک نظر مسز سبا نتھا کو دیکھتا۔ اس کے بعد پھر اسی طرح باہر جھانکنے لگتا۔

اسلام آباد کے ایک غیر ملکی اسکول میں وہ آج پہلے دن اس کلاس کی بیالوجی پڑھانے کے لئے آئی تھیں۔ وہ ایک ڈپلومیٹ کی بیوی تھیں اور کچھ دن پہلے ہی اسلام آباد اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھیں۔ ٹیچنگ ان کا پروفیشن تھا اور جس جس ملک میں ان کے شوہر کی پوسٹنگ ہوتی وہ وہاں سفارت خانہ سے منسلک اسکولز میں پڑھاتی رہیں۔

اپنے سے پہلے بیالوجی پڑھانے والی ٹیچر مسز میرین کی سکیم آف ورک کو ہی جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کلاس کے ساتھ کچھ ابتدائی تعارف اور گفتگو کے بعد دل اور نظامِ دورانِ خون کی ڈایا گرام رائٹنگ بورڈ پر بناتے ہوئے اسے سمجھانا شروع کیا۔

ڈایا گرام کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے اس لڑکے کو کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے دیکھا۔ پرانی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے اپنی نظریں اس لڑکے پر مرکوز رکھتے ہوئے انہوں نے اچانک بولنا بند کر دیا۔ کلاس میں یک دم خاموشی چھا گئی۔ اس لڑکے نے سر گھما کر اندر دیکھا۔ مسز سبا نتھار چرڈز سے اس کی نظریں ملیں۔ مسز سبا نتھار چرڈز مسکرائیں اور ایک بار پھر انہوں نے اپنا لیکچر شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک انہوں نے اسی طرح بولتے ہوئے اپنی نظریں اس لڑکے پر رکھیں، جو اب اپنے سامنے پڑی نوٹ بک پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا اس کے بعد مسز سبا نتھار چرڈز نے اپنی توجہ کلاس میں موجود دوسرے اسٹوڈنٹس پر مرکوز کر لی۔ ان کا خیال تھا وہ خاصا شرمندہ ہو چکا ہے دوبارہ باہر نہیں دیکھے گا مگر صرف دو منٹ کے بعد انہوں نے اسے ایک بار پھر کھڑکی سے باہر متوجہ دیکھا۔ وہ ایک بار پھر بولتے بولتے خاموش ہو گئیں۔ بلا توقف اس لڑکے نے گردن موڑ کر پھر ان کی طرف دیکھا، اس بار مسز سبا نتھار چرڈز مسکرائیں نہیں، بلکہ قدرے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر لیکچر دینا شروع کر دیا۔ چند لمحے گزرنے کے بعد انہوں نے رائٹنگ بورڈ کو دیکھنے کے بعد دوبارہ اس لڑکے کو دیکھا تو وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر کچھ دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس بار غیر محسوس طور پر ان کے چہرے پر کچھ ناراضی نمودار ہوئی اور وہ کچھ جھنجلاتے ہوئے خاموش ہوئیں اور ان کے خاموش ہوتے ہی اس لڑکے نے کھڑکی کے باہر سے اپنی نظریں ہٹا کر ان کی طرف دیکھا، اس بار اس لڑکے کے ماتھے پر بھی کچھ شکنیں تھیں۔ ایک نظر مسز سبا نتھار چرڈز کو ناگواری سے دیکھ کر وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اس کا انداز اس قدر توہین آمیز تھا کہ مسز سانتھار چرڈز کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"سالار! تم کیا دیکھ رہے ہو؟" انہوں نے سختی سے پوچھا۔

"nothing......" یک لفظی جواب آیا۔ وہ اب چبھتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے، میں کیا پڑھا رہی ہوں؟"

"hope so" اس نے اتنے روڈ انداز میں کہا کہ سانتھار چرڈز نے یک دم ہاتھ میں پکڑا ہوا مارکر کیپ سے بند کر کے ٹیبل پر پھینک دیا۔

"یہ بات ہے تو پھر یہاں آؤ اور یہ ڈایاگرام بنا کر اس کو لیبل کرو۔" انہوں نے اسفنج کے ساتھ رائٹنگ بورڈ کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ یکے بعد دیگرے لڑکے کے چہرے پر کئی رنگ آئے۔ انہوں نے کلاس میں بیٹھے ہوئے اسٹوڈنٹس کو آپس میں نظروں کا تبادلہ کرتے دیکھا۔ وہ لڑکا اب سرد نظروں کے ساتھ سانتھار چرڈز کو دیکھ رہا تھا، جیسے ہی انہوں نے رائٹنگ بورڈ سے آخری نشان صاف کیا وہ اپنی کرسی سے ایک جھٹکے کے ساتھ اُٹھا۔ تیز قدموں کے ساتھ اس نے ٹیبل پر پڑا ہوا مارکر اُٹھایا اور برق رفتاری کے ساتھ رائٹنگ بورڈ پر ڈایاگرام بنانے لگا۔ پورے دو منٹ ستاون سیکنڈز کے بعد اس نے مارکر پر کیپ لگا کر اسے میز پر اسی انداز میں اچھالا، جس انداز میں سانتھار چرڈ نے اچھالا تھا اور سانتھار چرڈز کی طرف دیکھے بغیر اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ مسز رچرڈز نے اسے مارکر اچھالتے یا اپنی کرسی کی طرف جاتے نہیں دیکھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں رائٹنگ بورڈ پر تین منٹ سے بھی کم عرصہ میں بنائی جانے والی اس labelled ڈایاگرام کو دیکھ رہی تھیں جسے بنانے میں انہوں نے دس منٹ لئے تھے اور وہ ان کی ڈایاگرام سے زیادہ اچھی تھی۔ وہ کہیں بھی معمولی سی غلطی بھی نہیں ڈھونڈ سکیں۔ کچھ خفیف سی ہوتے ہوئے انہوں نے گردن موڑ کر ایک بار پھر اس لڑکے کو دیکھا وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

وسیم نے تیسری بار دروازے پر دستک دی، اس بار اندر سے اِمامہ کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"اِمامہ! میں ہوں...... دروازہ کھولو۔" وسیم نے دروازے سے اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ اندر خاموشی چھا گئی۔

کچھ دیر بعد دروازے کا لاک کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وسیم نے دروازے کے ہینڈل کو گھما کر دروازہ کھول دیا۔ اِمامہ اس کی جانب پشت کئے اپنے بیڈ کی طرف بڑھی۔

"تمہیں اس وقت کیا کام آن پڑا ہے مجھ سے؟"

"آخر تم نے اتنی جلدی دروازہ کیوں بند کر لیا تھا۔ ابھی تو دس بجے ہیں......" وسیم کمرے میں

داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"بس نیند آ رہی تھی مجھے۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وسیم اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔

"تم رو رہی تھیں؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ اِمامہ کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں اور وہ اس سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں رو نہیں رہی تھی، بس سر میں کچھ درد ہو رہا تھا۔" اِمامہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

وسیم نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹمپریچر چیک کرنے کی کوشش کی۔

"کہیں بخار تو نہیں ہے۔" اس نے کچھ تشویش بھرے انداز میں کہا اور پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔ "بخار تو نہیں ہے...... پھر تم کوئی ٹیبلٹ لے لیتیں۔"

"میں لے چکی ہوں۔"

"اچھا تم سو جاؤ...... میں باتیں کرنے آیا تھا مگر اب اس حالت میں کیا باتیں کروں گا تم سے۔" وسیم نے قدم باہر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اِمامہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خود بھی اٹھ کر اس کے پیچھے گئی اور وسیم کے باہر نکلتے ہی اس نے دروازے کو پھر لاک کر لیا۔ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹ کر اس نے تکیے میں منہ چھپا لیا۔ وہ ایک بار پھر ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔

☆......☆......☆

تیرہ سال کا وہ لڑکا اس وقت ٹی وی پر میوزک شو دیکھنے میں مصروف تھا، جب طیبہ نے اندر جھانکا۔ بے یقینی سے انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور پھر کچھ ناراضی کے عالم میں اندر چلی آئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے اندر آتے ہی کہا۔

"ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔" اس نے ٹی وی سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

"ٹی وی دیکھ رہا ہوں...... فار گاڈ سیک۔ تمہیں احساس ہے کہ تمہارے پیپرز ہو رہے ہیں؟" طیبہ نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"سو واٹ......" اس لڑکے نے اس بار کچھ خفگی سے کہا۔

"سو واٹ؟" تمہیں اس وقت اپنے کمرے میں کتابوں کے درمیان ہونا چاہئے نہ کہ یہاں اس بے ہودہ شو کے سامنے۔" طیبہ نے ڈانٹا۔

"مجھے جتنا پڑھنا تھا میں پڑھ چکا ہوں آپ سامنے سے ہٹ جائیں......" اس کے لہجے میں ناگواری آگئی۔

"پھر بھی اُٹھو اور اندر جا کر پڑھو۔" طیبہ نے اسی طرح کھڑے کھڑے اس سے کہا۔

"نہ میں یہاں سے اٹھوں گا نہ اندر جا کر پڑھوں گا۔ میری اسٹڈیز اور پیپرز میرا مسئلہ ہیں۔ آپ کا

نہیں۔"

"اگر تمہیں اتنی پروا ہوتی اسٹڈیز کی تو اس وقت تم یہاں بیٹھے ہوتے؟"

"step aside" اس نے طیبہ کے جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی کے ساتھ ساتھ ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"آج تمہارے پاپا آجائیں تو میں ان سے بات کرتی ہوں۔" طیبہ نے اسے دھمکانے کی کوشش کی۔

"ابھی بات کرلیں..... کیا ہوگا؟ پاپا کیا کرلیں گے۔ جب میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ مجھے جتنی تیاری کرنی ہے میں نے کرلی ہے تو پھر آپ کو کیا مسئلہ ہے؟"

"یہ تمہارے سالانہ امتحان ہیں، تمہیں احساس ہونا چاہئے اس بات کا۔" طیبہ نے یک دم اپنے لہجے کو نرم کرتے ہوئے کہا۔

"میں کوئی دو چار سال کا بچہ نہیں ہوں کہ میرے آگے پیچھے پھرنا پڑے آپ کو..... میں اپنے معاملات میں آپ سے زیادہ سمجھ دار ہوں، اس لئے یہ تھرڈ کلاس قسم کے جملے مجھ سے مت بولا کریں۔ ایگزام ہو رہے ہیں۔ اسٹڈیز پر دھیان دو، اس وقت تمہیں اپنے کمرے میں ہونا چاہئے۔"

"میں تمہارے قادر سے بات کروں گی۔"

"what a rubbish۔"

وہ بات کرتے کرتے غصے میں صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا ہاتھ میں پکڑا ہوا ریموٹ اس نے پوری قوت سے سامنے والی دیوار پر دے مارا اور پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ طیبہ کچھ بے بسی اور خفت کے عالم میں اسے کمرے سے باہر نکلتا ہوا دیکھتی رہیں۔

☆......☆......☆

فلوینا فرانسس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ میز پر رکھتے ہوئے ایک نظر ہال میں دوڑائی، پیپر شروع ہونے میں ابھی دس منٹ باقی تھے اور ہال میں موجود اسٹوڈنٹس کتابیں، نوٹس اور نوٹ بکس پکڑے تیزی سے صفحے آگے پیچھے کرتے ان پر آخری نظریں ڈال رہے تھے۔ ان کی جسمانی حرکات سے ان کی پریشانی اور اضطراب کا اظہار ہو رہا تھا۔ فلوینا فرانسس کے لئے یہ ایک بہت مانوس سین تھا پھر ان کی نظریں ہال کے تقریباً درمیان میں بیٹھے ہوئے سالار پر جا ٹھہریں۔ پچیس اسٹوڈنٹس میں اس وقت وہ واحد اسٹوڈنٹ تھا جو اطمینان سے اپنی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ میں اسکیل پکڑے آہستہ آہستہ اسے اپنے جوتے پر مارتے ہوئے وہ اطمینان سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا، فلوینا کے لئے یہ سین بھی نیا نہیں تھا۔ اپنے سات سالہ کیریئر میں انہوں نے پیپرز کے دوران سالار کو اسی بے فکری اور لاپروائی کا مظاہرہ کرتے پایا تھا۔

نو بج کر دو منٹ پر انہوں نے سالار کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے Mcq's پر مبنی Objective Paper تھمایا، تیس منٹ کے بعد اسے وہ پیپر ان سے لے لینا تھا۔ نو بج کر دس منٹ پر انہوں نے سالار کو اپنی کرسی سے کھڑا ہوتے دیکھا۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی ہال میں اس سے پیچھے موجود تمام اسٹوڈنٹس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ پیپر ہاتھ میں لئے فلوینا فرانسس کی طرف جا رہا تھا۔ فلوینا فرانسس کے لئے یہ بھی نیا سین نہیں تھا۔ وہ پہلے بھی یہی کچھ دیکھتی آئی تھیں۔ تیس منٹ میں حل کیا جانے والا پیپر وہ آٹھ منٹ میں حل کر کے ان کے سر پر کھڑا تھا۔

"پیپر کو دوبارہ دیکھ لو۔" انہوں نے یہ جملہ اس سے نہیں کہا۔ وہ جانتی تھیں اس کا جواب کیا ہوگا۔

"میں دیکھ چکا ہوں۔" وہ اگر اسے ایک بار پھر پیپر دیکھنے پر مجبور کرتیں تو وہ ہمیشہ کی طرح پیپر لے جا کر اپنی کرسی کے ہتھے پر رکھ کر بازو سینے پر لپیٹ کر بیٹھ جاتا۔ انہیں یاد نہیں تھا کبھی اس نے ان کے کہنے پر پیپر کو دوبارہ چیک کیا ہو اور وہ یہ تسلیم کرتی تھیں کہ اسے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کے پیپر میں کسی ایک بھی غلطی کو ڈھونڈنا بہت مشکل کام تھا۔

انہوں نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ہاتھ سے پیپر پکڑ لیا۔

"تم جانتے ہو سالار! میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟" انہوں نے پیپر پر نظر ڈالتے ہوئے کہا: "کہ میں تمہیں تیس منٹ کا...... پیپر... تیس منٹ...... کے بعد Submit کرواتے ہوئے دیکھوں۔" وہ ان کی بات پر خفیف سے انداز میں مسکرایا۔ "آپ کی یہ خواہش اس صورت میں پوری ہو سکتی ہے میم اگر میں یہ پیپر ۱۵۰ سال کی عمر میں حل کرنے بیٹھوں۔"

"نہیں میرا خیال ہے ۱۵۰ سال کی عمر میں تم یہ پیپر دس منٹ میں کرو گے۔"

اس بار وہ ہنسا اور واپس مڑ گیا۔ فلوینا فرانسس نے ایک نظر اس کے پیپر کے صفحات کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ایک سرسری سی نظر بھی انہیں یہ بتانے کے لئے کافی تھی کہ وہ اس پیپر میں کتنے نمبر گنوائے گا...... "زیرو۔"

☆......☆......☆

سلمیٰ نے اپنی بیٹی کے ہاتھوں میں گفٹ پیپر میں لپٹے ہوئے پیکٹ کو حیرانی سے دیکھا۔

"یہ کیا ہے امامہ؟ تم تو مارکیٹ گئی تھیں۔ شاید کچھ کتابیں لینی تھیں تمہیں؟"

"ہاں امی! مجھے کتابیں ہی لینی تھیں، مگر کسی کو تحفے میں دینے کے لئے۔"

"کس کو تحفہ دینا ہے؟"

"وہ لاہور میں ایک دوست ہے میری، اس کی سالگرہ ہے۔ اسی کے لئے خریدا ہے کوریئر سروس کے ذریعے بھجوا دوں گی کیونکہ مجھے تو ابھی یہاں رہنا ہے۔"

"لاؤ پھر مجھے دے دو یہ پیکٹ، میں وسیم کو دوں گی، وہ بھجوا دے گا۔"

"نہیں امی! میں ابھی نہیں بھجواؤں گی...... ابھی اس کی سالگرہ کی تاریخ نہیں آئی۔" سلمیٰ کو لگا جیسے وہ یک دم گھبرا گئی ہو۔ انہیں حیرانی ہوئی۔ کیا یہ گھبرانے والی بات تھی؟

تین سال پہلے امامہ کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انہیں اور ان کے شوہر ہاشم کو۔ وہ تب اپنی بیٹی کے بارے میں بہت فکر مند تھیں اور ہاشم ان سے زیادہ مگر پچھلے تین سال میں سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اب اس کی طرف سے مکمل طور پر مطمئن تھے۔ خاص طور پر اسجد سے اس کی نسبت طے کر کے۔ وہ جانتی تھیں امامہ اسجد کو پسند کرتی ہے اور صرف وہی نہیں اسجد کو کوئی بھی پسند کر سکتا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک اچھا لڑکا تھا...... وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ وہ اسجد سے نسبت طے ہونے پر بہت خوش ہوئی تھی۔ اسجد اور اس کے درمیان پہلے بھی خاصی دوستی اور بے تکلفی تھی مگر بعض دفعہ انہیں لگتا جیسے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت چپ ہوتی جا رہی ہے۔ وہ پہلے ایسی نہیں تھی۔

"مگر اب وہ اسکول جانے والی بچی بھی تو نہیں رہی۔ میڈیکل کالج کی اسٹوڈنٹ ہے...... پھر وقت بھی کہاں ہوتا ہے اس کے پاس۔" سلمیٰ ہمیشہ خود کو تسلی دے لیتیں۔

وہ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ بڑی دونوں بیٹیوں کی وہ شادی کر چکی تھیں۔ ایک بیٹے کی بھی شادی کر چکی تھیں جب کہ دو بیٹے اور امامہ غیر شادی شدہ تھے۔

"اچھا ہی ہے کہ یہ سنجیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ لڑکیوں کے لئے سنجیدگی اچھی ہوتی ہے۔ انہیں جتنی جلدی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے، اتنا ہی اچھا ہے۔" سلمیٰ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے امامہ سے نظریں ہٹا لیں۔ وہ چھٹیوں میں گھر آئی ہوئی تھی اور جتنے دن وہ یہاں رہتی ان کی نظریں اس پر اسی طرح مرکوز رہتیں۔

"پتا نہیں یہ ساجد کہاں رہ گیا ہے جو بھی کام اس کے ذمے لگاؤ بس بھول ہی جاؤ۔" انہیں اچانک اپنے ملازم کا خیال آیا۔ جس کے پیچھے وہ لاؤنج میں آئی تھیں۔ بڑبڑاتے ہوئے وہ لاؤنج سے نکل گئیں۔

☆......☆......☆

یہ نیو ایئر نائٹ تھی۔ نیا سال شروع ہونے میں تیس منٹ باقی تھے۔ دس لڑکوں پر مشتمل چودہ پندرہ سال کے لڑکوں کا وہ گروپ پچھلے دو گھنٹے سے اپنے اپنے موٹر سائیکلز پر شہر کی مختلف سڑکوں پر اپنے کرتب دکھانے میں مصروف تھا، ان میں سے چند نے اپنے ماتھے پر چمکدار بینڈز باندھے ہوئے تھے جن پر نئے سال کے حوالے سے مختلف پیغامات درج تھے۔ وہ لوگ ایک گھنٹہ پہلے پوش علاقے کی ایک بڑی سپر مارکیٹ میں موجود تھے اور وہاں وہ مختلف لڑکیوں پر آوازے کستے رہے تھے۔

اپنی بائیکس پر سوار اب مختلف سڑکوں پر چکر لگا رہے تھے، ان کے پاس فائر کریکرز موجود تھے

جنہیں وہ وقتاً فوقتاً چلا رہے تھے۔ پونے بارہ پر وہ جم خانہ کے باہر موجود تھے جہاں پارکنگ لاٹ گاڑیوں سے بھر چکا تھا۔ یہ گاڑیاں ان لوگوں کی تھیں جو جم خانے میں نئے سال کے سلسلے میں ہونے والی ایک پارٹی میں آئے تھے۔ ان لڑکوں کے پاس بھی اس پارٹی کے دعوتی کارڈ موجود تھے، کیونکہ ان میں سے تقریباً تمام کے والدین جم خانہ کے ممبر تھے۔

وہ لڑکے اندر پہنچے تو گیارہ بج کر پچپن منٹ ہو رہے تھے چند منٹوں بعد ڈانس فلور سمیت تمام جگہوں کی لائٹس آف ہو جاتی تھیں اور اس کے بعد باہر لان میں آتش بازی کے ایک مظاہرہ کے ساتھ نیا سال شروع ہونے پر لائٹس آن ہوتی تھیں اور اس کے بعد تقریباً تمام رات وہاں رقص کے ساتھ ساتھ شراب پی جاتی، جس کا اہتمام نئے سال کی اس تقریب کے لئے جم خانہ کی انتظامیہ خاص طور پر کرتی تھی۔ لائٹس آف ہوتے ہی وہاں ایک طوفانِ بدتمیزی کا آغاز ہو جاتا تھا اور وہاں موجود لوگ اسی "طوفانِ بدتمیزی" کے لئے وہاں آئے تھے۔

پندرہ سالہ وہ لڑکا بھی دس لڑکوں کے اس گروپ کے ساتھ آنے کے بعد اس وقت ڈانس فلور پر راک بیٹ پر ڈانس کر رہا تھا، ڈانس میں اس کی مہارت قابلِ دید تھی۔

بارہ بجنے میں دس سیکنڈ رہ جانے پر لائٹس آف ہو گئیں اور ٹھیک بارہ بجے لائٹس یک دم دوبارہ آن کر دی گئیں۔

اندھیرے کے بعد سیکنڈز گننے والوں کی آوازیں اب شور اور خوشی کے قہقہوں اور چیخوں میں بدل گئی تھیں چند سیکنڈز پہلے تھم جانے والا میوزک ایک بار پھر بجایا جانے لگا۔ وہ لڑکا اب اپنے دوستوں کے ساتھ باہر پارکنگ میں آ گیا جہاں بہت سے لڑکے اپنی اپنی گاڑیوں کے ہارن بجا رہے تھے۔ ان ہی لڑکوں کے ساتھ بیئر کے کین پکڑے وہ وہاں موجود ایک گاڑی کی چھت پر چڑھ گیا۔ اس لڑکے نے گاڑی کی چھت پر کھڑے کھڑے اپنی جیکٹ کی جیب سے بیئر کا ایک بھرا ہوا کین نکالا اور پوری طاقت سے کچھ فاصلے پر کھڑی ایک گاڑی کی ونڈ اسکرین پر دے مارا۔ ایک دھماکے کے ساتھ گاڑی کی ونڈ اسکرین چور چور ہو گئی وہ لڑکا اطمینان کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا کین پیتا رہا۔

☆......☆......☆

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کامران کو وڈیو گیم کھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر موجود اسکور میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہو رہا تھا، شاید اس کی وجہ وہ مشکل ٹریک تھا جس پر کامران کو گاڑی ڈرائیو کرنی تھی۔ سالار لاؤنج کے صوفوں میں سے ایک صوفے پر بیٹھا اپنی نوٹ بک پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا، مگر وقتاً فوقتاً نظر اٹھا کر ٹی وی اسکرین کو بھی دیکھ رہا تھا جہاں کامران اپنی جدوجہد میں مصروف تھا۔

ٹھیک آدھ گھنٹہ کے بعد اس نے نوٹ بک بند کر کے سامنے پڑی میز پر رکھ دی۔ پھر ستہ پر ہاتھ

رکھ کر جمائی روکی۔ دونوں ٹانگیں سامنے پڑی میز پر رکھ کر اور دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں سر کے پیچھے باندھے وہ کچھ دیر اسکرین کو دیکھتا رہا، جہاں کامران اپنے تمام چانسز ضائع کرنے کے بعد ایک بار پھر نیا گیم کھیلنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"کیا پرابلم ہے کامران؟" سالار نے کامران کو مخاطب کیا۔

"ایسے ہی...... نیا گیم لے کر آیا ہوں مگر اسکور کرنے میں بڑی مشکل ہو رہی ہے۔" کامران نے بےزاری سے کہا۔

"اچھا مجھے دکھاؤ......" اس نے صوفے سے اُٹھ کر ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

کامران نے دیکھا۔ پہلے بیس سیکنڈ میں ہی سالار اسے جس اسپیڈ پر دوڑا رہا تھا اس اسپیڈ پر کامران اب تک نہیں دوڑا پایا تھا۔ جو ٹریک اسے بہت مشکل لگ رہا تھا وہ سالار کے سامنے ایک بچگانہ چیز محسوس ہو رہا تھا۔ ایک منٹ بعد وہ جس اسپیڈ پر گاڑی دوڑا رہا تھا اس اسپیڈ پر کامران کے لئے اس پر نظریں جمانا مشکل ہو گیا جب کہ سالار اس اسپیڈ پر بھی گاڑی کو مکمل طور پر کنٹرول کئے ہوئے تھا۔

تین منٹ کے بعد کامران نے پہلی بار گاڑی کو ڈگمگاتے اور پھر ٹریک سے اُتر کر ایک دھماکے کے ساتھ تباہ کرتے دیکھا۔ کامران نے کچھ مسکراتے ہوئے مڑ کر سالار کو دیکھا۔ گاڑی کیوں تباہ ہوئی تھی، وہ جان گیا تھا ریموٹ اب سالار کے ہاتھ کے بجائے میز پر پڑا تھا اور وہ اپنی نوٹ بک اُٹھائے کھڑا ہو رہا تھا۔ کامران نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ "بہت بورنگ گیم ہے۔" سالار نے تبصرہ کیا اور کامران کی ٹانگوں کو پھلانگتے ہوئے لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ کامران ہونٹ بھینچے سات ہندسوں پر مبنی اس اسکور کو دیکھ رہا تھا جو اسکرین کے ایک کونے میں جگمگا رہا تھا، کچھ نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں اس نے بیرونی دروازے کو دیکھا جس سے وہ غائب ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وہ دونوں ایک بار پھر خاموش تھے، اسجد کو اُلجھن ہونے لگی۔ امامہ اتنی کم گو نہیں تھی جتنی وہ اس کے سامنے ہو جاتی تھی۔ پچھلے آدھے گھنٹے میں اس نے گنتی کے لفظ بولے تھے۔

وہ اسے بچپن سے جانتا تھا۔ وہ بہت خوش مزاج تھی۔ ان دونوں کی نسبت ٹھہرائے جانے کے بعد بھی ابتدائی سال میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اسجد کو اس سے بات کر کے خوشی محسوس ہوتی تھی۔ وہ بلا کی حاضر جواب تھی، مگر پچھلے کچھ سالوں میں وہ یک دم بدل گئی تھی اور میڈیکل کالج میں جا کر تو یہ تبدیلی اور بھی زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔ اسجد کو بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا جیسے اس سے بات کرتے ہوئے وہ حد درجہ محتاط رہتی ہے۔ کبھی وہ اُلجھی ہوئی سی محسوس ہوتی اور کبھی اسے اس کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری محسوس ہوتی۔ اسے لگتا وہ جلد از جلد اس سے چھٹکارا پا کر اس کے پاس سے اُٹھ کر چلی جانا

چاہتی ہے۔

اس وقت بھی وہ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔

"میں کئی بار سوچتا ہوں کہ میں خوامخواہ ہی تمہارے لئے یہاں آنے کا تردد کرتا ہوں...... تمہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہوگا کہ میں آؤں یا نہ آؤں۔" اسجد نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ وہ اس کے بالمقابل لان چیئر پر بیٹھی دور باؤنڈری وال پر چڑھی ہوئی بیل کو گھور رہی تھی۔ اسجد کی شکایت پر اس نے گردن ہلائے بغیر اپنی نظریں بیل سے ہٹا کر اسجد پر مرکوز کر دیں۔ اسجد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ خاموش رہی تو اس نے لفظوں میں کچھ ردوبدل کے ساتھ اپنا سوال دُہرایا۔

"تمہیں میرے نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا امامہ...... کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں؟"

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں اس پر؟"

"تم کم از کم انکار تو کر سکتی ہو۔ میری بات کو جھٹلا تو سکتی ہو کہ ایسی بات نہیں ہے۔ میں غلط سوچ رہا ہوں اور......"

"ایسی بات نہیں ہے، آپ غلط سوچ رہے ہیں۔" امامہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ اس کا لہجہ اب بھی اتنا ہی ٹھنڈا اور چہرہ اتنا ہی بے تاثر تھا جتنا پہلے تھا، اسجد ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"ہاں، میری دعا اور خواہش تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو اور میں واقعی غلط سوچ رہا ہوں مگر تم سے بات کرتے ہوئے میں ہر بار ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔"

"کس بات سے آپ ایسا محسوس کرتے ہیں؟" اس بار پہلی بار اسجد کو اس کی آواز میں کچھ ناراضی جھلکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"بہت سی باتوں سے...... تم میری کسی بات کا ڈھنگ سے جواب ہی دیتیں۔"

"حالانکہ میں آپ کی ہر بات کا ڈھنگ سے جواب دینے کی بھرپور کوشش کرتی ہوں...... لیکن اب اگر آپ کو میرے جواب پسند نہ آئیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔"

اسجد کو اس بار بات کرتے ہوئے وہ کچھ مزید خفا محسوس ہوئی۔

"میں نے یہ کب کہا کہ مجھے تمہارے جواب پسند نہیں آئے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ میری ہر بات کے جواب میں تمہارے پاس...... ہاں اور نہیں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ تو مجھے لگتا ہے میں اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔"

"اگر آپ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ تم ٹھیک ہو؟ تو میں اس کا جواب ہاں یا نہیں میں ہی دوں گی۔ ہاں اور نہیں کے علاوہ اس سوال کا جواب کسی تقریر سے دیا جا سکتا ہے تو آپ مجھے وہ دے دیں، میں وہ کر دوں گی۔" وہ بالکل سنجیدہ تھی۔

"ہاں اور نہیں کے ساتھ بھی تو کچھ کہا جا سکتا ہے...... اور کچھ نہیں، تم جواباً میرا حال ہی پوچھ سکتی ہو۔"

"میں آپ کا کیا حال پوچھوں، ظاہر ہے اگر آپ میرے گھر آئے ہیں، میرے سامنے بیٹھے مجھ سے باتیں کر رہے ہیں تو اس کا واضح مطلب تو یہی ہے کہ آپ ٹھیک ہیں ورنہ آپ اس وقت اپنے گھر، اپنے بستر پر پڑے ہوتے۔"

"یہ فارمیلٹی ہوتی ہے امامہ......!"

"ارے آپ جانتے ہیں، میں فارمیلٹیز پر یقین نہیں رکھتی۔ آپ بھی مجھ سے میرا حال نہ پوچھا کریں۔ میں بالکل مائنڈ نہیں کروں گی۔" اسجد جیسے لاجواب ہو گیا۔

"ٹھیک ہے فارمیلٹیز کو چھوڑو، بندہ کوئی اور بات کر لیتا ہے۔ کچھ ڈسکس کر لیتا ہے۔ اپنی مصروفیات کے بارے میں ہی کچھ بتا دیتا ہے۔"

"اسجد! میں آپ سے کیا ڈسکس کروں...... آپ بزنس کرتے ہیں۔ میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں...... آپ سے میں کیا پوچھوں، اسٹاک مارکیٹ کی پوزیشن......؟ ٹرینڈ bullish تھا یا bearish انڈیکس میں کتنے پوائنٹس کا اضافہ ہوا؟ یا اگلی کنسائنمنٹ کہاں بھیج رہے ہیں؟ اس بار گورنمنٹ نے آپ کو کتنی ریبیٹ دی؟" اس کا لہجہ اب بھی اتنا ہی سرد تھا یا آپ سے اناٹومی ڈسکس کروں، کون سے عوامل انسان کے جگر کو متاثر کر سکتے ہیں۔ بائی پاس سرجری میں اس سال کون سی نئی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ دل کی دھڑکن بحال کرنے کے لئے کتنے سے کتنے وولٹ کا الیکٹرک شاک دیا جا سکتا ہے۔ تو ہم دونوں کی مصروفیات تو یہ ہیں اب ان کے بارے میں ڈسکشن سے آپ اور میں محبت اور بے تکلفی کی کون سی منزلیں طے کریں گے۔ وہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

اسجد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اب وہ اس لمحہ کو کوس رہا تھا جب اس نے امامہ سے شکایت کی تھی۔

"اور بھی تو مصروفیات ہوتی ہیں انسان کی۔" اسجد نے قدرے کمزور لہجہ میں کہا۔

"نہیں پڑھائی کے علاوہ میری تو اور کوئی مصروفیات نہیں ہیں۔" امامہ نے قطعیت سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پہلے بھی تو ہم دونوں آپس میں بہت سی باتیں کرتے تھے۔" امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پہلے کی بات چھوڑیں، اب میں وقت ضائع کرنا افورڈ نہیں کر سکتی۔ حیرت مجھے آپ پر ہو رہی ہے، آپ بزنس مین ہو کر اتنی امیچور اور ایموشنل سوچ رکھتے ہیں۔ آپ کو تو خود بہت پریکٹیکل ہونا چاہئے۔"

اسجد کچھ بول نہ سکا۔

"ہم دونوں کے درمیان جو رشتہ ہے وہ ہم دونوں جانتے ہیں۔ اب اگر آپ میری پریکٹیکل اپروچ

کو بے التفاتی، بے نیازی، ناراضی سمجھیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ یہاں بیٹھی ہوں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں اس رشتے کو اہمیت دیتی ہوں ورنہ کوئی اجنبی تو اس طرح یہاں میرے ساتھ بیٹھ کر چائے نہیں پی سکتا۔" وہ ایک لمحے کے لئے رکی۔ "اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ کے آنے یا نہ آنے سے مجھے کوئی فرق پڑے گا یا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں ہی بہت مصروف رہتے ہیں۔ ہم ماڈرن ایج کی پیداوار ہیں نہ میں کوئی ہیر ہوں کہ آپ کے لئے گھی کی چوری لے جا کر گھنٹوں آپ کی بانسری سنتی رہوں گی نہ ہی آپ رانجھے کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں کہ میرے لئے گھنٹوں یہ فریضہ سرانجام دیں۔ سچ یہی ہے کہ فرق واقعی نہیں پڑتا کہ ہم دونوں ملیں یا نہ ملیں، باتیں کریں یا نہ کریں۔ ہمارا رشتہ وہی رہے گا جواب ہے یا آپ کو لگتا ہے اس میں کوئی تبدیلی آ سکتی ہے؟"

اگر اسجد کے ماتھے پر پسینہ نہیں آیا تھا تو اس کی واحد وجہ دسمبر کا مہینہ تھا ان دونوں کی عمر میں آٹھ سال کا فرق تھا مگر اس وقت پہلی بار اسجد کو یہ فرق اٹھارہ سال کا محسوس ہوا تھا۔ وہ اسے اپنے سے اٹھارہ سال بڑی لگی تھی۔ دو منٹ پہلے وہ انیس سال کی ہوئی تھی مگر اس وقت اسجد کو لگ رہا تھا جیسے وہ ٹین ایج سے سیدھی ادھیڑ عمری میں چلی گئی تھی اور خود وہ ایک بار پھر Pre-teen میں آ گیا تھا۔ وہ اس کے بالمقابل ٹانگ پر ٹانگ رکھے اسجد کے چہرے پر نظریں جمائے اسی بے تاثر انداز میں اس کے جواب کی منتظر تھی۔ اسجد نے کرسی کے ہتھے پر ٹکے اس کے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی کو دیکھا اور کھنکھار کر اپنا گلا صاف کرنے کی کوشش کی۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو؟ میں صرف اس لئے ڈسکشن کی بات کر رہا تھا کہ ہمارے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ ہو سکے۔"

"اسجد! میں آپ کو بہت اچھی طرح سمجھتی اور جانتی ہوں اور یہ جان کر مجھے افسوس ہوا کہ آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے درمیان ابھی بھی کسی انڈر اسٹینڈنگ کو ڈویلپ کرنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال تھا ہم دونوں کے درمیان اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔"

وہ اسجد کا دن نہیں تھا، اسجد نے اعتراف کیا۔

"اور اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ اناٹومی اور بزنس کو ڈسکس کر کے ہم کوئی انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ کر لیں گے تو ٹھیک ہے، آئندہ ہم یہی ڈسکس کر لیا کریں گے۔" امامہ کے لہجے میں لاپروائی کا عنصر واضح تھا۔

"تم کو میری بات بری لگی ہے؟"

"بالکل بھی نہیں...... میں کیوں برا مانوں گی؟" اس کے لہجے میں موجود حیرت کے عنصر نے اسجد کو مزید شرمندہ کیا۔

"شاید میں نے غلط بات کی ہے۔" "شاید نہیں یقیناً۔" اس نے تینوں لفظوں پر باری باری زور

دیتے ہوئے کہا۔

"تم جانتی ہو میرے نزدیک یہ رشتہ کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ میرے بہت سے خواب ہیں۔ اس رشتے کے حوالے سے، تمہارے حوالے سے۔" اسجد نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ امامہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسی بنل کو دیکھ رہی تھی۔

"شاید اس لئے میں ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتا ہوں۔ مجھے اس رشتے کے حوالے سے کوئی خوف نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں، یہ رشتہ ہم دونوں کی مرضی سے ہوا ہے۔"

وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے بڑے جذب سے کہہ رہا تھا اور یکدم ہی اسے ایک بار پھر یہ احساس ہونے لگا تھا جیسے وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ اسجد کو لگا وہ ایک بار پھر خود سے باتیں کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک بہت بڑی کوٹھی کے عقب میں موجود انیکسی سے میوزک کی آواز باہر لان تک آ رہی تھی۔ باہر موجود کوئی بھی شخص انیکسی کے اندر موجود لوگوں کی قوت برداشت پر حیرانی کا اظہار کر سکتا تھا لیکن وہ انیکسی کے اندر موجود لوگوں کی حالت دیکھ لیتا تو وہ اس حیران کن قوت برداشت کی وجہ جان جاتا۔ انیکسی کے اندر موجود چھ لڑکے جس حالت میں تھے اس حالت میں اس سے زیادہ تیز اور بلند میوزک بھی ان پر اثرانداز نہ ہو سکتا تھا اور جہاں تک ساتویں لڑکے کا تعلق تھا تو وہ ایسی کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔

انیکسی کا وہ کمرہ اس وقت دھوئیں کے مرغولوں اور عجیب قسم کی بو سے بھرا ہوا تھا، قالین پر ایک مشہور ریسٹورنٹ سے لائے گئے کھانے کے کھلے ہوئے ڈبے اور ڈسپوزیبل پلیٹیں، چمچے بھی پڑے تھے۔ قالین پر کھانے پینے کی بچی کھچی چیزیں اور ہڈیاں بھی ادھر اُدھر پھینکی گئی تھیں۔ سوفٹ ڈرنک کی پلاسٹک کی بوتلیں بھی ادھر اُدھر لڑھک رہی تھیں۔ کیچپ کی بوتلوں سے نکلنے والی کیچپ قالین کو کچھ اور بدنما بنا رہی تھی۔ وہ سات لڑکے اسی قالین پر ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر براجمان تھے۔ ان کے سامنے قالین پر بیئر کے خالی کینز کا ایک ڈھیر بھی لگا ہوا تھا اور تفریح کا یہ سلسلہ وہیں تک نہیں رُکا تھا اس وقت وہ ان ڈرگز کو استعمال کرنے میں مصروف تھے جن کا انتظام ان میں سے ایک نے کیا تھا۔

پچھلے دو ماہ میں وہ تیسری بار اس ایڈونچر کے لئے اکٹھے ہوئے تھے اور ان تین مواقع پر وہ چار مختلف قسم کی ڈرگز استعمال کر چکے تھے۔ پہلی بار انہوں نے وہ ڈرگ استعمال کی تھی جو ان میں سے ایک کو اپنے باپ کی دراز سے ملی تھی۔ دوسری بار انہوں نے جو ڈرگ استعمال کی تھی وہ انہوں نے اپنے ایک اسکول فیلو کے توسط سے اسلام آباد کے ایک کلب سے خریدی تھی اور اس بار وہ جو ڈرگ استعمال کر

رہے تھے وہ انہوں نے ایک ٹرپ پر راولپنڈی کی ایک مارکیٹ میں ایک افغان سے خریدی تھی۔ تینوں مواقع پر انہوں نے ان ڈرگز کے ساتھ الکوحل کا استعمال کیا تھا جس کا حصول ان کے لئے مشکل نہیں تھا۔

اس وقت بھی ان سات لڑکوں میں سے چھ لڑکے پوری طرح نشے میں تھے۔ ان میں سے ایک ابھی بھی کانپتے ہاتھوں کے ساتھ ڈرگ کو سونگھنے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ دو لڑکے سگریٹ پیتے ہوئے باقی لڑکوں کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی گفتگو کر رہے تھے۔ صرف ساتواں لڑکا مکمل طور پر ہوش میں تھا اس لڑکے کا چہرہ pimples / مہاسوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے گلے میں موجود ایک سیاہ تنگ ڈوری میں تین چار تانبے کی عجیب سی شکلوں کے زیورات پروئے ہوئے تھے۔ ایلوس پریسلے اسٹائل کے کالرز والی ایک چیکرڈ ڈارک بلو شرٹ کے ساتھ وہ ایک بے ہودہ سی سرئی جینز پہنے ہوئے تھا جس کے دونوں گھٹنوں پر میڈونا کا چہرہ پینٹ کیا گیا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول کر اپنی دائیں طرف موجود لڑکوں پر ایک اچٹتی نظر ڈالی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں مگر اس سرخی کے باوجود وہ ایسا کوئی تاثر نہیں دے رہی تھیں کہ وہ باقی لڑکوں کی طرح مکمل طور پر نشے کی گرفت میں تھا۔ چند منٹ انہیں دیکھنے کے بعد اس نے سیدھے ہوتے ہوئے ڈبیا میں موجود باقی ڈرگ کون میں ڈال دی اور ایک چھوٹے سے سٹرا کے ساتھ اسے سونگھنے لگا، کافی دیر کے بعد اس نے اسٹرا کو ایک طرف پھینک دیا اور اپنے ہاتھ کی پور پر تھوڑی سی ڈرگ رکھ کر زبان کی نوک کے ساتھ کچھ دلچسپی، تجسس مگر احتیاط کے ساتھ اسے چکھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے برق رفتاری کے ساتھ اپنے بائیں جانب تھوکا، ڈرگ یقیناً بہت اچھی کوالٹی کی تھی۔ اس کی آنکھیں اب پہلے سے زیادہ سرخ ہو رہی تھیں مگر ابھی بھی وہ اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنی اس سرگرمی سے کچھ زیادہ محظوظ نہیں ہوا۔ ایک دو منٹ کے بعد اس نے اپنے پاس قالین پر پڑے ہوئے بیئر کے can سے چند گھونٹ لیتے ہوئے جیسے ڈرگ کے ذائقے کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ can رکھنے کے بعد وہ چند منٹ تک کون میں موجود ڈرگ کو دیکھتا رہا، دوسرے چھ لڑکے اس وقت تک نشے میں پوری طرح دھت کارپٹ پر اوندھے سیدھے پڑے تھے مگر وہ اب بھی اسی طرح بیٹھا تھا، can میں موجود بیئر کے گھونٹ لیتے ہوئے وہ پرسوچ انداز میں ان سب کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں اب متورم ہو رہی تھیں مگر ان میں موجود چمک بتا رہی تھی کہ وہ ابھی بھی مکمل طور پر نشے میں نہیں ہے۔

یہ اس کے ساتھ تیسری بار ہوا تھا۔ پہلی دو بار ڈرگ استعمال کرنے کے بعد بھی وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا، جب کہ اس کے دوست بہت جلد نشے میں دھت ہوئے تھے۔ رات کے پچھلے پہر وہ ان لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ کر خود گھر آ گیا تھا۔ آج بھی وہ یہی کرنا چاہتا تھا۔ کمرے کے اندر موجود ڈرگ کی بو سے اب پہلی بار وہ الجھنے لگا تھا اس نے کھڑا ہونے کی کوشش کی اور وہ لڑکھڑایا۔ اپنی لڑکھڑاہٹ پر قابو

پاتے ہوئے وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ نیچے جھک کر اس نے کارپٹ سے کی رنگ، والٹ اور کریڈٹ کارڈ اُٹھائے پھر آگے بڑھ کر اس نے اسٹیریو کو بند کر دیا۔ اپنی متورم اور سرخ آنکھوں سے اس نے کمرے میں ایک نظر دوڑائی۔ یوں جیسے وہ کوئی چیز یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو پھر وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ایک بار پھر نیچے بیٹھ کر اس نے جاگرز پہنے اور ان کے تسموں کو ٹخنوں کے گرد لپیٹ کر گرہ باندھی پھر دروازے کا لاک کھول کر وہ باہر نکل گیا۔ روشنی سے یک دم وہ کوریڈور کی تاریکی میں آ گیا تھا۔ اندھیرے میں اپنا راستہ ڈھونڈتے ہوئے وہ انیکسی کے بیرونی دروازے کو کھولتا ہوا باہر لان میں آ گیا۔ انیکسی کی سیڑھیاں اُترتے ہوئے اسے اپنی ناک سے کوئی چیز بہتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بایاں ہاتھ اُٹھا کر اس نے اپنے اوپری ہونٹ پر رکھا اس کی انگلیاں چپچپانے لگی تھیں۔ اس نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے اپنی انگلیوں کو انیکسی کی بیرونی لائٹ کی روشنی میں دیکھا۔ اس کی پوروں پر خون کے قطرے لگے ہوئے تھے، اس نے اپنی ٹراؤزر کی جیب ٹٹولتے ہوئے اندر سے ایک رومال برآمد کیا اور اپنی پوروں پر لگا ہوا خون صاف کیا اس کے بعد اسی رومال کے ساتھ اس نے اپنے ناک سے ٹپکنے والا خون صاف کیا اسے اپنے حلق میں کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کرنے کی کوشش کی۔ اسے اب اپنے سینے میں بھی گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے اس گھٹن کو کم کرنے کی کوشش کی۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے دو تین بار نیچے تھوکا اور ایک بار پھر سیڑھیاں اُترنے کے لئے قدم بڑھایا۔ وہ یک دم ٹھٹھک گیا۔ اس کے ناک میں عجیب سی سنسناہٹ ہوئی اور پھر یک دم کوئی چیز پوری قوت سے بہنے لگی۔ وہ بے اختیار کمر کے بل جھک گیا۔ ایک دھار کی صورت میں اس کی ناک سے نکلنے والا خون سیڑھیوں پر گرنے لگا تھا۔ ماربل پر پھسلتا ہوا خون، وہ اسے دیکھتا رہا۔

☆......☆......☆

گالف کلب میں تقریب تقسیم انعامات منعقد کی جا رہی تھی۔ سولہ سالہ سالار سکندر بھی انڈر سکسٹین کی کیٹیگری میں seven under par کے اسکور کے ساتھ پہلی پوزیشن کی ٹرافی وصول کرنے کے لئے موجود تھا۔

سکندر عثمان نے سالار سکندر کا نام پکارے جانے پر تالیاں بجاتے ہوئے اس ٹرافی کیبنٹ کے بارے میں سوچا، جس میں اس سال انہیں کچھ مزید تبدیلیاں کروانی پڑیں گی۔ سالار کو ملنے والی شیلڈز اور ٹرافیز کی تعداد اس سال بھی پچھلے سالوں جیسی ہی تھی۔ ان کے تمام بچے ہی پڑھائی میں بہت اچھے تھے مگر سالار سکندر باقی سب سے مختلف تھا۔ ٹرافیز، شیلڈز اور سرٹیفکیٹس کے معاملے میں وہ سکندر عثمان کے باقی بچوں سے بہت آگے تھا۔ ۱۵۰ آئی کیو لیول کے حامل اس بچے کا مقابلہ کرنا ان میں سے کسی کے لئے ممکن

تھا بھی نہیں۔

فخریہ انداز میں تالیاں بجاتے ہوئے سکندر عثمان نے دائیں طرف بیٹھی ہوئی اپنی بیوی سے سرگوشی میں کہا: "یہ گالف میں اس کی تیرھویں اور اس سال کی چوتھی ٹرافی ہے۔"

"ہر چیز کا حساب رکھتے ہو تم۔" اس کی بیوی نے مسکراتے ہوئے جیسے قدرے ستائشی انداز میں اپنے شوہر سے کہا، جس کی نظریں اس وقت مہمانِ خصوصی سے ٹرافی وصول کرتے ہوئے سالار پر مرکوز تھیں۔

"صرف گالف کا اور کیوں، وہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔" سکندر عثمان نے اپنی بیوی کو دیکھا جو اب سیٹ کی طرف جاتے ہوئے سالار کو دیکھ رہی تھی۔

"Hell اگر یہ اس وقت اس مقابلے میں شرکت کرنے والے پروفیشنل کھلاڑیوں کے ساتھ کھیل رہا ہوتا تو بھی اس وقت اس کے ہاتھ میں یہی ٹرافی ہوتی۔" سکندر عثمان نے بیٹے کو دور سے دیکھتے ہوئے کچھ فخریہ انداز میں دعویٰ کیا۔ سالار اب اپنی سیٹ کے اطراف میں موجود دوسری سیٹوں پر موجود دوسرے انعامات حاصل کرنے والوں سے ہاتھ ملانے میں مصروف تھا۔ ان کی بیوی کو سکندر عثمان کے دعویٰ پر کوئی حیرانی نہیں ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھیں سالار کے بارے میں یہ ایک باپ کا جذباتی جملہ نہیں تھا۔ وہ واقعی اتنا ہی غیر معمولی تھا۔

اسے دو ہفتے پہلے اپنے بھائی زبیر کے ساتھ اسی گالف کورس پر اٹھارہ ہول پر کھیلا جانے والا گالف کا میچ یاد آیا۔ rough میں اتفاقاً گر جانے والی ایک بال کو وہ جس صفائی اور مہارت کے ساتھ واپس گرین پر لایا تھا اس نے زبیر کو محو حیرت کر دیا، وہ پہلی بار سالار کے ساتھ گالف کھیل رہا تھا "مجھے یقین نہیں آ رہا۔" اٹھارہ ہول کے خاتمہ تک کسی کو بھی یہ یاد نہیں تھا کہ اس نے یہ جملہ کتنی بار بولا تھا۔

rough سے کھیلی جانے والی اس شاٹ نے اگر اسے محو حیرت کیا تھا تو سالار سکندر کے Putters نے اسے دم بخود کر دیا تھا۔ گیند کو ہول میں جاتے دیکھ کر اس نے کلب کے سہارے کھڑے کھڑے صرف گردن موڑ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں سالار سکندر اور اس ہول کے درمیان موجود فاصلے کو ماپا تھا اور پھر جیسے بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے سالار کو دیکھا۔

"آج سالار صاحب اچھا نہیں کھیل رہے۔" زبیر نے مڑ کر بے یقینی کے عالم میں اپنے پیچھے کھڑے کیڈی کو دیکھا جو گالف کارٹ پکڑے سالار کو دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

"ابھی یہ اچھا نہیں کھیل رہا؟" زبیر نے کچھ استہزائیہ انداز میں کلب کے کیڈی کو دیکھا۔

"ہاں صاحب ورنہ بال کبھی rough میں نہ جاتی۔" کیڈی نے بڑے معمول کے انداز میں انہیں بتایا۔

"آپ آج یہاں پہلی بار کھیل رہے ہیں اور سالار صاحب پچھلے سات سال سے یہاں کھیل رہے ہیں۔

میں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ آج وہ اچھا نہیں کھیل رہے۔"

کیڈی نے زبیر کی معلومات میں اضافہ کیا اور زبیر نے اپنی بہن کو دیکھا جو فخریہ انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

"اگلی بار میں پوری تیاری کے ساتھ آؤں گا اور اگلی بار کھیل کی جگہ کا انتخاب بھی میں کروں گا۔" زبیر نے کچھ خفت کے عالم میں اپنی بہن کے ساتھ سالار کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"any time any place (کسی بھی وقت کسی بھی جگہ)" انہوں نے اپنے بیٹے کی طرف سے اپنے بھائی کو پُر اعتماد انداز میں چیلنج کرتے ہوئے کہا "میں تمہیں اس ویک اینڈ پر ٹی اے اور ڈی اے کے ساتھ کراچی بلوانا چاہتا ہوں۔" انہوں نے سالار کے قریب پہنچ کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ سالار مسکرایا۔

"کس لئے......؟"

"میرے behalf پر تمہیں کراچی چیمبر آف کامرس کے صدر کے ساتھ ایک میچ کھیلنا ہے میں اس بار الیکشنز میں اس سے ہارا ہوں، مگر وہ اگر کسی سے گالف کا میچ ہار گیا تو اسے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا اور وہ بھی ایک بچے کے ہاتھوں so let's settle the scores" وہ اپنے بھائی کی بات پر ہنسی تھیں، مگر سالار کے ماتھے پر چند بل نمودار ہو گئے تھے۔

"بچہ؟" اس نے ان کے جملے میں موجود واحد قابلِ اعتراض لفظ پر زور دیتے ہوئے اسے دہرایا۔

"میرا خیال ہے انکل! مجھے کل آپ کے ساتھ اٹھارہ ہولز کا ایک اور گیم کرنا پڑے گا۔"

☆......☆......☆

اسجد دروازہ کھول کر اپنی ماں کے کمرے میں داخل ہوا۔

"امی! آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں کہو...... کیا بات ہے؟"

اسجد صوفے پر بیٹھ گیا۔ "آپ ہاشم انکل کی طرف نہیں گئیں؟"

"نہیں۔ کیوں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں! امامہ اس ویک اینڈ پر آئی ہوئی ہے۔"

"اچھا...... آج شام کو چلیں گے ...... تم گئے تھے وہاں؟" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں گیا تھا۔"

"کیسی ہے وہ...... اس بار تو خاصے عرصے کے بعد آئی ہے۔" شکیلہ کو یاد آیا۔

"ہاں دو ماہ کے بعد......" شکیلہ کو اسجد کچھ الجھا ہوا لگا۔

"کوئی مسئلہ ہے؟"

"امی! مجھے امامہ پچھلے کچھ عرصے سے بہت بدلی بدلی لگ رہی ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"بدلی بدلی؟ کیا مطلب؟"

"مطلب تو میں شاید آپ کو نہیں سمجھا سکتا، بس اس کا رویہ میرے ساتھ کچھ عجیب سا ہے۔" اسجد نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"آج تو وہ ایک معمولی سی بات پر ناراض ہو گئی۔ پہلے جیسی کوئی بات ہی نہیں رہی اس میں...... میں سمجھ نہیں پا رہا کہ اسے ہوا کیا ہے۔"

"تمہیں وہم ہو گیا ہو گا اسجد...... اس کا رویہ کیوں بدلنے لگا...... تم کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو۔" شکیلہ نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"نہیں امی......! پہلے میں بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ شاید مجھے وہم ہو گیا ہے لیکن اب خاص طور پر آج مجھے اپنے یہ احساسات صرف وہم نہیں لگے ہیں۔ وہ بہت اُکھڑے سے انداز میں بات کرتی رہی مجھ سے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، اس کا رویہ کیوں بدل گیا ہے؟" شکیلہ نے برش میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا؟"

"تم نے پوچھا اس سے؟"

"ایک بار نہیں کئی بار......"

"پھر......؟"

"ہر بار آپ کی طرح وہ بھی یہی کہتی ہے کہ مجھے غلط فہمی ہو گئی ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"کبھی وہ کہتی ہے اسٹڈیز کی وجہ سے ایسا ہے...... کبھی کہتی ہے وہ اب میچور ہو گئی ہے اس لئے......"

"یہ ایسی کوئی غلط بات تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے واقعی یہ بات ہو۔" شکیلہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"امی! بات سنجیدگی کی نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے کترانے لگی ہے۔" اسجد نے کہا۔

"تم فضول باتیں کر رہے ہو اسجد! میں نہیں سمجھتی کہ ایسی کوئی بات ہو گی، ویسے بھی تم دونوں تو بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہو، ایک دوسرے کی عادات سے واقف ہو۔"

شکیلہ کو بیٹے کے خدشات بالکل بے معنی لگے۔

"ظاہر ہے۔ عمر کے ساتھ کچھ تبدیلیاں آ ہی جاتی ہیں، اب بچے تو رہے نہیں ہو تم لوگ...... تم معمولی معمولی باتوں پر پریشان ہونے کی عادت چھوڑ دو......" انہوں نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی ہاشم بھائی اگلے سال اس کی شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ بعد میں اپنی تعلیم

تکمیل کرتی رہے گی۔ کم از کم وہ تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔" شکیلہ نے انکشاف کیا۔

"انکل نے ایسا کب کہا؟" اسجد کچھ چونکا۔

"کئی بار کہا ہے...... میرا خیال ہے وہ لوگ تو تیاریاں بھی کر رہے ہیں۔" اسجد نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔

"ہو سکتا ہے امامہ اسی وجہ سے قدرے پریشان ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے...... بہرحال یہ ہی صحیح ہے۔ اگلے سال شادی ہو جانی چاہئے۔" اسجد نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

وہ سولہ سترہ سال کا ایک دبلا پتلا مگر لمبا لڑکا تھا۔ اس کے چہرے پر بلوغت کا وہ گہرا رواں نظر آ رہا تھا جسے ایک بار بھی شیو نہیں کیا گیا تھا اور اس روئیں نے اس کے چہرے کی معصومیت کو برقرار رکھا تھا۔ وہ اسپورٹس شارٹس اور ایک ڈھیلی ڈھالی شرٹ پہنے ہوتے تھا۔ اس کے پیروں میں کاٹن کی جرابیں اور جاگرز تھے، چیونگم چباتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی بے چینی اور اضطراب تھا۔

وہ اس وقت ایک پر ہجوم سڑک کے بیچوں بیچ ایک ہیوی ڈیوٹی موٹر سائیکل پر بیٹھا ہوا تیزی سے تقریباً اسے اڑائے لے جا رہا تھا۔ وہ کسی قسم کے ہیلمٹ کے بغیر تھا اور بہت رَیش انداز میں موٹر سائیکل کو چلا رہا تھا۔ اس نے دو دفعہ سگنل توڑا...... تین دفعہ خطرناک طریقے سے کچھ گاڑیوں کو اوور ٹیک کیا...... چار دفعہ بائیک چلاتے چلاتے اس کا اگلا پہیہ اُٹھا دیا اور کتنی ہی دیر دور تک صرف ایک پہیے پر بائیک چلاتا رہا...... دو دفعہ دائیں بائیں دیکھے بغیر اس نے برق رفتاری سے اپنی مرضی کا ٹرن لیا...... ایک دفعہ وہ زگ زیگ انداز میں بائیک چلانے لگا، چھٹے دفعہ اس نے پوری رفتار سے بائیک چلاتے ہوئے اپنے دونوں پاؤں اُٹھا دیئے۔

پھر یک دم اسی رفتار سے بائیک چلاتے ہوئے اس نے ون وے کی خلاف ورزی کرتے اس لین کو توڑا اور دوسری لین میں زنانے کے ساتھ گھس گیا، سامنے سے آتی ہوئی ٹریفک کی بریکیں یک دم چرچرانے لگیں...... اس نے فل اسپیڈ پر بائیک چلاتے ہوئے یک دم ہینڈل پر سے اپنے ہاتھ ہٹا دیئے۔ بائیک پوری رفتار کے ساتھ سامنے سے آنے والی گاڑی کے ساتھ ٹکرائی، وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہوا میں بلند ہوا اور پھر کس چیز پر گرا...... اسے اندازہ نہیں ہوا۔ اس کا ذہن تاریک ہو چکا تھا۔

وہ دونوں لڑکے اسٹیج پر ایک دوسرے کے بالمقابل روسٹرم کے پیچھے کھڑے تھے، مگر ہال میں موجود اسٹوڈنٹس کی نظریں ہمیشہ کی طرح ان میں سے ایک پر مرکوز تھیں، وہ دونوں ہیڈ بوائے کے

انتخاب کے لئے کنویسنگ کر رہے تھے اور وہ پروگرام بھی اس کا ایک حصہ تھا۔ دونوں کے روسٹرم پر ایک ایک پوسٹر لگا ہوا تھا، جن میں سے ایک پر ووٹ فار سالار اور دوسرے پر ووٹ فار فیضان لکھا ہوا تھا۔

اس وقت فیضان ہیڈ بوائے بن جانے کے بعد اپنے ممکنہ اقدامات کا اعلان کر رہا تھا، جب کہ سالار پوری سنجیدگی کے ساتھ اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔ فیضان اسکول کا سب سے اچھا مقرر تھا اور اس وقت بھی وہ اپنے جوشِ خطابت کے کمال دکھانے میں مصروف تھا اور اسی پرجوش لب و لہجے میں بات کر رہا تھا جس کے لئے وہ مشہور تھا۔ بہترین ساؤنڈ سسٹم کی وجہ سے اس کی آواز اور انداز دونوں ہی خاصے متاثر کن تھے۔ ہال میں بلاشبہ سکوت طاری تھا اور یہ خاموشی صرف اسی وقت ٹوٹتی جب فیضان کے سپورٹرز اس کے کسی اچھے جملے پر داد دینا شروع ہوتے ہال یک دم تالیوں سے گونج اُٹھتا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ جب اپنے لئے ووٹ کی اپیل کرنے کے بعد خاموش ہوا تو ہال میں اگلے کئی منٹ تالیاں اور سیٹیاں بجتی رہیں۔ ان تالیاں بجانے والوں میں خود سالار سکندر بھی شامل تھا۔ فیضان نے ایک فاتحانہ نظر ہال پر اور سالار پر ڈالی اور اسے تالیاں بجاتے دیکھ کر اس نے گردن کے جھٹکے سے اشارے سے اسے سراہا، سالار سکندر آسان حریف نہیں تھا یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

اسٹیج سیکرٹری اب سالار سکندر کے لئے اناؤنسمنٹ کر رہا تھا۔ تالیوں کی گونج میں سالار نے بولنا شروع کیا۔

"گڈ مارننگ فرینڈز......" وہ یک لحظہ ٹھہرا۔ "فیضان اکبر ایک مقرر کے طور پر یقیناً ہمارے اسکول کا اثاثہ ہیں۔ میں یا دوسرا کوئی بھی ان کے مقابلے میں کسی اسٹیج پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔" وہ ایک لمحہ کے لئے رکا اس نے فیضان کے چہرے کو دیکھا۔ جس پر ایک فخریہ مسکراہٹ اُبھر رہی تھی مگر سالار کے جملے کے باقی حصے نے اگلے لمحے اس مسکراہٹ کو غائب کر دیا۔

"اگر معاملہ صرف باتیں بنانے کا ہو تو......"

ہال میں ہلکی سی کھلکھلاہٹیں ابھریں۔ سالار کے لہجے کی سنجیدگی برقرار تھی۔

"مگر ایک ہیڈ بوائے اور مقرر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مقرر کو باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ ہیڈ بوائے کو کام کرنا ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان فرق talker اور doer کا ہوتا ہے اور great talkers are not great doers سالار کے سپورٹرز کی تالیوں سے ہال گونج اُٹھا۔

"میرے پاس فیضان اکبر جیسے خوب صورت لفظوں کی روانی نہیں ہے۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میرے پاس صرف میرا کام ہے اور میرا متاثر کن ریکارڈ اور مجھے کنویسنگ کے لئے لفظوں کے کوئی دریا نہیں بہانے، مجھے صرف چند الفاظ کہنے ہیں۔" وہ ایک بار پھر رکا۔

"trust me and vote for me" (مجھ پر اعتماد کریں اور مجھے ووٹ دیں)۔

اس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے جس وقت اپنے مائیک کو آف کیا اس وقت ہال تالیوں سے گونج رہا تھا ایک منٹ چالیس سیکنڈز میں وہ اسی ٹیپ کے اور calculated انداز میں بولا تھا، جو اس کا خاصا تھا...۔ اور اسی ڈیڑھ منٹ نے فیضان کا تختہ کر دیا تھا۔

اس ابتدائی تعارف کے بعد دونوں امیدواروں سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ سالار سکندر ان جوابات میں بھی اتنے ہی اختصار سے کام لے رہا تھا جتنا اس نے اپنی تقریر میں لیا تھا۔ اس کا سب سے طویل جواب چار جملوں پر مشتمل تھا جب کہ فیضان کا سب سے مختصر جواب بھی چار جملوں پر مشتمل نہیں تھا۔ فیضان کی وہ فصاحت و بلاغت جو پہلے اس کی خوبی سمجھی جاتی تھی اس وقت اس اسٹیج پر سالار کے مختصر جوابات کے سامنے چرب زبانی نظر آ رہی تھی اور اس کا احساس خود فیضان کو بھی ہو رہا تھا، جس سوال کا جواب سالار ایک لفظ یا ایک جملے میں دیتا، اس کے لئے فیضان کو عادتاً تمہید باندھنی پڑتی اور سالار کا اپنی تقریر میں اس کے بارے میں کیا ہوا یہ تبصرہ وہاں موجود اسٹوڈنٹس کو کچھ اور صحیح محسوس ہوتا کہ ایک مقرر صرف باتیں کر سکتا ہے۔

"سالار سکندر کو ہیڈ بوائے کیوں ہونا چاہئے؟" سوال کیا گیا۔

"کیونکہ آپ بہترین شخص کا انتخاب چاہتے ہیں۔" جواب آیا۔

"کیا یہ جملہ خود ستائشی نہیں ہے؟" اعتراض کیا گیا۔

"نہیں یہ جملہ خود شناسی ہے۔" اعتراض کو رد کر دیا گیا۔

"خود ستائشی اور خود شناسی میں کیا فرق ہے؟" ایک بار پھر چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا گیا۔

"وہی جو فیضان اکبر اور سالار سکندر میں ہے۔" سنجیدگی سے کہا گیا۔

"اگر آپ کو ہیڈ بوائے نہ بنایا تو آپ کو کیا فرق پڑے گا؟"

"فرق مجھے نہیں آپ کو پڑے گا۔"

"کیسے......؟"

"اگر بہترین آدمی کو ملک کا لیڈر نہ بنایا جائے تو فرق قوم کو پڑتا ہے، اس بہترین آدمی کو نہیں۔"

"آپ اپنے آپ کو پھر بہترین آدمی کہہ رہے ہیں۔" ایک بار پھر اعتراض کیا گیا۔

"کیا اس ہال میں کوئی ایسا ہے جو خود کو برے آدمی کے ساتھ equate کرے؟"

"ہو سکتا ہے ہو؟"

"پھر میں اس سے ملنا چاہوں گا۔" ہال میں ہنسی کی آوازیں ابھریں۔

"ہیڈ بوائے بننے کے بعد سالار سکندر جو تبدیلیاں لائے گا اس کے بارے میں بتائیں۔"

"تبدیلی بتائی نہیں جاتی دکھائی جاتی ہے اور یہ کام میں ہیڈ بوائے بننے سے پہلے نہیں کر سکتا۔"

چند اور سوال کئے گئے پھر اسٹیج سیکرٹری نے حاضرین میں سے ایک آخری سوال لیا۔ وہ ایک سری لنکن لڑکا تھا جو کچھ شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"اگر آپ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں تو میں اور میرا پورا گروپ آپ کو ووٹ دے گا۔"

سالار اس کی بات پر مسکرایا۔ "جواب دینے سے پہلے میں جاننا چاہوں گا کہ آپ کے گروپ میں کتنے لوگ ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"چھ......" اس لڑکے نے کہا۔

سالار نے سر ہلایا "او کے۔ سوال کریں۔"

"آپ کو کچھ حساب کتاب کرتے ہوئے مجھے بتانا ہے کہ اگر ہم 267895 میں 952852 کو جمع کریں پھر اس میں سے 399999 کو تفریق کریں پھر اس میں 929292 کو جمع کریں اور اسے......" وہ سری لنکن لڑکا ٹھہر ٹھہر کر ایک کاغذ پر لکھا ہوا ایک سوال پوچھ رہا تھا۔ "چھ کے ساتھ ضرب دیں پھر اسے دو کے ساتھ تقسیم کریں اور جواب میں 492359 کو جمع کر دیں تو کیا جواب آئے......" وہ لڑکا اپنی بات مکمل نہیں کر سکا۔

"8142473" بڑی برق رفتاری کے ساتھ سالار نے جواب دیا۔ اس لڑکے نے کاغذ پر ایک نظر دوڑائی اور پھر کچھ بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے تالیاں بجانے لگا۔ فیضان اکبر کو اس وقت اپنا آپ ایک ایکٹر سے زیادہ نہیں لگا۔ پورا ہال اس لڑکے کے ساتھ تالیاں بجانے میں مصروف تھا۔ فیضان اکبر کو وہ پورا پروگرام ایک مذاق محسوس ہونے لگا۔

ایک گھنٹے کے بعد جب وہ سالار سکندر سے پہلے اس اسٹیج سے اتر رہا تھا تو وہ جانتا تھا کہ وہ مقابلے سے پہلے ہی مقابلہ ہار چکا تھا۔ 150 کے آئی کیو لیول والے اس لڑکے سے اسے زندگی میں اس سے پہلے کبھی اتنا حسد محسوس نہیں ہوا۔

☆......☆......☆

"امامہ آپا! آپ لاہور کب جائیں گی؟"

وہ اپنے نوٹس کو دیکھتے ہوئے چونکی۔ سر اٹھا کر اس نے سعد کو دیکھا۔ وہ سائیکل کی رفتار کو اب بالکل آہستہ کئے اس کے گرد چکر لگا رہا تھا۔

"کل...... کیوں......؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" امامہ نے اپنی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"جب آپ چلی جاتی ہیں تو میں آپ کو بہت مس کرتا ہوں۔" وہ بولا۔

"کیوں......؟" امامہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں اور آپ میرے لئے بہت سے کھلونے لاتی ہیں اور آپ مجھے

سیر کروانے لے کر جاتی ہیں اور آپ میرے ساتھ کھیلتی ہیں اس لئے۔" اس نے تفصیلی جواب دیا۔

"آپ مجھے اپنے ساتھ لاہور نہیں لے جا سکتیں؟" امامہ اندازہ نہیں کر سکی، یہ تجویز تھی یا سوال......

"میں کیسے لے جا سکتی ہوں...... میں تو خود ہاسٹل میں رہتی ہوں، تم کیسے رہو گے وہاں؟" امامہ نے کہا۔

سعد سائیکل چلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا "تو پھر آپ جلدی یہاں آیا کریں۔"

"اچھا۔ جلدی آیا کروں گی۔" امامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم ایسا کیا کرو کہ مجھ سے فون پر بات کر لیا کرو۔ میں فون کیا کروں گی تمہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" سعد کو اس کی تجویز پسند آئی۔ سائیکل کی رفتار میں اضافہ کرتے ہوئے وہ لان کے لمبے لمبے چکر کاٹنے لگا۔ امامہ بے دھیانی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔

وہ اس کا بھائی نہیں تھا، دس سالہ سعد پانچ سال پہلے اُن کے گھر آیا تھا کہاں سے آیا تھا اس کے بارے میں وہ نہیں جانتی تھی، کیونکہ اسے اس کے بارے میں اس وقت کوئی تجسس نہیں ہوا تھا مگر کیوں لایا گیا تھا۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ سعد اب دس سال کا تھا اور وہ گھر میں بالکل گھل مل گیا تھا۔ امامہ سے وہ سب سے زیادہ مانوس تھا۔ امامہ کو اس پر اکثر ترس آتا۔ ترس کی وجہ اس کا لاوارث ہونا نہیں تھا۔ ترس کی وجہ اس کا مستقبل تھا...... اس کے دو چچاؤں اور ایک تایا کے گھر بھی اس وقت اسی طرح کے گود لئے ہوئے بچے پل رہے تھے۔ وہ ان کے مستقبل پر بھی ترس کھانے پر مجبور تھی۔

فائل ہاتھ میں پکڑے سائیکل پر لان میں گھومتے سعد پر نظریں جمائے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ اسی طرح کی بہت سی سوچوں میں الجھ جاتی تھی مگر اس کے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☆......☆......☆

وہ چاروں اس وقت لاہور کے ریڈ لائٹ ایریا میں موجود تھے۔ ان کی عمریں اٹھارہ، انیس سال کے لگ بھگ تھیں اور اپنے حلیے سے وہ چاروں اپر کلاس کے لگتے تھے مگر وہاں پر نہ ان کی عمر کوئی نمایاں کر دینے والی چیز تھی نہ ہی ان کی اپر کلاس سے تعلق رکھنے کی امتیازی خصوصیت...... کیونکہ وہاں پر ان سے بھی کم عمر لڑکے آتے تھے اور اپر کلاس اس علاقے کے مستقل کسٹمرز میں شامل تھی۔

چاروں لڑکے ریڈ لائٹ ایریا کی ٹوٹی ہوئی گلیوں سے گزرتے جا رہے تھے، تین لڑکے آپس میں باتیں کر رہے تھے، جب کہ صرف چوتھا قدرے تجسس اور دلچسپی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار وہاں آیا تھا اور ان تینوں کے ساتھ تھوڑی دیر بعد ہونے والی اس کی گفتگو سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ واقعی وہاں پہلی بار آیا تھا۔

گلی کے دونوں اطراف میں کھلے دروازوں میں بناؤ سنگھار کئے نیم عریاں کپڑوں میں ملبوس ہر عمر اور ہر شکل کی عورت کھڑی تھیں سفید...... سانولی...... سیاہ...... گندمی...... بہت خوب صورت...... درمیانی...... اور معمولی شکل و صورت والی۔

گلی میں سے ہر شکل اور عمر کا مرد گزر رہا تھا۔ وہ لڑکا وہاں سے گزرتے ہوئے ہر چیز پر غور کر رہا تھا۔

"تم یہاں کتنی بار آئے ہو؟" چلتے چلتے اس لڑکے نے اچانک اپنے دائیں طرف چلنے والے لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

وہ لڑکا جواباً ہنسا "کتنی بار......؟ یہ تو پتا نہیں...... اب تو گنتی بھی بھول چکا ہوں، اکثر آتا ہوں یہاں پر۔" اس لڑکے نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

"ان عورتوں میں مجھے تو کوئی اٹریکشن محسوس نہیں ہو رہی۔

"nothing special about them" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"اگر کہیں رات ہی گزارنی ہو تو کم از کم environment (ماحول) تو اچھا ہو۔

"it's such a dirty. filthy place." (یہ تو بہت ہی گندی جگہ ہے) اس نے گلی میں موجود گڑھوں اور کوڑے کے ڈھیروں کو دیکھتے ہوئے کچھ ناگواری سے کہا۔

"پھر گرل فرینڈز کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے اس بار اپنی بھنویں اُچکاتے ہوئے کہا۔

"اس جگہ کا اپنا ایک چارم ہے۔ گرل فرینڈز اور یہاں کی عورتوں کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ گرل فرینڈز اس طرح کے ڈانس تو نہیں دکھا سکتیں جو ابھی کچھ دیر بعد تم دیکھو گے۔" تیسرا لڑکا ہنسا۔ "اور پھر پاکستان کی جس بڑی ایکٹریس کا ڈانس دکھانے ہم تمہیں لے جا رہے ہیں وہ تو بس......"

دوسرے لڑکے کی بات کو پہلے لڑکے نے کاٹ دیا۔ "اس کا ڈانس تو تم پہلے بھی مجھے دکھا چکے ہو۔"

"ارے وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ بھائی کی شادی پر ایک مجرا کیا تھا...... مگر یہاں پر تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"وہ ایکٹریس تو ایک پوش علاقے میں رہتی ہے پھر یہاں کیوں آتی ہے؟" پہلے لڑکے نے کچھ غیر مطمئن انداز میں اس سے پوچھا۔

"یہ تم آج خود اس سے پوچھ لینا میں کبھی اس سے اس طرح کے سوال نہیں کرتا۔" دوسرے لڑکے کی بات پر باقی دونوں لڑکے ہنسے مگر تیسرا لڑکا اسی طرح چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

ان کا سفر بالآخر اس گلی کے آخر میں ایک عمارت کے سامنے ختم ہو گیا، عمارت کے نیچے موجود دکان سے تینوں لڑکوں نے موتیے کے بہت سے ہار خریدے اور اپنی کلائیوں میں لپیٹ لئے۔ ایک ہار

دوسرے لڑکے نے اس لڑکے کی کلائی میں بھی لپیٹ دیا جو وہاں آنے پر اعتراض کر رہا تھا پھر ان لوگوں نے وہاں سے پان خریدے۔ تمباکو والا پان دوسرے لڑکے نے اس لڑکے کو بھی دیا جو شاید زندگی میں پہلی بار پان کھا رہا تھا۔ پان کھاتے ہوئے وہ چاروں اس عمارت کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اوپر پہنچ کر پہلے لڑکے نے ایک بار پھر تنقیدی نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر اطمینان کی ایک جھلک نمودار ہوئی۔ وہ جگہ بہت صاف ستھری اور خاصی حد تک آراستہ تھی۔

گاؤ تکیے اور چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں اور باریک پردے لہرا رہے تھے، کچھ لوگ پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ رقص ابھی شروع نہیں ہوا تھا ایک عورت لپکتی ہوئی ان کی طرف آئی۔ اس کے چہرے پر ایک خوب صورت مصنوعی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی اس نے دوسرے لڑکے کو مخاطب کیا پہلے لڑکے نے غور سے اس عورت کو دیکھا۔ ادھیڑ عمر کی وہ عورت اپنے چہرے پر بے تحاشا میک اپ تھوپے اور بالوں میں موتیے اور گلاب کے گجرے لگائے، شیفون کی ایک چنگھاڑتی ہوئی سرخ ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جس کا بلاؤز اس کے جسم کو چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا مگر وہ جسم کو چھپانے کے لئے پہنا گیا بھی نہیں تھا۔ ان چاروں کو وہ ایک کونے میں لے گئی اور وہاں اس نے انہیں بٹھا دیا۔

پہلے لڑکے نے وہاں بیٹھتے ہی منہ میں موجود پان اُس اگالدان میں تھوک دیا، جو ان کے قریب موجود تھا کیونکہ پان منہ میں ہوتے ہوئے اس سے بات کرنا مشکل ہو رہا تھا، پان کا ذائقہ بھی اس کے لئے کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔ تینوں لڑکے وہاں بیٹھے مدھم آواز میں باتیں کرنے لگے جب کہ پہلا لڑکا اس ہال کے چاروں طرف موجود گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے لوگوں کو دیکھتا رہا جن میں سے کچھ اپنے سامنے شراب کی بوتلیں اور نوٹوں کی گڈیاں رکھے بیٹھے تھے۔ ان میں سے اکثریت سفید لٹھے کے کلف لگے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اس نے عید کے اجتماعات کے علاوہ آج پہلی بار کسی اور جگہ پر سفید لباس پہننے والوں کا اتنا بڑا اجتماع دیکھا تھا۔ خود وہ اپنے ساتھیوں کی طرح سیاہ جینز اور اسی رنگ کی آدھے بازوؤں والی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ ان کی عمر کے کچھ اور لڑکے بھی وہاں انہیں کی طرح جینز اور ٹی شرٹس میں ملبوس تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور عورت اسی طرح کے چیختے چنگھاڑتے رنگوں والے کپڑوں میں ملبوس وہاں آ کر ہال کے درمیان میں بیٹھ کر ایک غزل سنانے لگی تھی۔ اس کے ساتھ کچھ سازندے بھی تھے۔ دو غزلیں سنانے اور اپنے اوپر اچھالے جانے والے کچھ نوٹ اٹھا کر وہ خاصی خوش اور مطمئن واپس چلی گئی اور اس کے جانے کے فوراً بعد ہی فلم انڈسٹری کی دو ایکٹریس ہال میں داخل ہوئی اور ہال میں موجود ہر مرد کی نظر اس سے جیسے چپک کر رہ گئی تھی۔ اس نے ہال میں باری باری چاروں طرف گھوم کر ہر ایک کو سر کے اشارے سے خوش آمدید کہا تھا۔

سازندوں کو اس بار کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ کیسٹ پلیئر پر باری باری چند ہیجان انگیز گانے لگائے گئے تھے جن پر اس عورت نے اپنا رقص پیش کرنا شروع کیا تھا اور کچھ دیر پہلے کی خاموشی یک دم ختم ہو گئی تھی چاروں طرف موجود مرد اس عورت کو داد و تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ شراب نوشی میں مصروف تھے۔ ان میں سے کچھ جو زیادہ جوش میں آ رہے تھے وہ اُٹھ کر اس ایکٹرس کے ساتھ ڈانس میں مصروف ہو جاتے۔

ہال میں واحد شخص جو اپنی جگہ پر کسی حرکت کے بغیر بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا وہ وہی لڑکا تھا مگر اس کے باوجود یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اس ایکٹریس کے رقص سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد جب اس ایکٹریس نے اپنا رقص ختم کیا تو وہاں موجود آدھے سے زیادہ مرد اٹا غفیل ہو چکے تھے، واپس گھر جانا ان کے لئے زیادہ مسئلہ اس لئے نہیں تھا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی گھر جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ سب وہاں رات گزارنے آئے تھے۔ ان چاروں نے بھی رات وہاں گزاری۔

اگلے دن وہاں سے واپسی پر گاڑی میں اس دوسرے لڑکے نے جمائی لیتے ہوئے پہلے لڑکے سے پوچھا، جو اس وقت لاپروائی سے گاڑی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔

"کیسا رہا یہ تجربہ؟"

"اچھا تھا......" پہلے لڑکے نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔

"بس اچھا تھا...... اور کچھ نہیں...... تم بھی بس......" اس نے قدرے ناراضی کے عالم میں بات اُدھوری چھوڑ دی۔

"کبھی کبھار جانے کے لئے اچھی جگہ ہے...... اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں...... مگر something special والی کوئی بات نہیں ہے۔ میری گرل فرینڈ اس لڑکی سے بہتر ہے جس کے ساتھ میں نے رات گزاری ہے۔"

اس لڑکے نے دوٹوک انداز میں کہا۔

☆......☆......☆

ڈائننگ ٹیبل پر ہاشم مبین کی پوری فیملی موجود تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ سب آپس میں خوش گپیوں میں بھی مصروف تھے۔ موضوعِ گفتگو اس وقت اِمامہ تھی جو اس ویک اینڈ پر بھی اسلام آباد میں موجود تھی۔

"بابا...... آپ نے یہ بات نوٹ کی کہ اِمامہ دن بہ دن سنجیدہ ہوتی جا رہی ہے۔" وسیم نے قدرے چھیڑنے والے انداز میں اِمامہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ تو میں بھی پچھلے کئی ماہ سے نوٹ کر رہا ہوں۔" ہاشم مبین نے وسیم کی بات پر بیٹی کے چہرے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

امامہ نے چاولوں کا چمچ منہ میں رکھتے ہوئے وسیم کو گھورا۔

"کیوں امامہ! کوئی مسئلہ ہے؟"

"بابا! یہ بڑی فضول باتیں کرتا ہے اور آپ بھی خوامخواہ اس کی باتوں میں آ رہے ہیں۔ میں اپنی اسٹڈیز کی وجہ سے مصروف اور سنجیدہ ہوں۔ اب ہر کوئی وسیم کی طرح نکما تو نہیں ہوتا۔" اس نے اپنے ساتھ بیٹھے وسیم کے کندھے پر کچھ ناراضی سے ہلکا سا ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"بابا! آپ ذرا اندازہ کریں، میڈیکل کے شروع کے سالوں میں اس کا یہ حال ہے تو جب یہ ڈاکٹر بن جائے گی تب اس کا کیا حال ہوگا۔" وسیم نے امامہ کی تنبیہ کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔

"سالوں گزر جایا کریں گے مس امامہ ہاشم کو مسکرائے ہوئے۔"

ڈائننگ ٹیبل پر موجود لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ان دونوں کے درمیان یہ نوک جھونک ہمیشہ ہی رہتی تھی۔ بہت کم مواقع ایسے ہوتے تھے جب وہ دونوں اکٹھے ہوں اور ان کے درمیان آپس میں جھگڑا نہ ہو۔ مستقل بنیادوں پر ہوتے رہنے والے ان جھگڑوں کے باوجود امامہ کی سب سے زیادہ دوستی بھی وسیم کے ساتھ ہی تھی۔ اس کی وجہ شاید ان کی اوپر تلے کی پیدائش بھی تھی۔

"اور آپ تصور کریں کہ ......" اس بار امامہ نے اسے اپنی بات مکمل کرنے نہیں دی، اس نے اس کے کندھے پر پوری طاقت سے مکا مارا۔ وسیم پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔

"ہمارے گھر میں ایک ڈاکٹر کے ہاتھ میں شفا کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ آپ اس کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں اس سے آپ یہ اندازہ بھی لگا سکتے ہیں کہ آج کل کے ڈاکٹرز وارڈز میں مریضوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہوں گے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی شرح اموات کی ایک وجہ ......"

"بابا! اس کو منع کریں۔" امامہ نے بالآخر ہتھیار ڈالتے ہوئے ہاشم مبین سے کہا۔

"وسیم ......" ہاشم مبین نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے وسیم کو جھڑکا، وہ بڑی سعادت مندی سے فوراً خاموش ہو گیا۔

☆......☆......☆

اس نے پورے لفافے کو گرائنڈر میں خالی کر دیا اور پھر اسے بند کر کے چلا دیا۔ خانساماں اسی وقت اندر آیا۔

"چھوٹے صاحب لائیں، میں آپ کی مدد کر دوں۔" وہ اس کی طرف بڑھا مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"نہیں میں خود کر لیتا ہوں۔ تم مجھے دودھ کا ایک گلاس دے دو۔" اس نے گرائنڈر آف کرتے ہوئے کہا۔ خانساماں ایک گلاس میں دودھ لے کر اس کے پاس چلا آیا۔ دودھ کے آدھے گلاس میں اس نے گرائنڈر میں موجود تمام پاؤڈر ڈال دیا اور ایک چمچ سے اچھی طرح ہلانے لگا پھر ایک ہی سانس میں وہ دودھ پی گیا۔

"کھانے میں آج کیا پکایا ہے تم نے؟" اس نے خانساماں سے پوچھا۔

خانساماں نے کچھ ڈشز گنوانی شروع کر دیں۔ اس کے چہرے پر کچھ ناگواری ابھری۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا، سونے جا رہا ہوں، مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔"

اس نے سختی سے کہا اور کچن سے نکل گیا۔

پیروں میں پہنی ہوئی ہاٹ کی چپل کو وہ فرش پر تقریباً گھسیٹ رہا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں سرخ تھیں۔ شرٹ کے چند ایک کے سوا سارے ہی بٹن کھلے ہوئے تھے۔

اپنے کمرے میں جا کر اس نے دروازے کو لاک کر لیا اور وہاں موجود جہازی سائز کے میوزک سسٹم کی طرف گیا اور کمرے میں بولٹن کا when a man loves a woman بلند آواز میں بجنے لگا۔ وہ ریموٹ لے کر اپنے بیڈ پر آ گیا اور اوندھے منہ بے ترتیبی کے عالم میں لیٹ گیا۔

اس کا ریموٹ والا بایاں ہاتھ بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا اور مسلسل ہل رہا تھا۔ اس کے دونوں پاؤں بھی میوزک کے ساتھ گردش میں تھے۔

کمرے میں بیڈ اور اس کے اپنے حلیے کے علاوہ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی، کہیں پر کچھ بھی بے ترتیب نہیں تھا۔ کہیں پر گرد کا ایک ذرہ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ میوزک سسٹم کے پاس موجود دیوار گیر شیلف میں تمام آڈیو اور ویڈیو کیسٹس بڑے اچھے طریقے سے لگی ہوئی تھیں۔ ایک دوسری دیوار میں موجود ریکس پر کتابوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ کونے میں پڑی ہوئی کمپیوٹر ٹیبل سے عیاں تھا کہ اُسے استعمال کرنے والا بہت آرگنائزڈ ہے۔ کمرے کی مختلف دیواروں پر ہالی ووڈ کی ایکٹریسز اور وہاں کے بینڈز کے پوسٹرز لگے تھے۔ باتھ روم کے دروازے اور کمرے کی کھڑکیوں کے شیشوں کو پلے بوائے میگزین سے کاٹی گئی کچھ ماڈلز کی نیوڈ تصویروں سے سجایا گیا تھا، کمرے میں پہلی بار داخل ہونے والا دروازہ کھولتے ہی بہت بڑی طرح چونکتا کیونکہ بالکل سامنے کھڑکیوں کے شیشوں پر موجود وہ تصویریں چند لمحوں کے لئے دیکھنے والوں کو تصویریں نہیں بلکہ اصل لڑکیاں نظر آتی تھیں۔ ان تصویروں کو وہاں لگاتے ہوئے ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ میوزک سسٹم جس دیوار کے ساتھ موجود تھا اسی دیوار کے ایک کونے میں دیوار پر ایک الیکٹرک گٹار لٹکایا گیا تھا اور اسی کونے میں ایک کی بورڈ بھی اسٹینڈ پر رکھا ہوا تھا۔ دیوار پر گٹار سے کچھ فاصلے پر piccolo، فلوٹ اور oboe بھی لٹکائے گئے تھے اس کمرے کے مکین کو یقیناً میوزک سے گہری

دلچسپی تھی۔ بیڈ کے بالکل سامنے والی دیوار میں موجود کیبنٹ میں ٹی وی موجود تھا اور اسی کیبنٹ کے مختلف خانوں میں مختلف ٹرافیز اور شیلڈز پڑی ہوئی تھیں۔

کمرے کا چپہ تھا کونا بھی خالی نہیں تھا وہاں دیوار پر مختلف ریکٹس لٹکے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ٹینس کا تھا اور دو اسکواش کے، ان ریکٹس کو دیوار پر لٹکانے سے پہلے پیچھے پوسٹرز لگائے گئے تھے اور پھر ریکٹس اس طرح لٹکائے گئے تھے کہ یوں لگتا تھا وہ ریکٹس ان کھلاڑیوں نے پکڑے ہوں ٹینس کے ریکٹ کے پیچھے گیبریلا سباٹینی کا پوسٹر تھا جب کہ اسکواش کے ایک ریکٹ کے پیچھے جہانگیر خان کا پوسٹر تھا جب کہ دوسرے ریکٹ کے پیچھے روڈنی مارٹن کا۔

کمرے میں واحد جگہ جہاں بے ترتیبی تھی وہ ڈبل بیڈ تھا، جس پر وہ لیٹا ہوا تھا۔ سلک کی بیڈ شیٹ بری طرح سلوٹ زدہ تھی اور اس پر ادھر ادھر چند پورنوگرافی کے غیر ملکی میگزین پڑے ہوئے تھے جن میں ملے ہوئے نمایاں تھا بیڈ پر ایک سیپر کٹر اور کاغذ کی کچھ چھوٹی چھوٹی کترنیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ یقیناً کچھ دیر پہلے وہ ان میگزینز سے تصویریں کاٹ رہا تھا۔ چند ٹکڑے کے کچھ ریپرز بھی تڑے مڑے بیڈ پر ہی پڑے ہوئے تھے۔ ڈن ہل کا ایک پیکٹ اور لائٹر بھی ایش ٹرے کے ساتھ بیڈ پر ہی پڑا تھا جب کہ سلک کی سفید چمک دار بیڈ شیٹ پر کئی جگہ ایسے نشان تھے جیسے وہاں پر سگریٹ کی راکھ بھی تھی۔ کافی کا ایک خالی مگ بھی بیڈ پر پڑا ہوا تھا اور اس کے پاس ایک ٹائی اور رسٹ واچ بھی تھی۔ ان سب چیزوں سے کچھ فاصلے پر سرہانے ایک موبائل پڑا تھا جس پر یک دم کوئی کال آنے لگی تھی۔ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا ہوا وہ نوجوان اب شاید نیند کے عالم میں تھا کیونکہ موبائل کی بیپ پر اس نے سر اُٹھائے بغیر اپنا دایاں ہاتھ بیڈ پر اِدھر اُدھر پھیرتے ہوئے جیسے موبائل تلاش کرنے کی کوشش کی مگر موبائل اس کے ہاتھ کی رسائی سے بہت دور تھا۔ اس پر مسلسل کال آ رہی تھی۔ کچھ دیر اسی طرح اِدھر اُدھر ہاتھ پھیرنے کے بعد اس کا ہاتھ ساکت ہو گیا شاید اب وہ واقعی سو چکا تھا کیونکہ اس کے تھرکتے پیر رُک چکے تھے۔ موبائل پر اب بھی کال آ رہی تھی۔ بیڈ سے باہر نکلے ہوئے اس کے بائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا ریموٹ یک دم اس کی گرفت سے نکل کر نیچے کارپٹ پر گر پڑا۔ مائیکل بولٹن کی آواز ابھی بھی کمرے میں گونج رہی تھی۔ "when a man loves a woman" پھر یک دم کمرے کے دروازے پر کسی نے دستک دی اور پھر دستک کی یہ آواز بڑھتی ہی گئی۔ موبائل کی کال ختم ہو چکی تھی، دروازے پر دستک دینے والے ہاتھ بڑھتے گئے وہ بیڈ پر اوندھے منہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔

☆......☆......☆

"ڈونٹ ٹیل می، امامہ! کیا تم واقعی انگیجڈ ہو؟"

زینب کو جویریہ کے انکشاف پر جیسے کرنٹ لگا۔ امامہ نے ملامتی نظروں سے جویریہ کو دیکھا جو پہلے

ہی معذرت خواہانہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"اسے نہیں مجھے دیکھ کر بتاؤ، کیا تم واقعی انگیجڈ ہو؟" زینب نے اس بار اسے کچھ جھڑکتے ہوئے کہا۔

"ہاں، مگر یہ اس قدر غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعہ تو نہیں کہ تم اس پر اس طرح ری ایکٹ کرو۔" امامہ نے بڑی رسانیت سے کہا۔ وہ سب لائبریری میں بیٹھی ہوئی تھیں اور اپنی طرف سے حتی المقدور سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔

"مگر تمہیں ہمیں بتانا تو چاہیے تھا، آخر راز میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس بار رابعہ نے کہا۔

"راز میں تو نہیں رکھا، بس یہ کوئی اتنا اہم واقعہ نہیں تھا کہ تمہیں بتاتی اور پھر تم لوگوں سے میری دوستی تو اب ہوئی ہے جبکہ اس منگنی کو کئی سال گزر چکے ہیں۔" امامہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"کئی سال سے کیا مراد ہے تمہاری؟"

"میرا مطلب ہے، دو تین سال۔"

"پھر بھی امامہ! بتانا تو چاہیے تھا تمہیں....." زینب کا اعتراض ابھی بھی اپنی جگہ قائم تھا۔ امامہ نے مسکراتے ہوئے زینب کو دیکھا۔

"اب کروں گی تو اور کسی کو بتاؤں یا نہ بتاؤں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔"

"ویری فنی۔" زینب نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اور کچھ نہیں تو تم ہمیں کوئی تصویر وغیرہ ہی لا کر دکھاؤ موصوف کی...... ہے کون؟...... نام کیا ہے؟...... کیا کرتا ہے؟"

رابعہ نے ہمیشہ کی طرح ایک ہی سانس میں سوال در سوال کر ڈالے۔

"فرسٹ کزن ہے...... اسجد نام ہے۔" امامہ نے رُک رُک کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایم بی اے کیا ہے اس نے اور بزنس کرتا ہے۔"

"شکل و صورت کیسی ہے؟" اس بار زینب نے پوچھا۔ امامہ نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے؟ میں تم سے پوچھ رہی ہوں لمبا ہے؟ ڈارک ہے؟ ہینڈسم ہے؟" اس بار امامہ مسکراتے ہوئے کچھ کہے بغیر زینب کو دیکھتی رہی۔

"امامہ نے اپنی پسند سے یہ منگنی کی ہے...... وہ اچھا خاصا گڈ لکنگ ہے۔" جویریہ نے اس بار امامہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہمیں اندازہ کر لینا چاہیے تھا، آخر وہ امامہ کا فرسٹ کزن ہے...... اب امامہ! تمہارا اگلا کام یہ ہے کہ تم ہمیں اس کی تصویر لا کر دکھاؤ۔" زینب نے کہا۔

"نہیں، اس سے پہلے کا ضروری کام یہ ہے کہ تم ہمیں کچھ کھلانے پلانے لے چلو۔" رابعہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"فی الحال تو یہاں سے چلیں، ہاسٹل جانا ہے مجھے۔" امامہ یک دم اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تو وہ بھی اُٹھ گئیں۔

"ویسے جویریہ! تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟" ساتھ چلتے ہوئے زینب نے جویریہ سے پوچھا۔

"بھئی، امامہ نہیں چاہتی تھی...... اس لئے میں نے بھی اس موضوع پر بات نہیں کی۔" جویریہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ امامہ نے مڑ کر ایک بار پھر جویریہ کو گھورا، اس کی نظروں میں تنبیہ تھی۔

"امامہ کیوں نہیں چاہتی تھی...... میری منگنی ہوئی ہوتی تو میں تو شور مچاتی ہر جگہ، وہ بھی اس صورت میں جب یہ میری اپنی مرضی سے ہوتی۔" زینب نے بلند آواز میں کہا۔

امامہ نے اس بار کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

☆......☆......☆

"آپ کا بیٹا آبادی کے اس ۰.۵ فیصد حصے میں شامل ہے، جو ۱۵۰ سے زیادہ کا آئی کیو لیول رکھتے ہیں۔ اس آئی کیو لیول کے ساتھ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ غیر معمولی سہی مگر غیر متوقع نہیں ہے۔" اس غیر ملکی اسکول میں سالار کو جاتے ہوئے ابھی صرف ایک ہفتہ ہوا تھا جب سکندر عثمان اور ان کی بیوی کو وہاں بلوایا گیا تھا۔ اسکول کے سائیکالوجسٹ نے انہیں سالار سکندر کے مختلف آئی کیو ٹیسٹ کے بارے میں بتایا تھا جس میں اس کی پرفارمنس نے اس کے ٹیچرز اور سائیکالوجسٹ کو حیران کر دیا تھا۔ اس اسکول میں وہ ۱۵۰ کا آئی کیو لیول والا پہلا اور واحد بچہ تھا اور چند ہی دنوں میں وہ وہاں سب کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔

سکندر عثمان اور ان کی بیوی سے ملاقات کے دوران سائیکالوجسٹ کو اس کے بچپن کے بارے میں کچھ اور کھوج لگانے کا موقع ملا۔ وہ کافی دلچسپی سے سالار کے کیس کو اسٹڈی کر رہا تھا اور دلچسپی کی یہ نوعیت پروفیشنل نہیں ذاتی تھی۔ اپنے کیریئر میں وہ پہلی بار اس آئی کیو کے بچے کا سامنا کر رہا تھا۔

سکندر عثمان کو آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد تھا۔ سالار اس وقت صرف دو سال کا تھا اور غیر معمولی طور پر وہ اس عمر میں ایک عام بچے کی نسبت زیادہ صاف لہجے میں باتیں کرتا تھا اور باتوں کی نوعیت ایسی ہوتی تھی کہ وہ اور ان کی بیوی اکثر حیران ہوتے۔

ایک دن جب وہ اپنے بھائی سے فون پر بات کرنے کے لئے فون کر رہے تھے تو سالار ان کے پاس کھڑا تھا۔ وہ اس وقت ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے اور فون پر باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ ٹی وی بھی دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے فون رکھ دیا۔ ریسیور رکھنے کے فوراً بعد انہوں نے سالار کو فون کا ریسیور اُٹھاتے ہوئے دیکھا۔

"ہیلو انکل! میں سالار ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اطمینان سے ریسیور کان سے لگائے کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟" سکندر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پہلے ان کے ذہن میں یہی آیا کہ وہ جھوٹ موٹ فون پر باتیں کر رہا ہے۔

"پاپا میرے پاس بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔ نہیں، انہوں نے فون نہیں کیا، میں نے خود کیا ہے۔" وہ اس کے اگلے جملے پر چونکے۔

"سالار! کس سے باتیں کر رہے ہو؟" سکندر نے پوچھا۔

"انکل شاہنواز سے۔" سالار نے سکندر کو جواب دیا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اس سے لے لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس نے غلطی سے کوئی نمبر ملا لیا ہوگا یا پھر لاسٹ نمبر کو ری ڈائل کر دیا ہوگا۔ انہوں نے کان سے ریسیور لگایا، دوسری طرف ان کے بھائی ہی تھے۔

"یہ سالار نے نمبر ڈائل کیا ہے۔" انہوں نے معذرت کرتے ہوئے اپنے بھائی سے کہا۔

"سالار نے کیسے ڈائل کیا وہ تو بہت چھوٹا ہے۔" ان کے بھائی نے دوسری طرف کچھ حیرانی سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اس نے آپ کا نمبر ری ڈائل کر دیا ہے۔ اتفاق سے ہاتھ لگ گیا ہوگا۔ ہاتھ مار رہا تھا سیٹ پر۔" انہوں نے فون بند کر دیا اور ریسیور نیچے رکھ دیا۔ سالار جو خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سننے میں مصروف تھا ریسیور کے نیچے رکھتے ہی اس نے ایک بار پھر ریسیور اُٹھا لیا۔ اس بار سکندر عثمان اسے دیکھنے لگے، وہ بالکل کسی میچور آدمی کی طرح ایک بار پھر شاہنواز کا نمبر ڈائل کر رہا تھا اور بڑی روانی کے ساتھ۔ وہ ایک لمحہ کے لئے دم بخود رہ گئے تھے۔ دو سال کے بچے سے انہیں یہ توقع نہیں تھی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر کریڈل دبا دیا۔

"سالار! تمہیں شاہنواز کا نمبر معلوم ہے؟" انہوں نے حیرانی کے اس جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" بڑے اطمینان سے جواب دیا گیا۔

"کیا نمبر ہے؟" اس نے بھی روانی کے ساتھ وہ نمبر دہرا دیا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ گنتی کے اعداد سے واقف ہوگا اور پھر وہ نمبر......

"تمہیں یہ نمبر کس نے سکھایا؟"

"میں نے خود سیکھا ہے۔"

"کیسے؟"

"ابھی آپ نے ملایا تھا۔" سالار نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں گنتی آتی ہے؟"

"ہاں۔"

"کہاں تک۔"

"ہنڈرڈ تک۔"

"سناؤ۔"

وہ مشین کی طرح شروع ہو گیا۔ ایک ہی سانس میں اس نے انہیں سو تک گنتی سنا دی۔ سکندر عثمان کے پیٹ میں بل پڑنے لگے۔

"اچھا۔ میں ایک اور نمبر ڈائل کرتا ہوں میرے بعد تم اسے ڈائل کرنا۔" انہوں نے ریسیور اس سے لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔" سالار کو یہ سب ایک دلچسپ کھیل کی طرح لگا۔ سکندر عثمان نے ایک نمبر ملایا اور پھر فون بند کر دیا۔ سالار نے فوراً ریسیوران سے پکڑ کر انہیں کی روانی کے ساتھ وہ نمبر ملایا۔ سکندر عثمان کا سر گھومنے لگا تھا۔ وہ واقعی وہی نمبر تھا جو انہوں نے ملایا تھا۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی نمبر ملائے اور پھر سالار سے وہی نمبر ملانے کے لئے کہا۔ وہ کوئی غلطی کئے بغیر وہی نمبر ملاتا رہا۔ وہ یقیناً فوٹوگرافک میموری رکھتا تھا۔ انہوں نے اپنی بیوی کو بلایا۔

"میں نے اسے گنتی نہیں سکھائی، میں نے تو بس کچھ دن پہلے اسے چند کتابیں لا کر دی تھیں اور کل ایک بار ایسے ہی اس کے سامنے سو تک گنتی پڑھی تھی۔" انہوں نے سکندر عثمان کے استفسار پر کہا۔ سکندر عثمان نے سالار کو ایک بار پھر گنتی سنانے کے لئے کہا، وہ سناتا گیا۔ ان کی بیوی ہکا بکا اسے دیکھتی رہیں۔

دونوں میاں بیوی کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا بچہ ذہنی اعتبار سے غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ ان دونوں نے اپنے باقی بچوں کی نسبت اسے بہت جلد ہی اسکول میں داخل کروا دیا تھا اور اسکول میں بھی وہ اپنی ان غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد ہی دوسروں کی نظروں میں آ گیا تھا۔

"اس بچے کو آپ کی خاص توجہ کی ضرورت ہے، عام بچوں کی نسبت ایسے بچے زیادہ حساس ہوتے ہیں، اگر آپ اس کی اچھی تربیت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ بچہ آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے ایک سرمایہ ہوگا نہ صرف خاندان کے لئے بلکہ آپ کے ملک کے لئے بھی۔" سکندر عثمان اور ان کی بیوی اس غیر ملکی سائیکالوجسٹ کی باتیں بڑے فخریہ انداز میں سنتے رہے۔

اپنے دوسرے بچوں کے مقابلے میں وہ سالار کو زیادہ اہمیت دینے لگے تھے۔ وہ ان کی سب سے چہیتی اولاد تھا اور انہیں اس کی کامیابیوں پر فخر تھا۔

اسکول میں ایک ٹرم کے بعد اسے اگلی کلاس میں پروموٹ کر دیا گیا اور دوسری ٹرم کے بعد اس سے اگلی کلاس میں اور اس وقت پہلی بار سکندر عثمان کو کچھ تشویش ہونے لگی۔ وہ نہیں چاہتے تھے سالار

آٹھ دس سال کی عمر میں جونیئر یا سینئر کیمبرج کر لیتا مگر جس رفتار سے وہ ایک کلاس سے دوسری کلاس میں جا رہا تھا یہی ہوتا تھا۔

"میں چاہتا ہوں آپ میرے بیٹے کو اب پورے ایک سال کے بعد ہی اگلی کلاس میں پروموشن دیں۔ میں نہیں چاہتا وہ اتنی جلدی اتنے ابنارمل طریقے سے اپنا اکیڈمک کیریئر ختم کر لے۔ آپ اس کے ٹیکلس اور ایکٹیویٹیز بڑھا دیں، مگر اسے نارمل طریقے سے ہی پروموٹ کریں۔"

اُن کے اصرار پر سالار کو دوبارہ ایک سال کے اندر ڈبل یا ٹرپل پروموشن نہیں دیا گیا، اس کے ٹیلنٹ کو اسپورٹس اور دوسری چیزوں کے ذریعے چینلائز کیا جانے لگا۔ شطرنج، ٹینس، گالف اور میوزک۔ وہ چار شعبے تھے جن میں اسے سب سے زیادہ دلچسپی تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ خود کو صرف ان چاروں چیزوں تک ہی محدود رکھتا تھا۔ وہ اسکول میں ہونے والے تقریباً ہر گیم میں شریک ہوتا تھا اگر کسی میں شریک نہیں ہوتا تھا تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ وہ گیم یا اسپورٹ اسے زیادہ چیلنجنگ نہیں لگتی تھی۔

☆......☆......☆

"جویریہ! پروفیسر امتنان کے لیکچر کے نوٹس مجھے دینا۔" امامہ نے جویریہ کو مخاطب کیا جو ایک کتاب کھولے بیٹھی ہوئی تھی۔ جویریہ نے ہاتھ بڑھا کر اپنی ایک نوٹ بک اسے تھما دی۔ امامہ نوٹ بک کھول کر صفحے پلٹنے لگی۔ جویریہ ایک بار پھر کتاب کے مطالعے میں مصروف ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اچانک اسے جیسے ایک خیال آیا تھا۔ اس نے مڑ کر اپنے بستر پر بیٹھی ہوئی امامہ کو دیکھا۔

"تم نے لیکچر نوٹ کرنا کیوں بند کر دیا ہے؟" اس نے امامہ کو مخاطب کیا۔ امامہ نے نوٹ بک سے نظریں اُٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے کچھ سمجھ میں آئے تو میں نوٹ کروں۔"

"کیا مطلب؟ تمہیں پروفیسر امتنان کا لیکچر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔" جویریہ کو جیسے حیرت ہوئی۔

"اتنا اچھا تو پڑھاتے ہیں۔"

"میں نے کب کہا کہ برا پڑھاتے ہیں، بس مجھے......"

اس نے کچھ اُلجھے ہوئے لہجے میں بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑی نوٹ بک کو دیکھ رہی تھی۔ جویریہ نے غور سے اسے دیکھا۔

"تم آج کل کچھ غائب دماغ نہیں ہوتی جا رہیں؟ ڈسٹرب ہو کسی وجہ سے؟" جویریہ نے اپنے سامنے رکھی کتاب بند کرتے ہوئے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"ڈسٹرب؟" وہ بڑبڑائی۔ "نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہاری آنکھوں کے گرد حلقے بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کل رات کو شاید ساڑھے تین کا وقت تھا جب میری آنکھ کھلی اور تم اس وقت بھی جاگ رہی تھیں۔"

"میں پڑھ رہی تھی۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں، صرف کتاب اپنے سامنے رکھے بیٹھی ہوئی تھیں، مگر کتاب پر نظر نہیں تھی تمہاری۔" جویریہ نے اس کا عذر رد کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟"

"کیا مسئلہ ہو سکتا ہے مجھے؟"

"پھر تم اتنی چپ چپ کیوں رہنے لگی ہو؟" جویریہ اس کی ٹال مٹول سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"نہیں، میں کیوں چپ رہوں گی۔" امامہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "میں تو پہلے ہی کی طرح بولتی ہوں۔"

"صرف میں ہی نہیں، باقی سب بھی تمہاری پریشانی کو محسوس کر رہے ہیں۔" جویریہ سنجیدگی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں ہے، صرف اسٹڈیز کی ٹینشن ہے مجھے۔"

"میں یقین نہیں کر سکتی ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں، تمہیں ہم سے زیادہ ٹینشن تو نہیں ہو سکتی۔" جویریہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ امامہ نے ایک گہرا سانس لیا، وہ اب زچ ہو رہی تھی۔

"تمہارے گھر میں تو خیریت ہے نا؟"

"ہاں، بالکل خیریت ہے۔"

"اسجد کے ساتھ تو کوئی جھگڑا نہیں ہوا؟"

"اسجد کے ساتھ جھگڑا کیوں ہوگا؟" امامہ نے اسی کے انداز میں پوچھا۔

"پھر بھی اختلافات تو ایک بہت ہی......" جویریہ کی بات اس نے درمیان میں ہی کاٹ دی۔

"جب کہہ رہی ہوں کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے تو تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا۔ اتنے سالوں سے کون سی بات ہے جو میں نے تم سے شیئر نہیں کی یا جو تمہیں پتا نہیں ہے پھر تم اس طرح مجھے مجرم سمجھ کر تفتیش کیوں کر رہی ہو۔" وہ اب خفا ہو رہی تھی۔

جویریہ گڑبڑا گئی۔ "یقین کیوں نہیں کروں گی، میں صرف اس لئے اصرار کر رہی تھی کہ شاید تم مجھے اس لئے اپنا مسئلہ نہیں بتا رہیں کہ میں پریشان نہ ہوں اور تو کوئی بات نہیں۔"

جویریہ کچھ نادم سی ہو کر اس کے پاس سے اٹھ کر واپس اپنی اسٹڈی ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔ اس نے ایک بار پھر وہ کتاب کھول لی جسے وہ پہلے پڑھ رہی تھی۔ کافی دیر تک کتاب پڑھتے رہنے کے بعد اس نے ایک جماہی لی اور گردن موڑ کر لاشعوری طور پر امامہ کو دیکھا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے اس کی نوٹ بک کھولے بیٹھی تھی مگر اس کی نظریں نوٹ بک پر نہیں تھیں وہ سامنے والی دیوار پر نظریں

جمائے بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

اس نے گاڑی نہر کے پل سے کچھ فاصلے پر کھڑی کر دی پھر ڈگی سے ایک بوری اور رسی نکال لی۔ وہ بوری کو کھینچتے ہوئے اس پل کی طرف بڑھتا رہا۔ پاس سے گزرنے والے کچھ راہ گیروں نے اسے دیکھا مگر وہ مڑ کے نہیں، اوپر پہنچ کر اس نے اپنی شرٹ اُتار کر نہر میں پھینک دی۔ چند لمحوں میں اس کی شرٹ بہتے پانی کے ساتھ غائب ہو چکی تھی۔ ڈارک بلو کلر کی تنگ جینز میں اس کا لمبا قد اور خوب صورت جسم بہت نمایاں تھا۔

اس وقت اس شخص کی آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر تھا جسے پڑھنا دوسرے کسی بھی شخص کے لئے ناممکن تھا۔ اس کی عمر انیس بیس سال ہو گی، مگر اس کے قد و قامت اور حلیے نے اس کی عمر کو جیسے بڑھا دیا تھا۔ اس نے رسی پل سے نیچے نہر میں لٹکانی شروع کر دی، جب رسی کا سرا پانی میں غائب ہو گیا تو اس نے رسی کا دوسرا سرا بوری کے منہ پر لپیٹ کر سختی سے گرہیں لگانی شروع کر دیں اور اس وقت تک لگاتار باجب تک کوائل ختم نہیں ہو گیا پھر پانی میں پڑا سرا واپس کھینچ کر اس نے اندازے سے تین فٹ کے قریب رسی چھوڑی اور اپنے دونوں پیر ساتھ جوڑتے ہوئے اس نے اپنے پیروں کے گرد رسی کو بہت مضبوطی کے ساتھ دو تین بل دیئے اور گرہ لگا دی۔ اب اس تین فٹ کے ٹکڑے کے سرے پر بڑی مہارت کے ساتھ اس نے دو پھندے بنائے پھر اچک کر پل کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ اپنا دایاں ہاتھ کمر کے پیچھے لے جاتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ کے ساتھ پہلے پھندے میں سے دایاں ہاتھ گزارا اور پھر بائیں ہاتھ کے ساتھ اس نے وہ پھندا کھینچ کر کس دیا۔ اس کے بعد اس نے کمر کے پیچھے دائیں ہاتھ کے ساتھ دوسرے پھندے میں سے بایاں ہاتھ گزارا اور دائیں ہاتھ سے اسے کس دیا۔

اس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے پشت کے بل خود کو پل کی منڈیر سے نیچے گرا دیا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا سر پانی سے ٹکرایا اور کمر تک کا حصہ پانی میں ڈوب گیا پھر رسی ختم ہو گئی۔ اب وہ اس طرح لٹکا ہوا تھا کہ اس کے بازو پشت پر بندھے ہوئے تھے اور کمر تک کا دھڑ پانی کے اندر تھا۔ بوری میں موجود وزن یقیناً اس کے وزن سے زیادہ تھا یہی وجہ تھی کہ بوری اس کے ساتھ نیچے نہیں آئی اور وہ اس طرح لٹک گیا۔ اس نے اپنا سانس روکا ہوا تھا۔ پانی کے اندر اپنا سر جاتے ہی اس نے آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پانی گدلا تھا اور اس میں موجود مٹی اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے پھیپھڑے اب جیسے پھٹنے لگے تھے۔ اس نے یک دم سانس لینے کی کوشش کی اور پانی منہ اور ناک سے اس کے جسم کے اندر داخل ہونے لگا۔ وہ اب بری طرح پھڑپھڑا رہا تھا مگر نہ وہ اپنے بازوؤں کو استعمال کر کے خود کو سطح پر لا

سکتا تھا اور نہ ہی اپنے جسم کو اُٹھا سکتا تھا۔ اس کے جسم کی پھڑپھڑاہٹ آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی۔

چند لوگوں نے اسے پل سے نیچے گرتے دیکھا اور چیختے ہوئے اس طرف بھاگے، رسی ابھی تک ہل رہی تھی، ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ پانی کے نیچے ہونے والی حرکت اب دم توڑ گئی تھی۔ اس کی ٹانگیں اب بالکل بے جان نظر آ رہی تھیں۔ پل پر کھڑے لوگ خوف کے عالم میں اس بے جان وجود کو دیکھ رہے تھے۔ پل پر موجود ہجوم بڑھ رہا تھا۔ نیچے پانی میں موجود وہ وجود ابھی بھی ساکت تھا۔ صرف پانی اسے حرکت دے رہا تھا۔ کسی پنڈولم کی طرح...... آگے پیچھے...... آگے پیچھے...... آگے پیچھے۔

☆......☆......☆

"امامہ! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" رابعہ نے اپنی الماری سے اپنا ایک سوٹ نکال کر بیڈ پر پھینکتے ہوئے کہا۔

امامہ نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "کس لئے تیار ہو جاؤں؟"

"بھئی، شاپنگ کے لئے جا رہے ہیں، ساتھ چلو۔" رابعہ نے اسی تیز رفتاری کے ساتھ استری کا پلگ نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا۔" اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھوں پر اپنا بازو رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب ہے...... مجھے کہیں نہیں جانا...... تم سے پوچھ کون رہا ہے...... تمہیں بتا رہے ہیں۔" رابعہ نے اسی لہجے میں کہا۔

"اور میں نے بتا دیا ہے، میں کہیں نہیں جا رہی۔" اس نے آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر کہا۔

"زینب بھی چل رہی ہے ہمارے ساتھ، پورا گروپ جا رہا ہے، فلم بھی دیکھیں گے واپسی پر۔" رابعہ نے پورا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

امامہ نے ایک لمحہ کے لئے اپنی آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ "زینب بھی جا رہی ہے؟"

"ہاں، زینب کو ہم راستے سے پک کریں گے۔" امامہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

"تم بہت ڈل ہوتی جا رہی ہو امامہ!" رابعہ نے قدرے ناراضی کے ساتھ تبصرہ کیا۔ "ہمارے ساتھ کہیں آنا جانا ہی چھوڑ دیا ہے تم نے، آخر ہوتا کیا جا رہا ہے تمہیں۔"

"کچھ نہیں، بس میں آج کچھ تھکی ہوئی ہوں، اس لئے سونا چاہ رہی ہوں۔" امامہ نے بازو ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد جویریہ بھی اندر آ گئی اور وہ بھی اسے ساتھ چلنے کے لئے مجبور کرتی رہی، مگر امامہ

کی زبان پر ایک ہی رٹ تھی۔ "نہیں مجھے سونا ہے، میں بہت تھک گئی ہوں۔" وہ مجبوراً اسے برا بھلا کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

رستے سے انہوں نے زینب کو اس کے گھر سے پک کیا اور زینب کو پک کرتے ہوئے جویریہ کو یاد آیا کہ اس کے بیگ کے اندر اس کا والٹ نہیں ہے، وہ اسے ہاسٹل میں ہی چھوڑ آئی تھی۔

"واپس ہاسٹل چلتے ہیں، وہاں سے والٹ لے کر پھر بازار چلیں گے۔" جویریہ کے کہنے پر وہ لوگ دوبارہ ہاسٹل چلی آئیں، مگر وہاں آ کر انہیں حیرانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

"یہ امامہ کہاں ہے؟" رابعہ نے حیرانی سے کہا۔

"پتا نہیں۔ کمرہ لاک کر کے اس طرح کہاں جا سکتی ہے۔ وہ تو کہہ رہی تھی کہ اسے سونا ہے۔" جویریہ نے کہا۔

"ہاسٹل میں تو کسی کے روم میں نہیں چلی گئی؟" رابعہ نے خیال ظاہر کیا۔ وہ دونوں اگلے کئی منٹ ان واقف لڑکیوں کے کمروں میں جاتی رہیں جن سے ان کی ہیلو ہائے تھی، مگر امامہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔

"کہیں ہاسٹل سے باہر تو نہیں گئی؟" رابعہ کو اچانک خیال آیا۔

"آؤ وارڈن سے پوچھ لیتے ہیں۔" جویریہ نے کہا۔ وہ دونوں وارڈن کے پاس چلی آئیں۔

"ہاں، امامہ ابھی کچھ دیر پہلے باہر گئی ہے۔" وارڈن نے ان کی انکوائری پر بتایا۔ جویریہ اور رابعہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

"وہ کہہ رہی تھی شام کو آئے گی۔" وارڈن نے انہیں مزید بتایا۔ وہ دونوں وارڈن کے کمرے سے نکل آئیں۔

"یہ گئی کہاں ہے؟ ہمارے ساتھ تو جانے سے انکار کر دیا تھا کہ اسے سونا ہے اور وہ تھکی ہوئی ہے اور اس کی طبیعت خراب ہے اور اب اس طرح غائب ہو گئی ہے۔" رابعہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

رات کو وہ قدرے لیٹ واپس آئیں اور جس وقت وہ واپس آئیں۔ امامہ کمرے میں موجود تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کا استقبال کیا۔

"لگتا ہے۔ خاصی شاپنگ ہوئی ہے آج۔" اس نے ان دونوں کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے شاپرز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ان دونوں نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا، بس شاپرز رکھ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تم کہاں گئی ہوئی تھیں؟" جویریہ نے اس سے پوچھا۔ امامہ کو جیسے ایک جھٹکا لگا۔

"میں اپنا والٹ لینے واپس آئی تھی تو تم یہاں نہیں تھیں، کمرہ لاکڈ تھا۔" جویریہ نے اسی انداز

میں کہا۔

"میں تم لوگوں کے پیچھے گئی تھی۔"

"کیا مطلب؟" جویریہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

"تمہارے نکلنے کے بعد میرا ارادہ بدل گیا تھا۔ میں یہاں سے زینب کی طرف گئی کیونکہ تم لوگوں کو اسے پک کرنا تھا، مگر اس کے چوکیدار نے بتایا کہ تم لوگ پہلے ہی وہاں سے نکل گئے ہو، پھر میں وہاں سے واپس آ گئی۔ بس رستے میں کچھ کتابیں لی تھیں میں نے۔" امامہ نے کہا۔

"دیکھا۔ تم سے پہلے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ چلو مگر اس وقت تم نے فوراً انکار کر دیا، بعد میں بے وقوفوں کی طرح پیچھے چل پڑیں۔ ہم لوگ تو مشکوک ہو گئے تھے تمہارے بارے میں۔" رابعہ نے کچھ اطمینان سے ایک شاپر کھولتے ہوئے کہا۔

امامہ نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ صرف مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھتی رہی۔ وہ دونوں اب اپنے شاپر کھولتے ہوئے خریدی ہوئی چیزیں اسے دکھا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"پتا نہیں؟"

"ماں باپ نے کیا رکھا تھا؟"

"یہ ماں باپ سے پوچھیں۔" خاموشی۔

"لوگ کس نام سے پکارتے ہیں تمہیں؟"

"لڑکے یا لڑکیاں؟"

"لڑکے؟"

"بہت سارے نام لیتے ہیں۔"

"زیادہ تر کون سا نام پکارتے ہیں؟"

"daredevil"......خاموشی......

"اور لڑکیاں؟"

"وہ بھی بہت سے نام لیتی ہیں۔"

"زیادہ تر کس نام سے پکارتی ہیں؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔ it's too personal" (یہ بالکل ذاتی ہے)۔

گہری خاموشی، طویل سانس پھر خاموشی۔

"میں آپ کو ایک مشورہ دوں؟"

"کیا؟"

"آپ میرے بارے میں وہ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے جو نہ آپ پہلے جانتے ہیں نہ میں۔ آپ کے دائیں طرف ٹیبل پر جو سفید فائل پڑی ہے اس میں میرے سارے particulars موجود ہیں پھر آپ وقت ضائع کیوں کر رہے ہیں؟"

سائیکو انالسٹ نے اپنے پاس موجود ٹیبل لیمپ کی روشنی میں سامنے کاؤچ پر دراز اس نوجوان کو دیکھا جو اپنے پیر مسلسل ہلا رہا تھا، اس کے چہرے پر گہرا اطمینان تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سائیکو انالسٹ کے ساتھ ہونے والی اس ساری گفتگو کو بے کار سمجھ رہا تھا۔ کمرے میں موجود ٹھنڈک، خاموشی اور نیم تاریکی نے اس کے اعصاب کو بالکل متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ سائیکو انالسٹ کے لئے سامنے لیٹا ہوا نوجوان ایک عجیب کیس تھا، وہ فوٹو گرافک میموری کا مالک تھا۔ اس کا آئی کیو لیول ۱۵۰ کی رینج میں تھا۔ وہ تھرو آؤٹ، آؤٹ اسٹینڈنگ اکیڈمک ریکارڈ رکھتا تھا وہ گالف میں پریزیڈنٹس گولڈ میڈل تین بار جیت چکا تھا اور وہ ...... وہ تیسری بار خودکشی کی ناکام کوشش کرنے کے بعد اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے والدین ہی اسے اس کے پاس لے کر آئے تھے اور وہ بے حد پریشان تھے۔

وہ ملک کے چند بہت اچھے خاندانوں میں سے ایک سے تعلق رکھتا تھا۔ ایسا خاندان جس کے پاس پیسے کی بھرمار تھی، چار بھائیوں اور ایک بہن کے بعد وہ چوتھے نمبر پر تھا۔ دو بھائی اور ایک بہن اس سے بڑے تھے۔ اپنی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے وہ اپنے والدین کا بہت زیادہ چہیتا تھا۔ اس کے باوجود پچھلے تین سال میں اس نے تین بار خودکشی کی کوشش کی۔

پہلی دفعہ اس نے سڑک پر بائیک چلاتے ہوئے ون وے کی خلاف ورزی کی اور بائیک سے ہاتھ اٹھا لئے۔ اس کے پیچھے آنے والے ٹریفک کانسٹیبل نے ایسا کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ خوش قسمتی سے گاڑی سے ٹکرانے کے بعد وہ ہوا میں اچھل کر ایک دوسری گاڑی کی چھت پر گرا اور پھر زمین پر گرا۔ اس کی کچھ ribs ایک بازو اور ایک ٹانگ میں فریکچرز ہوئے، تب اس کے والدین کانسٹیبل کے اصرار کے باوجود اسے ایک حادثہ ہی سمجھے، کیونکہ اس نے اپنے ماں باپ سے یہی کہا تھا کہ وہ غلطی سے ون وے سے ہٹ گیا تھا۔

دوسری بار پورے ایک سال کے بعد اس نے لاہور میں خود کو باندھ کر پانی میں ڈوبنے کی کوشش کی۔ ایک بار پھر اسے بچا لیا گیا۔ پل پر کھڑے لوگوں نے اسے اس رسی سمیت باہر کھینچ لیا تھا جس کے ساتھ باندھ کر اس نے خود کو نیچے گرایا تھا۔ اس بار اس بات کی گواہی دینے والوں کی تعداد زیادہ تھی کہ

اس نے خود اپنے آپ کو پانی میں گرا لیا تھا مگر اس کے ماں باپ کو ایک بار پھر یقین نہیں آیا۔ سالار کا بیان یہ تھا کہ کچھ لڑکوں نے اس کی گاڑی کو پل کے پاس روکا اور پھر اسے باندھ کر پانی میں پھینک دیا، جس طرح وہ بندھا ہوا تھا اس سے یوں ہی لگتا تھا کہ اسے واقعی ہی باندھ کر گرایا گیا تھا۔ پولیس اگلے کئی ہفتے اس کے بتائے گئے حلیے کے لڑکوں کو پورے شہر میں تلاش کرتی رہی۔ سکندر عثمان نے خاص طور پر ایک گارڈ اس کے ساتھ تعینات کر دیا جو چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہتا تھا۔

مگر تیسری بار وہ اپنے ماں باپ کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکا۔ خواب آور گولیوں کی ایک بڑی تعداد کو پیس کر اس نے کھا لیا تھا۔ گولیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ معدہ واش کرنے کے باوجود اگلے کئی دن وہ بیمار رہا تھا۔ اس بار کسی کو بھی کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ اس نے خانساماں کے سامنے ان گولیوں کے پاؤڈر کو دودھ میں ڈال کر پیا تھا۔

سکندر عثمان اور طیبہ سکندر ششدر رہ گئے تھے۔ پچھلے دونوں واقعات بھی انہیں پوری طرح یاد آ گئے تھے اور وہ پچھتانے لگے تھے کہ انہوں نے پہلے اس کی بات پر اعتبار کیوں کیا...... پورا گھر اس کی وجہ سے پریشان ہو گیا تھا، اس کے بارے میں اسکول، کالونی اور خاندان ہر جگہ خبریں پھیل رہی تھیں۔ وہ اس بار اس بات سے انکار نہیں کر سکا کہ اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی، مگر وہ یہ بتانے پر تیار نہیں تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ بھائی، بہن، ماں یا باپ اس نے کسی کے سوال کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔

سکندر اے لیولز کے بعد اس کے بڑے دو بھائیوں کی طرح اسے بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھجوانا چاہتے تھے، وہ جانتے تھے اسے کہیں بھی نہ صرف بڑی آسانی سے ایڈمیشن مل جائے گا بلکہ اسکالرشپ بھی...... لیکن ان کے سارے پلانز جیسے بھک کر کے اڑ گئے تھے۔

اور اب وہ اس سائیکو اینالسٹ کے سامنے موجود تھا، جس کے پاس سکندر عثمان نے اسے اپنے ایک دوست کے مشورہ پر بھجوایا تھا۔

"ٹھیک ہے سالار! بالکل ٹو دا پوائنٹ بات کرتے ہیں۔ مرنا کیوں چاہتے ہو تم؟" سالار نے کندھے اچکائے۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں مرنا چاہتا ہوں؟"

"خودکشی کی تین کوششیں کر چکے ہو تم۔"

"کوشش کرنے اور مرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"تینوں دفعہ تم اتفاقاً بچے ہو ورنہ تم نے خود کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"دیکھیں۔ جس کو آپ خودکشی کی کوشش کہہ رہے ہیں میں اسے خودکشی کی کوشش نہیں سمجھتا۔ میں صرف دیکھنا چاہتا تھا کہ موت کی تکلیف کیسی ہوتی ہے۔"

وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا جو بڑے پرسکون انداز میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اور موت کی تکلیف تم کیوں محسوس کرنا چاہتے تھے؟"

"بس ایسے ہی، curiosity تجسس سمجھ لیں۔" سائیکو اینالسٹ نے ایک گہرا سانس لے کر اس ۱۵۰ آئی کیو لیول والے نوجوان کو دیکھا، جواب چھت کو گھور رہا تھا۔

"تو ایک بار خودکشی کی کوشش سے تمہارا یہ تجسس ختم نہیں ہوا۔"

"اوہ تب...... تب میں بے ہوش ہو گیا تھا اس لئے میں ٹھیک سے کچھ بھی محسوس نہیں کر سکا۔ دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔" وہ مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اور اب تم چوتھی بار کوشش کرو گے؟"

"یقیناً" میں محسوس کرنا چاہتا ہوں کہ درد کی انتہا پر جا کر کیسا لگتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"جیسے Joy کی انتہا ecstasy ہوتی ہے مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خوشی کی اس انتہا کے بعد کیا ہے، اسی طرح درد کی بھی تو کوئی انتہا ہوتی ہو گی، جس کے بعد آپ کچھ بھی سمجھ نہیں سکتے جیسے ecstasy میں آپ کچھ بھی سمجھ نہیں سکتے۔"

"میں نہیں سمجھ سکا۔"

"فرض کریں آپ ایک بار میں striptease دیکھ رہے ہیں، بہت تیز میوزک بج رہا ہے، آپ ڈرنک کر رہے ہیں، آپ نے کچھ ڈرگز بھی لی ہوئی ہیں، آپ ناچ رہے ہیں پھر آہستہ آہستہ آپ اپنے ہوش و حواس کھو دیتے ہیں، آپ ecstasy (سرور) میں ہیں، کہاں ہیں؟ کیوں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کو کچھ بھی پتا نہیں لیکن آپ کو یہ ضرور پتا ہوتا ہے کہ آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ آپ کو اچھا لگ رہا ہے۔ میں جب باہر چھٹیاں گزارنے جاتا ہوں تو اپنے کزنز کے ساتھ ایسے بارز میں جاتا ہوں۔ میرا پرابلم یہ ہے کہ ان کی طرح میں ecstatic (مدہوش) نہیں ہوتا I never get wild with joy مجھے ان چیزوں سے اتنی خوشی نہیں مل پاتی جتنی باقی لوگوں کو ملتی ہے اور یہی چیز مجھے مایوس کرتی ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر سرور کی انتہا پر نہیں پہنچ سکا تو شاید میں درد کی انتہا پر پہنچ سکوں لیکن وہ بھی نہیں ہو سکا۔" وہ خاصا مایوس نظر آ رہا تھا۔

"تم اس طرح کی چیزوں میں وقت ضائع کیوں کرتے ہو، اتنا شاندار اکیڈمک ریکارڈ ہے تمہارا......"

سالار نے اس بار انتہائی بیزاری سے اس سے کہا۔ "پلیز، پلیز اب میری ذہانت کے راگ الاپنا مت شروع کیجئے گا۔ مجھے پتا ہے میں کیا ہوں۔ تنگ آ گیا ہوں میں اپنی تعریفیں سنتے سنتے۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔ سائیکو اینالسٹ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

"اپنے لئے کوئی گول کیوں نہیں سیٹ کرتے تم؟"

"میں نے کیا ہے؟"

"کیا؟"

"مجھے خودکشی کی ایک اور کوشش کرنی ہے۔" مکمل اطمینان تھا۔

"کیا تمہیں کوئی ڈپریشن ہے؟"

"ناٹ ایٹ آل۔"

"تو پھر مرنا کیوں چاہتے ہو؟" ایک گہرا سانس۔

"کیا آپ کو ایک بار پھر سے بتانا شروع کروں کہ میں مرنا نہیں چاہتا، میں کچھ اور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ اکتایا۔

بات گھوم پھر کر پھر وہیں آ گئی تھی۔ سائیکو اینالسٹ کچھ دیر سوچتا رہا۔

"کیا تم یہ سب کسی لڑکی کی وجہ سے کر رہے ہو؟"

سالار نے گردن موڑ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ "لڑکی کی وجہ سے؟"

"ہاں۔ کوئی ایسی لڑکی جو تمہیں اچھی لگتی ہو جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو؟" اس نے بے اختیار قہقہہ لگایا اور پھر وہ ہنستا ہی گیا۔

"مائی گاڈ! آپ کا مطلب ہے کہ کسی لڑکی کی محبت کی وجہ سے میں خودکشی—" وہ ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑ کر ہنسنے لگا۔ "لڑکی کی محبت...... اور خودکشی...... کیا مذاق ہے۔" وہ اب اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سائیکو اینالسٹ نے اس طرح کے کئی سیشنز اس کے ساتھ کئے تھے اور ہر بار نتیجہ ڈھاک کے وہی تین پات رہا۔

"آپ اس کو تعلیم کے لئے بیرون ملک بھجوانے کے بجائے یہیں رکھیں اور اس پر بہت زیادہ توجہ دیں۔ ہو سکتا ہے یہ توجہ حاصل کرنے کے لئے یہ سب کرتا ہو۔"

اس نے کئی ماہ کے بعد سالار کے ماں باپ کو مشورہ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے باہر بھجوانے کے بجائے اسلام آباد کے ایک ادارے میں ایڈمیشن دلوا دیا گیا۔ سکندر عثمان کو یہ اطمینان تھا کہ وہ اسے اپنے پاس رکھیں گے تو شاید وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔ سالار نے ان کے اس فیصلے پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا بالکل اسی طرح جس طرح اس نے ان کے اس فیصلے پر کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اسے بیرون ملک تعلیم کے لئے بھجوایا جائے گا۔

سائیکو اینالسٹ کے ساتھ آخری سیشن کے بعد سکندر عثمان اسے گھر لے آئے اور انہوں نے طیبہ

کے ساتھ مل کر اس سے ایک لمبی چوڑی میٹنگ کی۔ وہ دونوں اپنے بیڈ روم میں بٹھا کر اسے ان تمام آسائشوں کے بارے میں بتاتے رہے جو وہ پچھلے کئی سالوں میں اسے فراہم کرتے رہے تھے۔ انہوں نے اسے ان توقعات کے بارے میں بھی بتایا جو وہ اس سے رکھتے تھے۔ اسے ان محبت بھرے جذبات سے بھی آگاہ کیا گیا جو وہ اس کے لئے محسوس کرتے تھے۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ چیونگم چباتا باپ کی بے چینی اور ماں کے آنسو دیکھتا رہا۔ گفتگو کے آخر میں سکندر عثمان نے تقریباً تنگ آ کر اس سے کہا۔

"تمہیں کس چیز کی کمی ہے؟ کیا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے یا جو تمہیں چاہئے۔ مجھے بتاؤ۔" سالار سوچ میں پڑ گیا۔

"اسپورٹس کار۔" اگلے ہی لمحے اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں اسپورٹس کار باہر سے منگوا دیتا ہوں مگر دوبارہ ایسی کوئی حرکت مت کرنا جو تم نے کی ہے، او کے؟" سکندر عثمان کو کچھ اطمینان ہوا۔

سالار نے سر ہلا دیا۔ طیبہ سکندر نے ٹشو سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے جیسے سکون کا سانس لیا۔

وہ کمرے سے چلا گیا تو سکندر عثمان نے سگار سلگاتے ہوئے ان سے کہا۔

"طیبہ! تمہیں اس پر بہت توجہ دینی پڑے گی۔ اپنی activities کچھ کم کرو اور کوشش کرو کہ اس کے ساتھ روزانہ کچھ وقت گزار سکو۔" طیبہ نے سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

وسیم نے امامہ کو دور سے ہی لان میں بیٹھے دیکھ لیا۔ وہ کانوں پر ہیڈ فون لگائے واک مین پر کچھ سن رہی تھی۔ وسیم دبے قدموں اس کی پشت کی جانب سے اس کے عقب میں گیا اور اس کے پاس جا کر اس نے یک دم امامہ کے کانوں سے ہیڈ فون کے تار کھینچ لئے۔ امامہ نے برق رفتاری سے واک مین کا stop کا بٹن دبا دیا تھا۔

"کیا سنا جا رہا ہے یہاں اکیلے بیٹھے؟" وسیم نے بلند آواز میں کہتے ہوئے ہیڈ فون کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیا مگر تب تک امامہ کیسٹ بند کر چکی تھی۔ کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو کر اس نے ہیڈ فون کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے وسیم سے کہا۔

"بدتمیزی کی کوئی حد ہوتی ہے وسیم! بی ہیو یور سیلف۔" اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وسیم نے ہیڈ فون کے سروں کو نہیں چھوڑا، امامہ کے غصے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"میں سننا چاہتا ہوں، تم کیا سن رہی تھیں۔ اس میں بدتمیزی والی کیا بات ہے، کیسٹ کو آن کرو۔"

امامہ نے کچھ جھنجلاتے ہوئے ہیڈ فون کو واک مین سے الگ کر دیا۔ "میں تمہارے سننے کے لئے واک مین لے کر یہاں نہیں بیٹھی، دفع ہو جاؤ یہ ہیڈ فون لے کر۔"

وہ ایک بار پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی، اس نے واک مین کو بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں جکڑا ہوا تھا۔

وسیم کو لگا جیسے وہ کچھ گھبرائی ہوئی ہے مگر وہ گھبرائے گی کیوں؟ وسیم نے سوچا اور اس خیال کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے سامنے والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ ہیڈ فون کو اس نے میز پر رکھ دیا۔

"یہ لو، اپنا غصہ ختم کرو۔ واپس کر رہا ہوں میں، تم سنو، جو بھی سن رہی ہو۔" اس نے بڑے صلح جویانہ انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اب مجھے نہیں سننا کچھ، تم ہیڈ فون رکھو اپنے پاس۔" امامہ نے ہیڈ فون کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"ویسے تم سن کیا رہی تھیں؟"

"کیا سنا جا سکتا ہے؟" امامہ نے اسی کے انداز میں کہا۔

"غزلیں سن رہی ہو گی؟" وسیم نے خیال ظاہر کیا۔

"تمہیں پتا ہے وسیم! تم میں بہت ساری عادتیں بوڑھی عورتوں والی ہیں؟"

"مثلاً"

"مثلاً بال کی کھال اُتارنا۔"

"اور۔"

"اور دوسروں کی جاسوسی کرتے پھرنا اور شرمندہ بھی نہ ہونا۔"

"اور تمہیں یہ پتا ہے کہ تم آہستہ آہستہ کتنی خود غرض ہوتی جا رہی ہو۔" وسیم نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ امامہ نے اس کی بات پر برا نہیں منایا۔

"اچھا...... تمہیں پتا چل گیا ہے کہ میں خود غرض ہوں۔" اس بار اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ تم جتنے بے وقوف ہو میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ نتیجہ اخذ کر لو گے۔"

"تم اگر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو مت کرو، میں شرمندہ نہیں ہوں گا۔" وسیم نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی ایسے کاموں کی کوشش تو ہر ایک پر فرض ہوتی ہے۔"

"آج تمہاری زبان کچھ زیادہ نہیں چل رہی؟" وسیم نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے نہیں، ایسا ہی ہے۔ چلو اچھا ہے، وہ چپ شاہ کا روزہ تو توڑ دیا ہے تم نے جو اسلام آباد آنے پر تم رکھ لیتی ہو۔" امامہ نے غور سے وسیم کو دیکھا۔

"کون سا چپ شاہ کا روزہ؟"

"تم جب سے لاہور گئی ہو خاصی بدل گئی ہو۔"

"مجھ پر اسٹڈیز کا بہت بوجھ ہے۔"

"سب پر ہوتا ہے امامہ! مگر کوئی بھی اسٹڈیز کو اتنا سر پر سوار نہیں کرتا۔" وسیم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو اس فضول بحث کو، یہ بتاؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"عیش۔" وہ اسی طرح کرسی جھلاتا رہا۔

"یہ تو تم پورا سال ہی کرتے ہو، میں آج کل کی خاص مصروفیت کا پوچھ رہی ہوں۔"

"آج کل تو بس دوستوں کے ساتھ پھر رہا ہوں۔ تمہیں پتا ہونا چاہئے کہ پیپرز کے بعد میری مصروفیات کیا ہوتی ہیں۔ سب کچھ بھولتی جا رہی ہو تم۔" وسیم نے افسوس بھری نظروں سے کہا۔

"میں نے اس امید میں یہ سوال کیا تھا کہ شاید اس سال تم میں کوئی بہتری آ جائے مگر نہیں، میں نے بے کار سوال کیا۔" امامہ نے اس کے تبصرے کے جواب میں کہا۔

"تمہیں پتا ہونا چاہئے کہ میں تم سے ایک سال بڑا ہوں، تم نہیں، اس لئے اب اپنی ملامتی تقریر ختم کر دو۔" وسیم نے اسے کچھ جتاتے ہوئے کہا۔

"یہ ساتھ والوں کے لڑکے سے تعلقات کا کیا حال ہے؟" امامہ کو اچانک یاد آیا۔

"چڑچڑے سے؟ بس کچھ عجیب سے ہی تعلقات ہیں۔" وسیم نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "بڑا عجیب سا بندہ ہے وہ، موڈ اچھا ہے تو دوسرے کو ساتویں آسمان پر بٹھا دے گا، موڈ خراب ہے تو سیدھا گٹر میں پہنچا دے گا۔"

"تمہارے زیادہ تر دوست اسی طرح کے ہیں۔" امامہ نے مسکراتے ہوئے کہا "کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔"

"نہیں، خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ کم از کم میری عادتیں اور حرکتیں چڑچڑے جیسی تو نہیں ہیں۔"

"وہ تو باہر جانے والا تھا نا؟" امامہ کو اچانک یاد آیا۔

"ہاں جانا تو تھا مگر پتا نہیں میرا خیال ہے اس کے پیرنٹس نہیں بھجوا رہے۔"

"حلیہ بڑا عجیب سا ہوتا ہے اس کا۔ مجھے بعض دفعہ لگتا ہے ہپیوں کے کسی قبیلے سے کسی نہ کسی طرح اس کا تعلق ہو گا یا آئندہ ہو جائے گا۔"

"تم نے دیکھا ہے اسے؟"

"کل میں باہر سے آ رہی تھی تو دیکھا تھا۔ وہ بھی اسی وقت باہر نکل رہا تھا، کوئی لڑکی بھی تھی ساتھ۔"

"لڑکی؟ جینز وغیرہ پہنی ہوئی تھی اس نے؟" وسیم نے اچانک دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"مشروم کٹ بالوں والی...... فیری سی؟"

"ارے۔" وسیم چٹکی بجاتے ہوئے مسکرایا۔ "اس کی گرل فرینڈ ہے۔"

"پچھلی دفعہ تو تم کسی اور کا نام لے رہے تھے۔" امامہ نے اُسے گھورا۔

"پچھلی دفعہ کب؟" وسیم سوچ میں پڑ گیا۔

"سات آٹھ ماہ پہلے شاید تم سے اس کی گرل فرینڈ کی بات ہوئی تھی۔"

"ہاں تب شیبا تھی۔ اب پتا نہیں وہ کہاں ہے۔"

"اس بار تو گاڑی کے پچھلے شیشے پر اس نے اپنے موبائل کا نمبر بھی پینٹ کر دیا ہوا تھا۔" امامہ ایک موبائل نمبر دُہراتے ہوئے ہنسی۔

"تمہیں یاد ہے؟" وسیم بھی ہنسا۔

"میں نے زندگی میں پہلی بار اتنا بڑا موبائل نمبر کہیں لکھا دیکھا تھا اور وہ بھی ایک گاڑی کے شیشے پر اس کے نام کے ساتھ، یاد تو ہونا ہی تھا۔" امامہ پھر ہنسی۔

"میں تو خود سوچ رہا ہوں اپنی گاڑی کے شیشے پر موبائل نمبر لکھوانے کا۔" وسیم نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کون سے موبائل کا۔ وہ جو تم نے ابھی خریدا بھی نہیں۔" امامہ نے وسیم کا مذاق اڑایا۔

"میں خرید رہا ہوں اس ماہ۔"

"بابا کے جوتے کھانے کے لئے تیار رہنا، اگر تم نے موبائل کے نمبر کو گاڑی کے شیشے پر لکھوایا سب سے پہلا فون اُن ہی کا آئے گا۔"

"بس اسی لئے ہر بار میں رُک جاتا ہوں۔" وسیم نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے لئے اچھا ہی ہے۔ بابا سے ہڈیاں تڑوانے سے بہتر ہے کہ بندہ اپنے جذبات پر کچھ قابو رکھے اور تمہارے لئے تو خطرات ویسے بھی زیادہ ہیں۔ سمیعہ کو پتا چلتا اگر اس قسم کے کسی موبائل فون کا تو......" وسیم نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو کیا کرے گی وہ، میں اس سے ڈرتا نہیں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں تم اس سے ڈرتے نہیں ہو، مگر چھ بھائیوں کی اکلوتی بہن سے منگنی کرنے سے پہلے تمہیں تمام نفع نقصان پر غور کر لینا چاہئے تھا جن کا سامنا تمہیں کسی ایسی ویسی حرکت کے بعد ہو سکتا ہے۔" امامہ نے ایک بار پھر اس کی منگیتر کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا مذاق اُڑایا۔

"اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ بس میرے مقدر میں تھا یہ سب کچھ۔" وسیم نے ایک مصنوعی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"مجھے کبھی بھی موبائل فون نہیں خریدنا چاہئے کیونکہ یہ میرے کسی کام نہیں آ سکے گا۔ کم از کم جہاں تک گرل فرینڈ کی تلاش کا سوال ہے۔" وہ ایک بار پھر کرسی جھلانے لگا۔

"دیر سے سہی مگر بات تمہاری سمجھ میں آ ہی گئی۔" امامہ نے ہاتھ بڑھا کر میز سے ہیڈ فون اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ویسے تم سن کیا رہی تھیں؟" وسیم کو اسے ہیڈ فون اٹھاتے دیکھ کر پھر یاد آیا۔

"ویسے ہی کچھ خاص نہیں تھا۔" امامہ نے اُٹھتے ہوئے اسے جیسے ٹالا۔

☆......☆......☆

"آپ لاہور جا رہے ہیں تو واپسی پر امامہ کے ہاسٹل چلے جائیں، یہ کچھ کپڑے ہیں اس کے، درزی سے لے کر آئی ہوں، آپ اسے دے آئیں۔" سلمٰی نے ہاشم سے کہا۔

"بھئی۔ میں بڑا مصروف ہوں گا لاہور میں، کہاں آتا جاتا پھروں گا اس کے ہاسٹل۔" ہاشم کو قدرے تامل ہوا۔

"آپ ڈرائیور کو ساتھ لے کر جا رہے ہیں، خود نہیں جا سکتے تو اسے بھیج دیجئے گا، وہ دے آئے گا یہ پیکٹ۔ سیزن ختم ہو رہا ہے پھر یہ کپڑے اسی طرح پڑے رہیں گے۔ اس کا تو پتا نہیں اب کب آئے۔" سلمٰی نے لمبی چوڑی وضاحت کی۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں لے جاتا ہوں۔ فرصت ملی تو خود دے آؤں گا ورنہ ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دوں گا۔" ہاشم رضامند ہو گئے۔

لاہور میں انہوں نے خاصا مصروف دن گزارا۔ شام پانچ بجے کے قریب انہیں کچھ فرصت ملی اور تب انہیں اس پیکٹ کا بھی خیال آگیا۔ ڈرائیور کو پیکٹ لے جانے کا کہنے کے بجائے وہ خود امامہ کے ہاسٹل چلے آئے۔ اس کے ایڈمیشن کے بعد آج پہلی بار وہ وہاں آئے تھے۔ گیٹ کیپر کے ہاتھ انہوں نے امامہ کے لئے پیغام بھجوایا اور خود انتظار کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی آ جائے گی مگر ایسا نہ ہوا، دس منٹ، پندرہ منٹ، بیس منٹ...... وہ اب کچھ بیزار ہونے لگے۔ اس سے پہلے کہ وہ اندر دوبارہ پیغام بھجواتے انہیں گیٹ کیپر ایک لڑکی کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ کچھ قریب آنے پر انہوں نے اس لڑکی کو پہچان لیا وہ جویریہ تھی امامہ کی بچپن کی دوست اور اس کا تعلق بھی اسلام آباد سے ہی تھا۔

"السلام علیکم انکل!" جویریہ نے پاس آ کر کہا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو تم۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"میں یہ امامہ کے کچھ کپڑے دینے آیا تھا، لاہور آرہا تھا تو اس کی امی نے یہ پیکٹ دے دیا۔ اب یہاں بیٹھے مجھے گھنٹہ ہو گیا ہے مگر انہوں نے اسے نہیں بلایا۔" ہاشم کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"انکل! امامہ مارکیٹ گئی ہے کچھ دوستوں کے ساتھ، آپ یہ پیکٹ مجھے دے دیں، میں خود اسے دے دوں گی۔"

"ٹھیک ہے، تم رکھ لو۔" ہاشم نے وہ پیکٹ جویریہ کی طرف بڑھا دیا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد وہ واپس مڑ گئے۔ جویریہ بھی پیکٹ پکڑ کر ہاسٹل کی طرف چلی گئی مگر اب اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی، کوئی بھی اس وقت اس کے چہرے پر پریشانی کو واضح طور پر بھانپ سکتا تھا۔

ہاسٹل کے اندر آتے ہی وارڈن سے اس کا سامنا ہو گیا جو سامنے ہی کھڑی تھیں۔ جویریہ کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی۔

"بات ہوئی تمہاری اس کے والد سے؟" وارڈن نے اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"جی بات ہوئی، پریشانی والا کوئی مسئلہ نہیں ہے، وہ اسلام آباد میں اپنے گھر پر ہی ہے، اس کے والد یہ پیکٹ لے کر آئے تھے، میرے گھر والوں نے میرے کچھ کپڑے بھجوائے ہیں۔ انکل لاہور آ رہے تھے تو امامہ نے کہا کہ وہ لے جائیں۔ انکل نے غلطی سے یہاں آکر میرا نام لینے کے بجائے امامہ کا نام لے دیا۔" جویریہ نے ایک ہی سانس میں کئی جھوٹ روانی سے بولے۔

وارڈن نے سکون کا سانس لیا۔ "خدا کا شکر ہے ورنہ میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی کہ مجھے تو وہ ویک اینڈ پر گھر جانے کا کہہ کر گئی ہے...... تو پھر وہ کہاں ہے......"

وارڈن نے مڑتے ہوئے کہا۔ جویریہ پیکٹ پکڑے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ رابعہ اسے دیکھتے ہی تیر کی طرح اس کی طرف آئی۔

"کیا ہوا...... اسلام آباد میں ہی ہے وہ؟"

"نہیں۔" جویریہ نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"مائی گاڈ۔" رابعہ نے بے یقینی سے اپنے دونوں ہاتھ کراس کر کے سینے پر رکھے۔ "تو پھر کہاں گئی ہے وہ؟"

"مجھے کیا پتا مجھ سے تو اس نے یہی کہا تھا کہ گھر جا رہی ہے، مگر وہ گھر نہیں گئی، آخر وہ گئی کہاں ہے؟ امامہ ایسی تو نہیں ہے۔" جویریہ نے پیکٹ بستر پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"وارڈن سے کیا کہا تم نے؟" رابعہ نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔

"کیا کہا؟ جھوٹ بولا ہے اور کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ بتا دیتی کہ وہ اسلام آباد میں نہیں ہے تو ہاسٹل میں تو ابھی ہنگامہ شروع ہو جاتا، وہ تو پولیس کو بلوا لیتیں۔" جویریہ نے ناخن کاٹتے ہوئے کہا۔

"اور انکل کو...... ان کو کیا بتایا ہے؟" رابعہ نے پوچھا۔

"ان سے بھی جھوٹ بولا ہے، یہی کہا ہے کہ وہ مارکیٹ گئی ہے۔"

"مگر اب ہوگا کیا؟" رابعہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"مجھے تو یہ فکر ہو رہی ہے کہ اگر وہ واپس نہ آئی تو میں تو بری طرح پکڑی جاؤں گی۔ سب یہی سمجھیں گے کہ مجھے اس کے پروگرام کا پتا تھا۔ اس لئے میں نے وارڈن اور اس کے گھر والوں سے سب کچھ چھپایا۔" جویریہ کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کہیں امامہ کو کوئی حادثہ ہی پیش نہ آ گیا ہو؟ ورنہ وہ ایسی لڑکی تو نہیں ہے کہ اس طرح......" رابعہ کو اچانک ایک خدشے نے ستایا۔

"مگر اب ہم کیا کریں۔ ہم تو کسی سے اس سارے معاملے کو ڈسکس بھی نہیں کر سکتے۔" جویریہ نے ناخن کترتے ہوئے کہا۔

"زینب سے بات کریں۔" رابعہ نے کہا۔

"فار گاڈ سیک رابعہ! کبھی تو عقل سے کام لیا کرو، اس سے کیا بات کریں گے ہم۔" جویریہ نے جھنجلا کر کہا۔

"تو پھر انتظار کرتے ہیں، ہو سکتا ہے وہ آج رات تک یا کل تک آ جائے اگر آ گئی پھر تو کوئی مسئلہ نہیں رہے گا اور اگر نہ آئی تو پھر ہم وارڈن کو سب کچھ سچ سچ بتا دیں گے۔" رابعہ نے سنجیدگی سے سارے معاملے پر غور کرتے ہوئے طے کیا۔ جویریہ نے اسے دیکھا مگر اس کے مشورے پر کچھ کہا نہیں۔ پریشانی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

☆......☆......☆

جویریہ اور رابعہ رات بھر سو نہیں سکیں۔ وہ مکمل طور پر خوف کی گرفت میں تھیں۔ اگر وہ نہ آئی تو کیا ہوگا، یہ سوال ان کے سامنے بار بار بھیانک شکلیں بدل بدل کر آ رہا تھا۔ انہیں اپنا کیریئر ڈوبتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ ان کے گھر والے ایسے معاملے پر کیسا رد عمل ظاہر کریں گے۔ وہ انہیں بری طرح ملامت کرتے، انہیں امامہ کے والد کو سب کچھ صاف صاف نہ بتانے پر تنقید کا نشانہ بناتے اور پھر وارڈن سے سارے معاملے کو چھپانے پر اور بھی ناراض ہوتے۔

انہیں اندازہ نہیں تھا کہ حقیقت سامنے آنے پر خود ہاشم مبین اور ان کی فیملی کا رد عمل کیا ہوگا، وہ

اس سارے معاملے میں ان دونوں کے رول کو کس طرح دیکھیں گے۔ ہاسٹل میں لڑکیاں ان کے بارے میں کس طرح کی باتیں کریں گی اور پھر اگر یہ سارا معاملہ پولیس کیس بن گیا تو پولیس ان کی اس پردہ پوشی کو کیا سمجھے گی، وہ اندازہ کر سکتی تھیں اور اسی لئے بار بار ان کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ گئی کہاں...... اور کیوں... وہ دونوں اس کے پچھلے رویوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کس طرح پچھلے ایک سال سے وہ بالکل بدل گئی تھی، اس نے ان کے ساتھ گھومنا پھرنا بند کر دیا تھا، وہ الجھی الجھی رہنے لگی تھی، پڑھائی میں اس کا انہماک بھی کم ہو گیا تھا اور اس کی کم گوئی۔

"اور وہ جو ایک بار وہ ہمارے شاپنگ کے لئے جانے پر پیچھے سے غائب تھی، تب بھی یقیناً وہ وہیں گئی ہوگی جہاں وہ اب گئی ہے اور ہم نے کس طرح بے وقوفوں کی طرح اس پر اعتبار کر لیا۔" رابعہ کو پچھلی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

"مگر امامہ ایسی نہیں تھی، میں تو اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ وہ ایسی بالکل بھی نہیں تھی۔" جویریہ کو اب بھی اس پر کوئی شک نہیں ہو رہا تھا۔

"ایسا ہونے میں کوئی دیر تھوڑی لگتی ہے، بس انسان کا کردار کمزور ہونا چاہئے۔" رابعہ بدگمانی کی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔

رابعہ! اس کی مرضی سے اس کی منگنی ہوئی تھی، وہ اور اسجد ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے پھر وہ اس طرح کی حرکت کیسے کر سکتی ہے۔" جویریہ نے اس کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم بتاؤ کہ وہ کہاں ہے... میں نے تو کبھی ہٹا کر اسے کسی دیوار کے ساتھ نہیں چپکایا ہے، اس کے بابا اس سے ملنے یہاں آئے ہیں اور وہ اپنے گھر سے آئے ہیں، تو ظاہر ہے وہ گھر پر نہیں گئی اور ہم سے وہ یہی کہہ کر گئی تھی کہ وہ گھر جا رہی ہے۔" رابعہ نے بے چارگی سے کہا۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔" "ہو سکتا ہے، وہ اسی لئے گھر نہ پہنچ سکی ہو۔"

"وہ ہر بار یہاں سے فون کر کے اسلام آباد اپنے گھر والوں کو اپنے آنے کی اطلاع دے دیتی تھی تاکہ اس کا بھائی اسے کوسٹر کے اسٹینڈ سے پک کر لے۔ اگر اس بار بھی اس نے اسے اطلاع دی تھی تو پھر اس کے وہاں نہ پہنچنے پر وہ لوگ اطمینان سے وہاں نہ بیٹھے ہوتے، وہ یہاں ہاسٹل میں فون کرتے اور اس کے والد کے انداز سے تو ایسا ہی محسوس ہوا ہے جیسے اس کا اس ویک اینڈ پر اسلام آباد کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" رابعہ نے اس کے قیاس کو مکمل طور پر رد کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ وہ کبھی بھی ایک ماہ میں دو بار اسلام آباد نہیں جاتی تھی مگر اس بار تو وہ دوسرے ہی ہفتے

اسلام آباد جا رہی تھی اور اس نے وارڈن سے خاص طور پر یہ کہہ کر اجازت لی تھی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے، کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ ضرور غلط ہے۔" جویریہ کو پھر خدشات ستانے لگے۔

"اس کے ساتھ ساتھ ہم بھی بری طرح ڈوبیں گے۔ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی جو ہم نے سب کچھ اس طرح کور اپ کیا۔ ہمیں صاف صاف بات کرنی چاہئے تھی اس کے والد سے کہ وہ یہاں نہیں ہے، پھر وہ جو چاہے کرتے۔ یہ ان کا مسئلہ ہوتا، کم از کم ہم تو اس طرح نہ پھنستے جس طرح اب پھنس گئے ہیں۔" رابعہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"خیر۔ اب کیا ہو سکتا ہے، صبح تک انتظار کرتے ہیں اگر وہ کل بھی نہیں آئی تو پھر وارڈن کو سب کچھ بتا دیں گے۔" جویریہ نے کمرے کے چکر لگاتے ہوئے کہا۔

وہ رات ان دونوں نے اسی طرح باتیں کرتے جاگتے ہوئے گزار لی۔ اگلے دن وہ دونوں کالج نہیں گئیں۔ اس حالت میں کالج جانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

امامہ ویک اینڈ پر ہفتہ کو واپسی پر نو بجے کے قریب آ جایا کرتی تھی مگر اس دن وہ نہیں آئی، ان کے اعصاب جواب دینے لگے۔ ڈھائی بجے کے قریب وہ فق رنگت اور کانپتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اپنے کمرے سے وارڈن کے کمرے میں جانے کے لئے نکل آئیں، ان کے ذہن میں وہ جملے گردش کر رہے تھے، جو انہیں وارڈن سے کہنے تھے۔

وہ وارڈن کے کمرے سے ابھی کچھ دور ہی تھیں جب انہوں نے امامہ کو بڑے اطمینان کے ساتھ اندر آتے دیکھا۔ اس کا بیگ اس کے کاندھے پر تھا اور فولڈر ہاتھوں میں، وہ یقیناً سیدھی کالج سے آ رہی تھی۔

جویریہ اور رابعہ کو یوں لگا جیسے ان کے پیروں کے نیچے سے نکلتی ہوئی زمین یک دم تھم گئی تھی۔ ان کی رکی ہوئی سانس ایک بار پھر چلنے لگی تھی۔ کل کے اخبارات میں متوقع وہ ہیڈ لائنز جو بھوت بن کر ان کے گرد ناچ رہی تھیں یک دم غائب ہو گئیں اور ان کی جگہ اس غصے اور اشتعال نے لے لی تھی جو انہیں امامہ کی شکل دیکھ کر آیا تھا۔

وہ انہیں دیکھ چکی تھی اور اب ان کی طرف بڑھ رہی تھی، اس کے چہرے پر بڑی خوشگوار سی مسکراہٹ تھی۔

"تم دونوں آج کالج کیوں نہیں آئیں؟" سلام دعا کے بعد اس نے ان سے پوچھا۔

"تمہاری مصیبتوں سے چھٹکارا ملے گا تو ہم کہیں آنے جانے کا سوچ سکیں گے۔" رابعہ نے تند و تیز لہجے میں اس سے کہا۔

امامہ کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"کیا ہوا رابعہ! اس طرح غصے میں کیوں ہو؟" امامہ نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"تم ذرا اندر کمرے میں آؤ پھر تمہیں بتاتی ہوں کہ میں غصے میں کیوں ہوں۔" رابعہ نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور تقریباً کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی۔ جویریہ کچھ کہے بغیر ان دونوں کے پیچھے آ گئی۔ امامہ ہکا بکا تھی وہ رابعہ اور جویریہ کے رویے کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی رابعہ نے دروازہ بند کر لیا۔

"کہاں سے آ رہی ہو تم؟" رابعہ نے مڑ کر انتہائی تلخ اور درشت لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اسلام آباد سے اور کہاں سے۔" امامہ نے اپنا بیگ نیچے زمین پر رکھ دیا اس کے جواب نے رابعہ کو کچھ اور مشتعل کیا۔

"شرم کرو امامہ.....! اس طرح ہمیں دھوکا دے کر، ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر آخر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ یہ کہ ہم ڈفر ہیں۔ ایڈیٹ ہیں۔ پاگل ہیں۔ بھئی ہم ہیں۔ ہم مانتے ہیں..... نہ ہوتے تو یوں تم پر اندھا اعتبار نہ کیا ہوتا تم سے اتنا بڑا دھوکا نہ کھایا ہوتا۔" رابعہ نے کہا۔

"مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ کون سا دھوکا..... کیسا دھوکا، کیا یہ بہتر نہیں کہ تم آرام سے مجھے اپنی بات سمجھاؤ۔" امامہ نے بے چارگی سے کہا۔

"تم ویک اینڈ کہاں گزار کر آئی ہو؟" جویریہ نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی۔

"تمہیں بتا چکی ہوں اسلام آباد میں، وہاں سے آج سیدھا کالج آئی ہوں اور اب کالج سے......" رابعہ نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"بکواس بند کرو..... یہ جھوٹ اب نہیں چل سکتا، تم اسلام آباد نہیں گئی تھیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟" اس بار امامہ نے بھی قدرے بلند آواز میں کہا۔

"کیونکہ تمہارے فادر یہاں آئے تھے کل؟" امامہ کا رنگ اڑ گیا۔ وہ کچھ بول نہیں سکی۔

"اب کیوں منہ بند ہو گیا ہے۔ اب بھی کہو کہ تم اسلام آباد سے آ رہی ہو۔" رابعہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بابا یہاں۔ آئے تھے؟" امامہ نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"ہاں آئے تھے، تمہارے کچھ کپڑے دینے کے لئے۔" جویریہ نے کہا۔

"انہیں یہ پتا چل گیا کہ میں ہاسٹل میں نہیں ہوں۔"

"میں نے جھوٹ بول دیا کہ تم ہاسٹل سے کسی کام کے لئے باہر گئی ہو، وہ کپڑے دے کر چلے گئے۔" جویریہ نے کہا۔ امامہ نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔

"یعنی انہیں کچھ پتا نہیں چلا؟" اس نے بستر پر بیٹھ کر اپنے جوتے کے اسٹریپ کھولتے ہوئے کہا۔

"نہیں انہیں کچھ پتا نہیں چلا..... تم منہ اُٹھا کر اگلے ہفتے پھر کہیں روانہ ہو جانا۔ مائنڈ یو امامہ! میں

اب وارڈن سے اس سلسلے میں بات کرنے والی ہوں۔ ہم تمہاری وجہ سے خاصی پریشانی اُٹھا چکے ہیں، مزید اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہتر ہے تمہارے پیرنٹس کو تمہاری ان حرکتوں کے بارے میں پتا چل جائے۔" رابعہ نے دوٹوک انداز میں اس سے کہا۔ امامہ نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا۔

"کون سی حرکتوں کے بارے میں..... میں نے کیا کیا ہے؟"

"کیا کیا ہے......؟ ہاسٹل سے اس طرح دو دن کے لئے گھر کا کہہ کر غائب ہو جانا تمہارے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

امامہ جواب دینے کے بجائے دوسرے جوتے کے بھی اسٹریپ کھولنے لگی۔

"مجھے وارڈن کے پاس چلے ہی جانا چاہئے۔"

رابعہ نے غصے کے عالم میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

جویریہ نے آگے بڑھ کر اسے روکا۔ "وارڈن سے بات کر لیں گے، پہلے اس سے تو بات کر لیں۔ تم جلد بازی مت کرو۔"

"مگر تم اس ڈھیٹ کا اطمینان دیکھو...... مجال ہے ذرہ برابر شرمندگی بھی اس کے چہرے پر جھلک رہی ہو۔" رابعہ نے غصے میں امامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں تم دونوں کو سب کچھ بتاؤں گی۔ اتنا غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا نہ ہی کسی غلط جگہ پر گئی ہوں اور ہی بھاگی بھی نہیں ہوں۔" امامہ نے جوتوں کی قید سے اپنے پیروں کو آزاد کرتے ہوئے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

"پھر تم کہاں گئی تھیں؟" اس بار جویریہ نے پوچھا۔

"اپنی ایک دوست کے ہاں۔"

"کون سی دوست؟"

"ہے ایک۔"

"اس طرح جھوٹ بول کر کیوں؟"

"میں تم لوگوں کے سوالوں سے بچنا چاہتی تھی اور گھر والوں کو بتاتی یا ان سے اجازت لینے کی کوشش کرتی تو وہ کبھی اجازت نہ دیتے۔"

"کس کے ہاں گئی تھیں؟ اور کس لئے؟" جویریہ نے اس بار قدرے تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔

"میں نے کہا نا، میں بتا دوں گی۔ کچھ وقت دو مجھے۔" امامہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"کوئی وقت نہیں دے سکتے تمہیں..... تمہیں وقت دیں تاکہ تم ایک بار پھر غائب ہو جاؤ اور اس بار واپس ہی نہ آؤ۔" رابعہ نے اس بار بھی ناراضی سے کہا مگر پہلے کی نسبت اس بار اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"تمہیں تو اس بات کا بھی احساس نہیں ہوا کہ تم نے ہماری پوزیشن کتنی آکورڈ بنا دی تھی، اگر تمہارے اس طرح غائب ہونے کا پتہ چل جاتا تو ہماری کتنی بے عزتی ہوتی۔ اس کا احساس تھا تمہیں؟" رابعہ نے اسی انداز میں کہا۔

"مجھے یہ توقع ہی نہیں تھی کہ بابا یہاں اس طرح اچانک آجائیں گے۔ اس لئے میں یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ تم لوگوں کو کسی نازک صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے ورنہ میں اس طرح کبھی نہ کرتی۔" امامہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"تم کم از کم ہم پر اعتبار کر کے، ہمیں بتا کر جا سکتی تھیں۔" جویریہ نے کہا۔

"میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گی۔" امامہ نے کہا۔

"کم از کم میں تمہارے کسی وعدے، کسی بات پر اعتبار نہیں کر سکتی۔" رابعہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"مجھے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے دو رابعہ! تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔" امامہ نے اس بار قدرے کمزور انداز میں کہا۔

"تم کو احساس ہے کہ تمہاری وجہ سے ہمارا کیریئر اور ہماری زندگی کس طرح داؤ پر لگ گئی تھی۔ یہ دوستی ہوتی ہے؟ اسے دوستی کہتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔" امامہ نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم کہاں غائب ہو گئی تھیں، میں تمہاری کوئی معذرت قبول نہیں کروں گی۔" رابعہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

امامہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"میں صبیحہ کے گھر چلی گئی تھی۔" جویریہ اور رابعہ نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کون......؟" ان دونوں نے تقریباً بیک وقت پوچھا۔

"تم لوگ جانتی ہو اسے۔" امامہ نے کہا۔

"وہ فورتھ ایئر کی صبیحہ؟" جویریہ نے بے اختیار پوچھا۔

امامہ نے سر ہلایا۔ "مگر اس کے گھر کس لئے گئی تھیں تم؟"

"دوستی ہے اس سے میری۔" امامہ نے کہا۔

"دوستی......؟ کیسی دوستی......؟ چار دن کی سلام دعا ہے تمہارے ساتھ اس کی اور میرا خیال ہے تم تو اسے اچھی طرح جانتی بھی نہیں ہو پھر اس کے گھر رہنے کے لئے کیوں چل پڑیں؟" جویریہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی اس طرح جھوٹ بول کر...... کم از کم اس کے گھر جا کر رہنے کے لئے تمہیں ہم سے یا اپنے گھر والوں سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔" رابعہ نے اسی لہجے میں کہا۔

"تم اسے کال کر کے پوچھ لو کہ میں اس کے گھر پر تھی یا نہیں۔" امامہ نے کہا۔

"چلو یہ مان لیا کہ تم اس کے گھر پر تھیں مگر کیوں تھیں......؟" جویریہ نے پوچھا۔

امامہ خاموش رہی پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا "مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی۔"

ان دونوں نے حیران ہو کر دیکھا "کس سلسلے میں؟"

امامہ نے سر اٹھایا اور پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتی رہی۔ جویریہ نے کچھ بے چینی محسوس کی۔ "کس سلسلے میں؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو۔" امامہ نے قدرے مدھم انداز میں کہا۔

"میں......؟" جویریہ نے کچھ گڑبڑا کر رابعہ کو دیکھا جو اب بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں، تم تو اچھی طرح جانتی ہو۔"

"تم پہیلیاں مت بجھواؤ۔ سیدھی اور صاف بات کرو۔" جویریہ نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

امامہ سر اٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھنے لگی پھر کچھ دیر بعد شکست خوردہ انداز میں اس نے سر جھکا دیا۔

☆......☆......☆

"بتاؤ نا۔ آخر تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" اس دن کالج میں امامہ نے جویریہ سے اصرار کیا۔

جویریہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ "میری خواہش ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔"

امامہ کو جیسے ایک کرنٹ سا لگا۔ اس نے شاک اور بے یقینی کے عالم میں جویریہ کو دیکھا۔ وہ دھیمے لہجے میں کہتی جا رہی تھی۔

"تم میری اتنی اچھی اور گہری دوست ہو کہ مجھے یہ سوچ کر تکلیف ہوتی ہے کہ تم گمراہی کے راستے پر چل رہی ہو اور تمہیں اس کا احساس تک نہیں ہے...... نہ صرف تم بلکہ تمہاری پوری فیملی...... میری خواہش ہے کہ نیک اعمال پر اگر اللہ مجھے جنت میں بھیجے تو تم میرے ساتھ ہو لیکن اس کے لئے مسلمان ہونا تو ضروری ہے۔"

امامہ کے چہرے پر ایک کے بعد ایک رنگ آ رہا تھا۔ بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہو سکی۔

"میں توقع نہیں کر سکتی تھی جویریہ کہ تم مجھ سے تحریم جیسی باتیں کرو گی۔ تمہیں تو میں اپنا دوست سمجھتی تھی مگر تم بھی......" جویریہ نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"تحریم نے تم سے تب جو کچھ کہا تھا، ٹھیک کہا تھا۔" امامہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی، اسے

جویریہ کی باتوں سے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

"اور صرف آج ہی نہیں، میں اس وقت بھی تحریم کو صحیح سمجھتی تھی مگر میری تمہارے ساتھ دوستی تھی اور میں چاہنے کے باوجود تم سے یہ نہیں کہہ سکی کہ میں تحریم کو حق بجانب سمجھتی ہوں۔ اگر وہ یہ کہتی تھی کہ تم مسلمان نہیں ہو تو یہ ٹھیک تھا۔ تم مسلمان نہیں ہو۔"

امامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جویریہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ امامہ نے کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے جانے کی کوشش کی مگر جویریہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تم میرا بازو چھوڑ دو۔۔۔ مجھے جانے دو، آئندہ کبھی تم مجھ سے بات تک مت کرنا۔" امامہ نے بھرائے ہوئے لہجے میں اس سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"امامہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو...... میں......"

امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے کتنا ہرٹ کیا ہے مجھے۔ جویریہ مجھے کم از کم تم سے یہ اُمید نہیں تھی۔"

"میں تمہیں ہرٹ نہیں کر رہی ہوں۔ حقیقت بتا رہی ہوں۔ رونے یا جذبات میں آنے کے بجائے تم ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات پر سوچو...... میں آخر تم کو بے کار کسی بات پر ہرٹ کیوں کروں گی۔" جویریہ نے اس کا بازو نہیں چھوڑا۔

"یہ تو تمہیں پتا ہو گا کہ تم مجھے ہرٹ کیوں کر رہی ہو، مگر مجھے آج یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہے کہ تم میں اور تحریم میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ تم نے تو مجھے اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائی ہے۔ اس سے میری دوستی اتنی پرانی نہیں تھی جتنی تمہارے ساتھ ہے۔" امامہ کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے اور وہ مسلسل اپنا بازو جویریہ کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ تمہارا اصرار تھا کہ میں تمہیں اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بتاؤں۔ میں اسی لئے تمہیں نہیں بتا رہی تھی اور میں نے تمہیں پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا کہ تم میری بات پر بہت ناراض ہو گی مگر تم نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" جویریہ نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"مجھے اگر یہ پتا ہوتا کہ تم میرے ساتھ اس طرح کی بات کرو گی تو میں کبھی تم سے تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش جاننے پر اصرار نہ کرتی۔" امامہ نے اس بار قدرے غصے سے کہا۔

"اچھا میں دوبارہ اس معاملے پر تم سے بات نہیں کروں گی۔" جویریہ نے قدرے مدافعانہ انداز میں کہا۔

"اس سے کیا ہو گا۔ مجھے یہ تو پتا چل گیا ہے کہ تم درحقیقت میرے بارے میں کیا سوچتی ہو......

ہماری دوستی اب کبھی بھی پہلے جیسی نہیں ہو سکتی۔ آج تک میں نے کبھی تم پر اس طرح کی تنقید نہیں کی مگر تم مجھے اسلام کا ایک فرقہ سمجھنے کے بجائے غیر مسلم بتا رہی ہو۔" امامہ نے کہا۔

"میں اگر ایسا کر رہی ہوں تو غلط نہیں کر رہی۔ اسلام کے تمام فرقے کم از کم یہ ایمان ضرور رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اور ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔" اس بار جویریہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"مائنڈ یور لینگویج۔" امامہ بھی بھڑک اُٹھی۔

"میں تمہیں حقیقت بتا رہی ہوں امامہ...... اور میں ہی نہیں یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ تمہاری فیملی نے روپے کے حصول کے لئے مذہب بدلا ہے۔"

"امامہ! میری باتوں پر اتنا ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے ــــ"

امامہ نے جویریہ کی بات کاٹ دی۔ "مجھے ضرورت نہیں ہے تمہاری کسی بھی بات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کی۔ میں جانتی ہوں حقیقت کیا ہے اور کیا نہیں......"

"تم نہیں جانتیں اور یہی افسوس ناک بات ہے۔" جویریہ نے کہا۔ امامہ نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اس بار بہت زور کے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا اور تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چل پڑی۔

اس بار جویریہ نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ کچھ افسوس اور پریشانی سے اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ امامہ اس طرح ناراض نہیں ہوتی تھی جس طرح وہ آج ہو گئی تھی اور یہی بات جویریہ کو پریشان کر رہی تھی۔

باب ۲

یہ سب کچھ اسکول میں ہونے والے ایک واقعے سے شروع ہوا تھا۔ امامہ اس وقت میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی اور تحریم اس کی اچھی دوستوں میں سے ایک تھی۔ وہ لوگ کئی سال سے اکٹھے تھے اور نہ صرف ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے بلکہ ان کی فیملیز بھی ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ اپنی فرینڈز میں سے امامہ کی سب سے زیادہ دوستی تحریم اور جویریہ سے تھی مگر اسے حیرت ہوتی تھی کہ اتنی گہری دوستی ہونے کے باوجود بھی جویریہ اور تحریم اس کے گھر آنے سے کتراتی تھیں۔ امامہ ہر سال اپنی سالگرہ پر انہیں انوائٹ کرتی اور اکثر وہ اپنے گھر پر ہونے والی دوسری تقریبات میں بھی انہیں مدعو کرتی، وہ گھر سے اجازت نہ ملنے کا بہانہ بنا دیتیں۔ چند بار امامہ نے خود ان دونوں کے والدین سے اجازت لینے کے لئے بات کی، لیکن اس کے بے تحاشا اصرار کے باوجود ان دونوں کے والدین انہیں اس کے گھر آنے کی اجازت نہ دیتے۔ ان کے اس رویے پر کچھ شاکی ہو کر اس نے اپنے والدین سے شکایت کی۔

"تمہاری یہ دونوں فرینڈز سید ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر ہمارے فرقے کو پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے ان دونوں کے والدین انہیں ہمارے گھر آنے نہیں دیتے۔"

ایک بار اس کی امی نے اس کی شکایت پر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی ہمارے فرقے کو کیوں پسند نہیں کرتے ---" امامہ کو ان کی بات پر تعجب ہوا۔

"اب یہ تو وہی لوگ بتا سکتے ہیں کہ وہ ہمارے فرقے کو کیوں پسند نہیں کرتے یہ تو ہمیں غیر مسلم بھی کہتے ہیں۔" اس کی امی نے کہا۔

"کیوں غیر مسلم کہتے ہیں۔ ہم تو غیر مسلم نہیں ہیں۔" امامہ نے کچھ اُلجھ کر کہا۔

"ہاں بالکل۔ ہم مسلمان ہیں مگر یہ لوگ ہمارے نبی پر یقین نہیں رکھتے۔" اس کی امی نے کہا۔

"کیوں.....؟"

"اب اس کیوں کا میں کیا جواب دے سکتی ہوں۔ بس یہ لوگ یقین نہیں رکھتے۔ کٹر ہیں بڑے، یہ تو انہیں قیامت کے دن ہی پتا چلے گا کہ کون سیدھے رستے پر تھا۔ ہم یا یہ۔"

"مگر امی! مجھ سے تو انہوں نے کبھی مذہب پر بات نہیں کی۔ پھر مذہب مسئلہ کیسے بن گیا..... اس سے کیا فرق پڑتا ہے پھر دوسرے کے گھر آنے جانے سے کیا ہوتا ہے۔" امامہ ابھی بھی اُلجھی ہوئی تھی۔

"یہ بات انہیں کون سمجھائے۔ یہ لوگ ہمیں جھوٹا کہتے ہیں، حالانکہ خود انہیں ہمارے بارے میں کچھ پتا نہیں۔ بس مولویوں کے کہنے میں آکر ہم پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ انہیں ہمارے بارے میں اور ہمارے نبی کی تعلیمات کے بارے میں کچھ پتا ہو تو یہ لوگ اس طرح نہ کریں۔ شاید پھر انہیں کچھ شعور آجائے... اور یہ لوگ بھی ہماری طرح راہ ہدایت پر آجائیں۔ تمہاری فرینڈز اگر تمہارے گھر نہیں آتیں تو تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم بھی ان کے گھر مت جایا کرو۔"

"مگر امی! ان کی غلط فہمیاں تو دور ہونا چاہئیں میرے بارے میں۔" امامہ نے ایک بار پھر کہا۔

"یہ کام تم نہیں کر سکتیں۔ ان لوگوں کے ماں باپ مسلسل اپنے بچوں کی ہمارے خلاف برین واشنگ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے دلوں میں ہمارے خلاف زہر بھرتے رہتے ہیں۔"

"نہیں امی! وہ میری بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ان کو میرے بارے میں اس طرح نہیں سوچنا چاہئے۔ میں ان لوگوں کو اپنی کتابیں پڑھنے کے لئے دوں گی، تاکہ ان کے دل سے میرے بارے میں یہ غلط فہمیاں دور ہو سکیں، پھر ہو سکتا ہے یہ ہمارے نبی کو بھی مان جائیں۔" امامہ نے کہا۔ اس کی امی کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔

"آپ کو میری تجویز پسند نہیں آئی؟"

"ایسا نہیں ہے... تم ضرور انہیں اپنی کتابیں دو مگر اس طریقے سے نہیں کہ انہیں یہ لگے کہ

تم اپنے فرقہ کی ترویج کے لئے انہیں یہ کتابیں دے رہی ہو۔ تم انہیں یہ کہہ کر کتابیں دینا کہ تم چاہتی ہو وہ ہمارے بارے میں جانیں۔ ہم کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکیں اور ان سے یہ بھی کہنا کہ ان کتابوں کا ذکر وہ اپنے گھر والوں سے نہ کریں ـــــ ورنہ وہ لوگ زیادہ ناراض ہو جائیں گے۔" امامہ نے ان کی بات پر سر ہلا دیا۔

☆ ...... ☆ ...... ☆

اس کے چند دنوں بعد امامہ اسکول میں کچھ کتابیں لے گئی تھی۔ بریک کے دوران وہ جب گراؤنڈ میں آکر بیٹھیں تو امامہ اپنے ساتھ وہ کتابیں بھی لے آئی۔

"میں تمہارے اور جویریہ کے لئے کچھ لے کر آئی ہوں۔"

"کیا لائی ہو دکھاؤ؟" امامہ نے شاپر سے وہ کتابیں نکال لیں اور انہیں دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ان دونوں کی طرف بڑھا دیا۔ وہ دونوں ان کتابوں پر ایک نظر ڈالتے ہی کچھ چپ سی ہو گئیں۔ جویریہ نے امامہ سے کچھ نہیں کہا مگر تحریم یک دم کچھ اکھڑ گئی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے سرد مہری سے پوچھا۔

"یہ کتابیں میں تمہارے لئے لائی ہوں۔" امامہ نے کہا۔

"کیوں ؟"

"تاکہ تم لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔"

"کس طرح کی غلط فہمیاں؟"

"وہی غلط فہمیاں جو تمہارے دل میں ہمارے مذہب کے بارے میں ہیں۔" امامہ نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا کہ ہمیں تمہارے مذہب یا تمہارے نبی کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں؟" تحریم نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں خود اندازہ کر سکتی ہوں۔ صرف اسی وجہ سے تو تم لوگ ہمارے گھر نہیں آتے۔ تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں یا ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے یا ہم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر نہیں مانتے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم لوگ ان سب چیزوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمارا بھی ایک نبی ہے اور وہ بھی اسی طرح قابلِ احترام ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔" امامہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

تحریم نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں اسے واپس تھما دیں۔ "ہمیں تمہارے اور تمہارے مذہب کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے ... ہم تمہارے مذہب کے بارے میں ضرورت سے زیادہ

جانتے ہیں۔ اس لئے تم کو کوئی وضاحت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بڑے روکھے لہجے میں امامہ سے کہا۔ "اور جہاں تک ان کتابوں کا تعلق ہے تو میرے اور جویریہ کے پاس اتنا بے کار وقت نہیں ہے کہ ان احمقانہ دعووں، خوش فہمیوں اور گمراہی کے اس پلندے پر ضائع کریں جسے تم اپنی کتابیں کہہ رہی ہو۔" تحریم نے ایک جھٹکے کے ساتھ رابعہ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں کھینچ کر انہیں بھی امامہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ امامہ کا چہرہ خفت اور شرمندگی سے سرخ پڑ گیا۔ اسے تحریم سے اس طرح کے تبصرے کی توقع نہیں تھی اگر ہوتی تو وہ کبھی اسے وہ کتابیں دینے کی حماقت ہی نہ کرتی۔

"اور جہاں تک اس احترام کا تعلق ہے تو اس نبی میں جس پر نبوت کا نزول ہوتا ہے اور اس نبی میں جو خود بخود نبی ہونے کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو اگر قرآن پر واقعی یقین ہوتا تو تمہیں اس کے ایک ایک حرف پر یقین ہوتا۔ نبی ہونے میں اور نبی بننے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"تحریم! تم میری اور میرے فرقہ کی بے عزتی کر رہی ہو۔" امامہ نے آنکھوں میں امڈتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ کہا۔

"میں کسی کی بے عزتی نہیں کر رہی۔ میں صرف حقیقت بیان کر رہی ہوں، وہ اگر تمہیں بے عزتی لگتی ہے تو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔" تحریم نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"روزہ رکھنے میں اور بھوکے رہنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ قرآن پڑھنے اور اس پر ایمان لانے میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ بہت سارے عیسائی اور ہندو بھی اسلام کے بارے میں جاننے کے لئے قرآن پاک پڑھتے ہیں تو کیا انہیں مسلمان مان لیا جاتا ہے اور بہت سے مسلمان بھی دوسرے مذہب کے بارے میں جاننے کے لئے دوسری الہامی کتابیں پڑھتے ہیں تو کیا وہ غیر مسلم ہو جاتے ہیں اور تم لوگ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر مانتے ہو تو کوئی احسان نہیں کرتے۔ تم ان کی نبوت کو جھٹلاؤ گے تو اور کیا کیا جھٹلاؤ گے، پھر تو انجیل کو بھی جھٹلانا پڑے گا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خوش خبری دی گئی ہے، پھر تو توریت کو بھی جھٹلانا پڑے گا جس میں ان کی نبوت کی بات کی گئی ہے، پھر قرآن پاک کو بھی جھٹلانا پڑے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی قرار دیتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر تمہارا نبی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو جھٹلاتا تو وہ ان مناظروں کی کیا توجیہہ پیش کرتا جو وہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے کئی سال عیسائی پادریوں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور اسلام کے آخری دین ہونے پر کرتا رہا تھا۔ اس لئے امامہ ہاشم! تم ان چیزوں کے بارے میں بحث کرنے کی کوشش مت کرو جن کے بارے میں تمہیں سرے سے کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ تمہیں نہ اس مذہب کے بارے میں پتا ہے جس پر تم چل رہی ہو اور نہ اس کے بارے میں جس پر تم بات کر رہی ہو۔"

تحریم نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"اور میں ایک چیز بتادوں تمہیں...... دین میں کوئی جبر نہیں ہوتا تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے حتمی ہونے کا انکار کرتے ہو تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں۔" امامہ نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ہم بھی انجیل پر یقین رکھتے ہیں، اسے الہامی کتاب مانتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں تو کیا ہم کرسچن ہیں......؟ اور ہم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت پر بھی یقین رکھتے ہیں تو کیا پھر ہم یہودی ہیں؟" تحریم نے کچھ تمسخر سے کہا "لیکن ہمارا دین اسلام ہے، کیونکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہیں اور ہم ان پیغمبروں پر یقین رکھنے کے باوجود نہ عیسائیت کا حصہ ہیں نہ یہودیت کا، بالکل اسی طرح تم لوگوں کا نبی ہے کیونکہ تم اس کے پیروکار ہو۔ ویسے تم لوگ تو ہمیں بھی مسلمان نہیں سمجھتے۔ ابھی تم اصرار کر رہی ہو کہ تم اسلام کا ایک فرقہ ہو...... جب کہ تمہارے نبی اور اس کے بعد آنے والے تمہاری جماعت کے تمام لیڈرز کا دعویٰ ہے کہ جو مرزا کی نبوت پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان ہی نہیں ہے تو اسلام سے تو تم لوگ تمام مسلمانوں کو پہلے ہی خارج کر چکے ہو"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں نے ایسا کب کہا ہے؟" امامہ نے قدرے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر تم اپنے والد صاحب سے ذرا اس معاملے کو ڈسکس کرنا...... وہ تمہیں خاصی اپ ٹو ڈیٹ انفارمیشن دیں گے اس بارے میں تمہارے مذہب کے خاصے سرکردہ رہنما ہیں وہ......" تحریم نے کہا "اور یہ جو کتابیں تم ہمیں پیش کر رہی ہو...... انہیں خود پڑھا ہے تم نے ...... نہیں پڑھا ہوگا ورنہ تمہیں پتا ہوتا ان سرکردہ رہنماؤں کے بارے میں۔"

جویریہ تحریم کی اس ساری گفتگو کے دوران خاموش رہی تھی، وہ صرف کن انکھیوں سے امامہ کو دیکھتی رہی تھی۔ "اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے آخری نبی ہیں اور میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے آخری نبی ہیں اور میری کتاب مجھ تک یہ دونوں باتیں بہت صاف واضح اور دوٹوک انداز میں پہنچا دیتی ہے تو پھر مجھے کسی اور شخص کے ثبوت اور اعلان کی ضرورت نہیں ہے...... سمجھیں۔"

تحریم نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہے تم اپنے مذہب کو یا میرے مذہب کو زیر بحث لانے کی کوشش نہ کرو۔ اتنے سالوں سے

دوستی چل رہی ہے، چلنے دو......"

"جہاں تک تمہارے گھر نہ آنے کا تعلق ہے تو ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میرے والدین کو تمہارے گھر آنا پسند نہیں ہے۔ یہاں اسکول میں تم سے دوستی اور بات ہے۔ بہت سے لوگوں سے دوستی ہوتی ہے ہماری اور دوستی میں عام طور پر مذہب آڑے نہیں آتا لیکن گھر میں آنا جانا...... کچھ مختلف چیز ہے ...... انہیں شاید میری کسی عیسائی یا یہودی یا ہندو دوست کے گھر جانے پر اعتراض نہ ہو لیکن تمہارے گھر جانے پر ہے ...... کیونکہ وہ لوگ اپنے مذہب کو مانتے ہیں وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے جس مذہب سے تعلق ہوتا ہے وہی بتاتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جتنا تم لوگوں کو ناپسند کیا جاتا ہے اتنا ان لوگوں کو نہیں کیا جاتا کیونکہ تم لوگ صرف پیسے کے حصول اور اچھے مستقبل کے لئے یہ نیا مذہب اختیار کر کے ہمارے دین میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہو، مگر کرسچن، ہندو یا یہودی ایسا نہیں کرتے۔"

امامہ نے بے اختیار اسے ٹوکا۔ "کس پیسے کی بات کر رہی ہو تم ؟ تم ہماری فیملی کو جانتی ہو...... ہم لوگ شروع سے ہی بہت امیر ہیں۔ ہمیں کون سا روپیہ مل رہا ہے اس مذہب پر رہنے کے لئے۔"

"ہاں تم لوگ اب بڑے خوشحال ہو، مگر شروع سے تو ایسے نہیں تھے۔ تمہارے دادا مسلمان مگر غریب آدمی تھے۔ وہ کاشت کاری کیا کرتے تھے اور ایک چھوٹے سے کاشت کار تھے۔ ربوہ سے کچھ فاصلے پر ان کی تھوڑی بہت زمین تھی پھر تمہارے تایا نے اپنے کسی دوست کے توسط سے وہاں جانا شروع کر دیا اور یہ مذہب اختیار کر لیا اور بے تحاشا امیر ہو گئے کیونکہ انہیں وہاں سے بہت زیادہ پیسہ ملا پھر آہستہ آہستہ تمہارے والد اور تمہارے چچا نے بھی اپنا مذہب بدل لیا پھر تم لوگوں کا خاندان اس ملک کے متمول ترین خاندانوں میں شمار ہونے لگا اور یہ کام کرنے والے تم لوگ واحد نہیں ہو زیادہ تر اسی طریقے سے لوگوں کو اس مذہب کا پیروکار بنایا جا رہا ہے۔"

امامہ نے کچھ بھڑکتے ہوئے اس کی بات کو کاٹا "تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"تمہیں یقین نہیں آ رہا تو تم اپنے گھر والوں سے پوچھ لینا کہ اس قدر دولت کس طرح آئی ان کے پاس ...... اور ابھی بھی کس طرح آ رہی ہے۔ تمہارے والد اس مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں ڈالرز آتے ہیں، انہیں غیر ملکی مشنز اور این جی اوز سے ......" تحریم نے کچھ تحقیر آمیز انداز میں کہا۔

"یہ جھوٹ ہے، سفید جھوٹ۔" امامہ نے بے اختیار کہا۔ "میرے بابا کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیتے۔ وہ اگر اس فرقہ کے لئے کام کرتے ہیں، تو غلط کیا ہے۔ کیا دوسرے فرقوں کے لئے کام نہیں کیا جاتا۔ دوسرے فرقوں کے بھی تو علماء ہوتے ہیں یا ایسے لوگ جو انہیں سپورٹ کرتے ہیں۔"

"دوسرے فرقوں کو یورپی مشنز سے روپیہ نہیں ملتا۔"

"میرے بابا کو کہیں سے کچھ نہیں ملتا۔" امامہ نے ایک بار پھر کہا۔ تحریم نے اس کی بات کے

جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

امامہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر گردن موڑ کر اپنے پاس بیٹھی جویریہ کی طرف دیکھا۔

"کیا تم بھی میرے بارے میں ایسا ہی سوچتی ہو؟"

"تحریم نے غصہ میں آکر تم سے یہ سب کچھ کہا ہے۔ تم اس کی باتوں کا برا مت مانو۔" جویریہ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"تم ان سب باتوں کو چھوڑو..... آؤ کلاس میں چلتے ہیں، بریک ختم ہونے والی ہے۔" جویریہ نے کہا تو وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

☆..... ☆..... ☆

اس دن وہ واپس گھر آکر اپنے کمرے میں بند ہو کر روتی رہی۔ تحریم کی باتوں نے اسے واقعی بہت دل برداشتہ اور مایوس کیا تھا۔

ہاشم مبین احمد اس دن شام کو ہی آفس سے گھر واپس آگئے تھے۔ واپس آنے پر انہیں سلمٰی سے پتا چلا کہ امامہ کی طبیعت خراب ہے۔ وہ اس کا حال احوال پوچھنے اس کے کمرے میں چلے آئے۔ امامہ کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ ہاشم مبین حیران رہ گئے۔

"کیا بات ہے امامہ؟" انہوں نے امامہ کے قریب آکر پوچھا۔

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور کچھ بہانہ کرنے کے بجائے بے اختیار رونے لگی۔ ہاشم کچھ پریشان ہو کر اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا — امامہ؟"

"تحریم نے آج اسکول میں مجھ سے بہت بدتمیزی کی ہے۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

ہاشم مبین نے بے اختیار ایک اطمینان بھری سانس لی۔ "پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے تم لوگوں میں؟"

"بابا! آپ کو نہیں پتا اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟" امامہ نے باپ کو مطمئن ہوتے دیکھ کر کہا۔

"بابا! اس نے......" وہ باپ کو تحریم کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو بتاتی گئی۔ ہاشم مبین کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔

"تم سے کس نے کہا تھا۔ تم اسکول کتابیں لے کر جاؤ، انہیں پڑھانے کے لئے؟" انہوں نے امامہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میں ان کی غلط فہمیاں دور کرنا چاہتی تھی۔" امامہ نے قدرے کمزور لہجے میں کہا۔

"تمہیں ضرورت ہی کیا تھی کسی کی غلط فہمیاں دور کرنے کی۔ وہ ہمارے گھر نہیں آتیں تو نہ آئیں۔ ہمیں برا سمجھتی ہیں تو سمجھتی رہیں، ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" ہاشم مبین نے اسے سمجھاتے

ہوئے کہا۔

"مگر اب تمہاری اس حرکت سے پتا نہیں وہ کیا سمجھے گی۔ کس کس کو بتائے گی کہ تم نے اسے وہ کتابیں دینے کی کوشش کی۔ خود اس کے گھر والے بھی ناراض ہوں گے۔ امامہ ہر ایک کو یہ بتاتے نہیں پھرتے کہ تم کیا ہو۔ نہ ہی اپنے فرقہ کے بارے میں بحث کرتے ہیں اگر کوئی بحث کرنے کی کوشش بھی کرے تو ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں ورنہ لوگ خوامخواہ فضول طرح کی باتیں کرتے ہیں اور فضول طرح کے شبہات میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔" انہوں نے سمجھایا۔

"مگر بابا! آپ بھی تو بہت سارے لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں؟" امامہ نے کچھ اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "پھر مجھے کیوں منع کر رہے ہیں؟"

"میری بات اور ہے میں صرف ان ہی لوگوں سے مذہب کی بات کرتا ہوں جن سے میری بہت بے تکلفی ہو چکی ہوتی ہے اور جن کے بارے میں مجھے یہ محسوس ہو کہ ان پر میری ترغیب اور تبلیغ کا اثر ہو سکتا ہے۔ میں دو چار دن کی ملاقات میں کسی کو کتابیں بانٹنا شروع نہیں ہو جاتا۔" ہاشم مبین نے کہا۔

"بابا ان سے میری دوستی دو چار دن کی نہیں ہے۔ ہم کئی سالوں سے دوست ہیں۔" امامہ کو اعتراض ہوا۔

"ہاں مگر وہ دونوں سید ہیں اور دونوں کے گھرانے بہت مذہبی ہیں۔ تمہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے تھی۔"

"میں نے تو صرف انہیں اپنے فرقے کے بارے میں بتانے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ ہمیں غیر مسلم تو نہ سمجھیں۔" امامہ نے کہا۔

"اگر وہ ہمیں غیر مسلم سمجھتے ہیں تو بھی ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ خود غیر مسلم ہیں۔" ہاشم مبین نے بڑی عقیدت سے کہا۔ "وہ تو خود گمراہی کے راستے پر ہیں۔"

"بابا! وہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو غیر ملکی مشنز سے روپیہ ملتا ہے۔ این جی اوز سے روپیہ ملتا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ہمارے فرقہ کا پیروکار بنائیں۔"

ہاشم مبین نے تنفر سے گردن کو جھٹکا۔ "مجھے صرف اپنی جماعت سے روپیہ ملتا ہے اور وہ بھی وہ روپیہ ہوتا ہے جو ہماری اپنی کمیونٹی، اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اکٹھا کرتی ہے۔ ہمارے پاس اپنے روپے کی کیا کمی ہے۔ ہماری اپنی فیکٹریز نہیں ہیں کیا اور اگر مجھے غیر ملکی مشنز اور این جی اوز سے روپیہ ملے بھی تو میں بڑی خوشی سے لوں گا، آخر اس میں برائی کیا ہے۔ دین کی خدمت کر رہا ہوں اور جہاں تک اپنے مذہب کی ترویج و تبلیغ کی بات ہے تو اس میں بھی کیا برائی ہے۔ اگر اس ملک میں عیسائیت کی تبلیغ ہو سکتی ہے تو ہمارے فرقے کی کیوں نہیں۔ ہم تو ویسے بھی اسلام کا ایک فرقہ ہیں۔ لوگوں کو راہِ ہدایت پر

لانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔" ہاشم مبین نے بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا۔

"مگر تم لوگوں سے اس معاملے پر بات مت کیا کرو۔ اس بحث مباحثے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ابھی ہم لوگ اقلیت میں ہیں جب اکثریت میں ہو جائیں گے تو پھر اس طرح کے لوگ اتنی بے خوفی کے ساتھ اس طرح بڑھ بڑھ کر بات نہیں کر سکیں گے پھر وہ اس طرح ہماری تذلیل کرتے ہوئے ڈریں گے مگر فی الحال ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہئے۔"

"بابا! آئین میں ہمیں اقلیت اور غیر مسلم کیوں قرار دیا گیا ہے۔ جب ہم اسلام کا ایک فرقہ ہیں تو پھر انہوں نے ہمیں غیر مسلم کیوں ٹھہرایا ہے؟" امامہ کو تحریم کی کہی ہوئی ایک اور بات یاد آئی۔

"یہ سب مولویوں کی کارستانی تھی۔ اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وہ سب ہمارے خلاف اکٹھے ہو گئے تھے۔ ہماری تعداد بھی زیادہ ہو جائے گی تو ہم بھی اپنی مرضی کے قوانین بنوائیں گے اور اس طرح کی تمام ترمیمات کو آئین میں سے ہٹا دیں گے۔" ہاشم مبین نے پرجوش انداز میں کہا۔ "اور تمہیں اس طرح بے وقوفوں کی طرح کمرے میں بند ہو کر رونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ہاشم مبین نے اس کے پاس سے اُٹھتے ہوئے کہا، امامہ انہیں وہاں سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

تحریم کے ساتھ وہ اس کی دوستی کا آخری دن تھا اور اس میں تحریم سے زیادہ خود اس کا رویہ وجہ تھا۔ وہ تحریم کی باتوں سے اس حد تک دل برداشتہ ہوئی تھی کہ اب تحریم کے ساتھ دوبارہ پہلے سے تعلقات قائم رکھنا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ خود تحریم نے بھی اس کی اس خاموشی کو پہلا تکنے یا توڑنے کی کوشش نہیں کی۔

ہاشم مبین احمد احمدی جماعت کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ان کے بڑے بھائی اعظم مبین احمد بھی جماعت کے اہم رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ان کے پورے خاندان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی تمام افراد بہت سال پہلے اس وقت قادیانیت اختیار کر گئے تھے جب اعظم مبین احمد نے اس کام کا آغاز کیا تھا جن لوگوں نے قادیانیت اختیار نہیں کی تھی وہ باقی لوگوں سے قطع تعلق کر چکے تھے۔

اپنے بڑے بھائی اعظم مبین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہاشم مبین نے بھی یہ مذہب اختیار کر لیا۔ اعظم مبین ہی کی طرح انہوں نے اپنے مذہب کے فروغ اور تبلیغ کے لئے کام کرنا بھی شروع کر دیا۔ دس پندرہ سالوں میں وہ دونوں بھائی اس تحریک کے سرکردہ رہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔ اس کی وجہ سے انہوں نے بے تحاشا پیسہ کمایا اور اس پیسے سے انہوں نے سرمایہ کاری بھی کی مگر ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تحریک کی تبلیغ کے لئے میسر ہونے والے فنڈز ہی تھے۔ ان کا شمار اسلام آباد کی ایلیٹ کلاس میں ہوتا تھا۔ بے تحاشا دولت ہونے کے باوجود ہاشم اور اعظم مبین کے گھر کا ماحول روایتی تھا۔ ان کی خواتین باقاعدہ پردہ کیا کرتی تھیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان خواتین پر ناروا پابندیاں یا کسی قسم کا جبر روا رکھا گیا

تھا۔ اس مذہب کی خواتین میں تعلیم کا تناسب پاکستان میں کسی بھی مذہب کے مقابلے میں ہمیشہ ہی زیادہ رہا ہے۔ ان لوگوں نے اعلیٰ تعلیم بھی معروف اداروں سے حاصل کی۔

امامہ بھی اسی قسم کے ماحول میں پلی بڑھی تھی۔ وہ یقیناً ان لوگوں میں سے تھی جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور اس نے ہاشم مبین کو کبھی کسی قسم کے مالی مسائل سے گزرتے نہیں دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے لئے تحریم کی یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ اس کے خاندان نے پیسہ حاصل کرنے کے لئے یہ مذہب اختیار کیا۔ غیر ملکی مشنز اور بیرونِ ملک سے ملنے والے فنڈز کا الزام بھی اس کے لئے ناقابل قبول تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ ایک ایسی کلاس سے تعلق رکھتی ہے جس کا لمبا چوڑا کاروبار تھا اور اگرچہ وہ یہ بات بھی جانتی تھی کہ ہاشم مبین اس مذہب کی تبلیغ اور ترویج کرتے ہیں اور تحریک کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک ہیں مگر یہ کوئی خلاف معمول بات نہیں تھی۔ وہ شروع سے ہی اس سلسلے میں اپنے تایا اور والد کی سرگرمیوں کو دیکھتی آ رہی تھی۔ اس کے نزدیک یہ ایک ایسا کام تھا جو وہ "اسلام" کی تبلیغ و ترویج کے لئے کر رہے تھے۔

اپنے گھر والوں کے ساتھ وہ کئی بار مذہبی اجتماع میں بھی جا چکی تھی اور سرکردہ رہنماؤں کے لندن سے سیٹلائٹ کے ذریعے ہونے والے خطبات کو بھی باقاعدگی سے سنتی اور دیکھتی آ رہی تھی۔ تحریم کے ساتھ ہونے والے جھگڑے سے پہلے کبھی اس نے اپنے مذہب کے بارے میں غور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے لئے اپنا فرقہ ایسا ہی تھا، جیسے اسلام کا کوئی دوسرا فرقہ..... اس کی برین واشنگ بھی اسی طرح کی گئی تھی کہ وہ سمجھتی تھی کہ صرف وہی سیدھے راستے پر تھے بلکہ وہی جنت میں جائیں گے۔

اگرچہ گھر میں بہت شروع میں ہی اسے باقی بہن بھائیوں کے ساتھ یہ نصیحت کر دی گئی تھی کہ وہ بلاوجہ لوگوں کو یہ نہ بتائیں کہ وہ دراصل کیا ہیں۔ اسکول میں تعلیم کے دوران ہی وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ ۱۹۷۴ء میں انہیں پارلیمنٹ نے ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تھا وہ سمجھتی تھی کہ یہ مذہبی دباؤ میں آ کر کیا جانے والا ایک سیاسی فیصلہ ہے، مگر تحریم کے ساتھ ہونے والے جھگڑے نے اسے اپنے مذہب کے بارے میں غور کرنے اور سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تحریم سے ہونے والے جھگڑے کے بعد ایک تبدیلی جو اس میں آئی وہ اپنے مذہب کا مطالعہ تھا۔ تبلیغی مواد کے علاوہ اور ان کتابوں کے علاوہ جنہیں اس مذہب کے ماننے والے مقدس سمجھتے تھے اس نے اور بھی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور بنیادی طور پر اسی زمانے میں اس کی اُلجھنوں کا آغاز ہوا مگر کچھ عرصہ مطالعہ کے بعد اس نے ایک بار پھر ان اُلجھنوں اور اضطراب کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ میٹرک کے فوراً بعد اسجد سے اس کی منگنی ہو گئی وہ اعظم مبین کا بیٹا تھا۔ یہ اگرچہ کوئی محبت کی منگنی نہیں تھی مگر اس کے باوجود امامہ اور اسجد کی پسند اس رشتہ کا باعث بنی تھی۔ نسبت طے ہونے کے بعد

احمد کے لئے امامہ کے دل میں خاص جگہ بن گئی تھی۔

اپنی پسند کے شخص سے نسبت کے بعد اس کا دوسرا ٹارگٹ میڈیکل میں ایڈمیشن تھا اور اسے اس کے بارے میں زیادہ فکر نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے باپ کی پہنچ اتنی ہے کہ اگر وہ میرٹ پر نہ بھی ہوئی تب بھی وہ اسے میڈیکل کالج میں داخل کروا سکتے تھے اور اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو بھی وہ بیرون ملک جا کر میڈیکل کی تعلیم حاصل کر سکتی تھی۔

☆......☆......☆

"تم پچھلے کچھ دنوں سے بہت پریشان ہو، کوئی پرابلم ہے؟" وسیم نے اس رات امامہ سے پوچھا۔ وہ پچھلے کچھ دن سے بہت زیادہ خاموش اور اُلجھی اُلجھی نظر آ رہی تھی۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ تمہارا وہم ہے۔" امامہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"خیر وہم تو نہیں، کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ تم بتانا نہیں چاہتیں تو اور بات ہے۔" وسیم نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ وہ امامہ کے ڈبل بیڈ پر اس سے کچھ فاصلے پر لیٹا ہوا تھا اور وہ اپنی فائل میں رکھے نوٹس اُلٹ پلٹ رہی تھی۔ وسیم کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر اس نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

"میں نے ٹھیک کہا نا، تم بتانا نہیں چاہتیں؟"

"ہاں، میں فی الحال بتانا نہیں چاہتی۔" امامہ نے ایک گہرا سانس لے کر اعتراف کیا۔

"بتا دو، ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کر سکوں۔" وسیم نے اسے اکسایا۔

"وسیم! میں خود تمہیں بتا دوں گی مگر فی الحال نہیں اور اگر مجھے مدد کی ضرورت ہو گی تو میں خود تم سے کہوں گی۔" اس نے اپنی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی، میں تو صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا۔" وہ بیڈ سے اٹھ گیا۔

وسیم کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ وہ واقعی جویریہ کے ساتھ اس دن ہونے والے جھگڑے کے بعد سے پریشان تھی۔ اگرچہ جویریہ نے اگلے دن اس سے معذرت کر لی تھی مگر اس کی اُلجھن اور اضطراب میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ جویریہ کی باتوں نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔ ایک ڈیڑھ سال پہلے تحریم کے ساتھ ہونے والا جھگڑا اسے ایک بار پھر یاد آنے لگا تھا اور اس کے ساتھ ہی اپنے مذہب کے بارے میں اُبھرنے والے سوالات اور اُلجھنیں بھی جو اس نے اپنے مذہب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد اپنے ذہن میں محسوس کی تھیں۔ جویریہ نے کہا تھا "میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کاش تم مسلمان ہوتیں۔"

"مسلمان ہوتی؟" وہ عجیب سی بے یقینی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ "کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میری بہترین دوست بھی مجھے مسلمان نہیں مانتی؟ کیا یہ سب کچھ صرف اس پروپیگنڈہ کی وجہ سے ہے جو ہمارے

بارے میں کیا جاتا ہے؟ آخر ہمارے ہی بارے میں یہ سب کچھ کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا ہم لوگ واقعی کوئی غلط کام کر رہے ہیں؟ کسی غلط عقیدے کو اختیار کر بیٹھے ہیں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے، آخر میرے گھر والے ایسا کیوں کریں گے اور پھر ہماری ساری کمیونٹی ایسا کیوں کرے گی؟ اور شاید یہ ان سوالوں سے نجات پانے کی ایک کوشش تھی کہ ایک ہفتے کے بعد اس نے ایک بہت بڑے عالم دین کی قرآن پاک کی تفسیر خریدی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ ان کے بارے میں دوسرے فریق کا مؤقف کیا تھا۔ قرآن پاک کا ترجمہ وہ اس سے پہلے بھی پڑھتی رہی تھی مگر وہ تحریف شدہ حالت میں تھا۔ اسے اس سے پہلے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ، جو قرآن وہ پڑھتے ہیں اس میں کچھ جگہوں پر کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں مگر اس مشہور عالم دین کی تفسیر پڑھنے کے دوران اسے ان تبدیلیوں کے بارے میں معلوم ہو گیا جو ان کے اپنے قرآن میں موجود تھیں۔ اس نے یکے بعد دیگرے مختلف فرقوں کے اداروں سے شائع ہونے والے قرآن پاک کے نسخوں کو دیکھا۔ ان میں سے کسی میں بھی وہ تبدیلیاں نہیں تھیں جو خود ان کے قرآن میں موجود تھیں جبکہ مختلف فرقوں کی تفاسیر میں بہت زیادہ فرق تھا جوں جوں وہ اپنے مذہب اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کر رہی تھی اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر تفسیر میں آخری نبی حضور پیغمبر اسلام ﷺ کو ہی ٹھہرایا گیا تھا۔ کہیں بھی کسی ظلی یا اُمتی نبی کا کوئی ڈھکا چھپا اشارہ بھی موجود نہیں تھا۔ مسیح موعود کی حقیقت بھی اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اپنے مذہبی رہنما کی جھوٹی پیش گوئیوں میں اور حقیقت میں ہونے والے واقعات کا تضاد اسے اور بھی زیادہ چبھنے لگا تھا۔ اس کے مذہبی رہنما نے نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے جن پیغمبر کے بارے میں سب سے زیادہ غیر مہذب زبان استعمال کی تھی وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے اور بعد میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے سے پہلے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا حلول اس کے اندر ہو گیا ہے اور اگر اس دعوے کی سچائی کو مان بھی لیا جاتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے دوبارہ نزول کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے اور پھر جب ان کا انتقال ہوا تو، اسلام پوری دنیا پر غلبہ پا چکا ہوتا مگر ان رہنما کی وفات کے وقت دنیا میں اسلام کا غلبہ تو ایک طرف، خود ہندوستان میں مسلمان آزادی جیسی نعمت کے لئے ترس رہے تھے۔ امامہ کو اپنے مذہبی رہنما کے گفتگو کے اس انداز پر بھی تعجب ہوتا جو اس نے اپنی مختلف کتابوں میں اپنے مخالفین یا دوسرے انبیائے کرام کے لئے اختیار کیا تھا۔ کیا کوئی نبی اس طرح کی زبان استعمال کر سکتا تھا جس طرح کی اس نبوت کے دعویٰ کرنے والے نے کی تھی۔

بہت غیر محسوس انداز میں اس کا دل اپنے مذہبی لٹریچر اور مقدس کتابوں سے اچاٹ ہونے لگا تھا۔ پہلے جیسا اعتقاد اور یقین تو ایک طرف اسے سرے سے ان کی صداقت پر شبہ ہونے لگا تھا۔ اس نے جویریہ سے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ اب اپنے مذہب سے ہٹ کر دوسری کتابوں کو پڑھنے لگی تھی۔ اس کے گھر میں بھی کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کس قسم کی کتابیں گھر لا کر پڑھ رہی تھی۔ اس نے انہیں اپنے

کمرے میں بہت حفاظت سے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ صرف ایک دن ایسا ہوا کہ وسیم اس کے کمرے میں آ کر اس کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ڈھونڈنے لگا۔ وسیم کے ہاتھ سب سے پہلے قرآن پاک کی وہی تفسیر لگی تھی اور وہ جیسے دم بخود رہ گیا تھا۔

"یہ کیا ہے امامہ؟" اس نے مڑ کر تعجب سے پوچھا۔ امامہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔

"یہ ...... یہ ...... یہ قرآن پاک کی تفسیر ہے۔" اس نے یک دم اپنی زبان میں ہونے والی لڑکھڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں مگر یہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ کیا تم اسے خرید کر لائی ہو؟" وسیم نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں، میں اسے خرید کر لائی ہوں، مگر تم اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

"بابا کو پتہ چلے گا تو وہ کتنا غصہ کریں گے، تمہیں اندازہ ہے؟"

"ہاں، مجھے اندازہ ہے، مگر مجھے یہ کوئی اتنی قابلِ اعتراض بات نظر نہیں آتی۔"

"آخر تمہیں اس کتاب کی ضرورت کیوں پڑی؟" وسیم نے کتاب وہیں رکھ دی۔

"کیونکہ میں جاننا چاہتی ہوں کہ دوسرے عقائد کے لوگ آخر قرآن پاک کی کیا تفسیر کر رہے ہیں۔ ہمارے بارے میں، قرآن کے حوالے سے ان کا نقطۂ نظر کیا ہے۔" امامہ نے سنجیدگی سے کہا۔

وسیم پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟"

"میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔" امامہ نے پرسکون انداز میں کہا۔ "کیا برائی ہے، اگر میں دوسرے مذاہب کے بارے میں جانوں اور ان کے قرآن پاک کی تفسیر پڑھوں۔"

"ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وسیم نے ناراضی سے کہا۔

"تمہیں ضرورت نہیں ہو گی، مجھے ضرورت ہے۔" امامہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "میں آنکھیں بند کر کے کسی بھی چیز پر یقین کی قائل نہیں ہوں۔" اس نے واضح الفاظ میں کہا۔

"تو یہ تفسیر پڑھ کر تمہارے شبہات دور ہو گئے ہیں؟" وسیم نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

امامہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "پہلے مجھے اپنے اعتقاد کے بارے میں شبہ نہیں تھا، اب ہے۔"

وسیم اس کی بات پر بھڑک اٹھا۔ "دیکھا، اس طرح کی کتابیں پڑھنے سے یہی ہوتا ہے۔ میں اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں کہ تمہیں اس طرح کی کتابیں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے لئے ہماری اپنی کتابیں کافی ہیں۔"

"میں نے اتنی تفاسیر دیکھی ہیں، قرآن پاک کے اتنے ترجمے دیکھے ہیں، حیرانی کی بات ہے وسیم! کہیں بھی ہمارے نبی کا ذکر نہیں ہے، ہر تفسیر میں احمد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی لیا جاتا ہے، ہمارے نبی کو نہیں اور اگر کہیں ہمارے نبی کا ذکر ہے بھی تو نبوت کے ایک جھوٹے دعوے دار کے طور پر۔" امامہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ ہمارے نبی کی نبوت کو مان لیں گے تو ہمارا اور ان کا تو اختلاف ہی ختم ہو جائے گا۔ یہ کبھی بھی اپنی تفاسیر میں سچ نہیں شائع کریں گے۔" وسیم نے تلخی سے کہا۔

"اور جو ہماری تفسیر ہے، کیا ہم نے سچ لکھا ہے اس میں۔"

"کیا مطلب؟" وسیم ٹھٹکا۔

"ہمارے نبی دوسرے پیغمبروں کے بارے میں غلط زبان کیوں استعمال کرتے ہیں؟"

"وہ ان لوگوں کے بارے میں ایسی بات کرتے ہیں جو ان پر ایمان نہیں لاتے۔" وسیم نے کہا۔

"جو ایمان نہ لائے کیا اسے گالیاں دینی چاہئیں؟"

"ہاں، غصہ کا اظہار تو کسی نہ کسی صورت میں ہوتا ہے۔" وسیم نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"غصے کا اظہار یا بے بسی کا؟" امامہ کے جملے پر وہ بھنویں اچکا کر اسے دیکھنے لگا۔

"جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لوگ ایمان نہیں لائے تو انہوں نے لوگوں کو گالیاں تو نہیں دیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لوگ ایمان نہیں لائے تھے تو انہوں نے بھی کسی کو گالیاں نہیں دیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ان لوگوں کے لئے بھی دعا کی جنہوں نے انہیں پتھر مارے، جو وحی قرآن پاک کی صورت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس میں کوئی گالی نہیں تھی اور جس مجموعے کو ہمارے نبی اپنے اوپر نازل شدہ صحیفہ کہتے ہیں وہ گالیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

"امامہ! ہر انسان کا مزاج دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، ہر انسان الگ طرح سے ری ایکٹ کرتا ہے۔" وسیم نے تیزی سے کہا۔ امامہ نے قائل نہ ہونے والے انداز میں سر ہلایا۔

"میں ہر انسان کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ میں نبی کی بات کر رہی ہوں جو شخص اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ سکتا وہ نبوت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے۔ جس شخص کی زبان سے گالیاں نکلتی ہوں اس کی زبان سے حق و صداقت کی بات نکل سکتی ہے؟ وسیم! مجھے اپنے مذہب اور عقیدے کے بارے میں الجھن سی ہے۔"

وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔ "میں نے اتنی تفاسیر میں اگر کسی امتی نبی کا ذکر پایا ہے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور میں نہیں سمجھتی کہ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا مسیح موعود ہیں۔ نہیں ...... یہ وہ نہیں ہیں، جن کے آنے کے بارے میں قرآن پاک میں ذکر ہے۔" اس بار اس

نے اپنے الفاظ کی خود ہی پر زور تردید کی۔

"تم اب اپنی بکواس بند کر لو تو بہتر ہے۔" وسیم نے ترش لہجے میں کہا۔ "کافی فضول باتیں کر چکی ہو تم۔"

"فضول باتیں؟" امامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "تم کہہ رہے ہو میں فضول باتیں کر رہی ہوں۔ مسجد اقصیٰ اگر ہمارے شہر میں ہے تو پھر جو اتنے سینکڑوں سالوں سے فلسطین میں مسجد اقصیٰ ہے وہ کیا ہے۔ ایک نام کی دو مقدس جگہیں دنیا میں بنا کر خدا تو مسلمانوں کو کنفیوز نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو چھوڑو، یہودی، عیسائی ساری دنیا اسی مسجد کو قبلہ اوّل تسلیم کرتی ہے۔ اگر کوئی نہیں کرتا تو ہم نہیں کرتے، یہ عجیب بات نہیں؟"

"امامہ! میں ان معاملات پر تم سے بحث نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے تم اس مسئلے کو بابا سے ڈسکس کرو۔" وسیم نے اکتا کر کہا۔ "ویسے تم غلطی کر رہی ہو، اس طرح کی فضول بحث شروع کر کے۔ میں بابا کو تمہاری یہ ساری باتیں بتا دوں گا اور یہ بھی کہ تم آج کل کیا پڑھ رہی ہو۔" وسیم نے جاتے جاتے دھمکانے والے انداز میں کہا۔ وہ کچھ سوچ کر الجھے ہوئے انداز میں اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ وسیم کچھ دیر ناراضی کا اظہار کر کے کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ ہاشم مبین سے ڈرتی تھی اور جانتی تھی کہ وسیم ان سے اس بات کا ذکر ضرور کرے گا۔ وہ ان کے ردعمل سے خوفزدہ تھی۔

☆......☆......☆

وسیم نے ہاشم مبین کو امامہ کے ساتھ ہونے والی بحث کے بارے میں بتا دیا تھا مگر اس نے بہت سی ایسی باتوں کو سنسر کر دیا تھا جس پر ہاشم مبین کے بھڑک اٹھنے کا امکان تھا۔ اس کے باوجود ہاشم مبین دم بخود رہ گئے تھے، یوں جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

یہ سب تم سے امامہ نے کہا؟" ایک لمبی خاموشی کے بعد انہوں نے وسیم سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اسے بلا کر لاؤ۔" وسیم کچھ جھجکتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل گیا۔ امامہ کو خود بلا کر لانے کے بجائے اس نے ملازم کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ امامہ اور ہاشم مبین کی گفتگو کے دوران موجود رہنا نہیں چاہتا تھا۔

ہاشم مبین کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئی تو اس وقت ہاشم اور ان کی بیگم بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاشم مبین نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا اس نے اس کے جسم کی لرزش میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔

"بابا...... آپ نے ...... مجھے ...... بلوایا تھا۔" کوشش کے باوجود وہ روانی سے بات نہیں کہہ سکی۔

"ہاں، میں نے بلوایا تھا۔ وسیم سے کیا بکواس کی ہے تم نے؟" ہاشم مبین نے بلاتمہید بلند آواز میں اس سے پوچھا۔ وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ "کیا پوچھ رہا ہوں تم سے؟" وہ ایک بار پھر دھاڑے۔ "شرم سے ڈوب مرنا چاہئے تمہیں، خود گناہ کرتی ہو اور اپنے ساتھ ہمیں بھی گناہ گار بناتی ہو۔" امامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "تمہیں اپنی اولاد کہتے ہوئے مجھے شرم آ رہی ہے۔ کون سی کتابیں لائی ہو تم؟" وہ مشتعل ہو گئے تھے۔ "جہاں سے یہ کتابیں لے کر آئی ہو، کل تک دے آؤ، ورنہ میں انہیں اٹھا کر پھینک دوں گا باہر۔"

"جی بابا!" اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا۔

"اور آج کے بعد اگر تم نے جویریہ کے ساتھ میل جول رکھا تو میں تمہارا کالج جانا ہی بند کر دوں گا۔"

"بابا...... جویریہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ اس کو تو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔" اس بار امامہ نے قدرے مضبوط آواز میں احتجاج کیا۔

"تو پھر اور کون ہے جو تمہارے دماغ میں یہ خناس بھر رہا ہے؟" وہ بری طرح چلائے۔

"میں ...... خود ...... ہی ......" امامہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"ہو گیا تم، اپنی عمر دیکھو اور چلی ہو تم عقیدے جانچنے، اپنے نبی کی نبوت کو پرکھنے۔" ہاشم مبین کا پارہ پھر ہائی ہو گیا۔ "اپنے باپ کی شکل دیکھو جس نے ساری عمر تبلیغ میں گزار دی۔ کیا میں عقل کا اندھا ہوں یا پھر تم مجھ سے زیادہ عقل رکھتی ہو۔ جمعہ جمعہ چار دن ہوئے ہیں تمہیں پیدا ہوئے اور تم چل پڑی ہو اپنے نبی کی نبوت کو ثابت کرنے۔" ہاشم مبین اب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ "تم منہ میں سونے کا چمچ لے کر اسی نبی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، جس کی نبوت کو آج تم جانچنے بیٹھ گئی ہو۔ ورنہ ہوتا تو سڑک پر دھکے کھا رہا ہوتا ہمارا سارا خاندان اور تم اس قدر احسان فراموش اور بے ضمیر ہو چکی ہو کہ جس تھالی میں کھاتی ہو اسی میں چھید کر رہی ہو۔"

ہاشم مبین کی آواز پھٹ رہی تھی۔ امامہ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی رفتار میں اور اضافہ ہو گیا۔

"بند کر دو یہ لکھنا پڑھنا اور گھر بیٹھو تم! یہ تعلیم حاصل کر رہی ہو جو تمہیں گمراہی کی طرف لے جا رہی ہے۔"

ان کے اگلے جملے پر امامہ کی سٹی گم ہو گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اسے گھر بٹھانے کی بات کریں گے۔

"بابا ...... آئی ایم سوری۔" ان کے ایک جملے نے اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"مجھے تمہارے کسی ایکسکیوز کی ضرورت نہیں ہے۔ بس کہہ دیا ہے کہ گھر بیٹھو، تو گھر بیٹھو۔"

"بابا...... میں...... میرا میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ پتا نہیں وسیم... اس نے آپ سے کس طرح بات کی ہے۔" اس کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔ "پھر بھی میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں آئندہ ایسا کچھ نہیں پڑھوں گی، نہ ہی ایسی کوئی بات کروں گی۔ پلیز بابا!" اس نے منت کی۔

ان معذرتوں کا سلسلہ وہیں ختم نہیں ہوا تھا، اگلے کئی دن تک وہ ہاشم مبین سے معافی مانگتی رہی اور پھر تقریباً ایک ہفتے کے بعد وہ نرم پڑ گئے تھے اور انہوں نے اسے کالج جانے کی اجازت دے دی تھی مگر اس ایک ہفتے میں وہ اپنے پورے گھر کی لعنت ملامت کا شکار رہی تھی۔ ہاشم مبین نے اسے سخت قسم کی تنبیہ کے بعد کالج جانے کی اجازت دی تھی مگر اس ایک ہفتے کے دوران ان لوگوں کے رویے نے اسے اپنے عقیدے سے مزید متنفر کیا تھا۔ اس نے ان کتابوں کو پڑھنے کا سلسلہ روکا نہیں تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ پہلے وہ انہیں گھر لے آتی تھی اور اب وہ انہیں کالج کی لائبریری میں ہی پڑھ لیا کرتی تھی۔

ایف ایس سی میں میرٹ لسٹ پر آنے کے بعد اس نے میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ جویریہ کو بھی اسی میڈیکل کالج میں ایڈمیشن مل گیا تھا، ان کی دوستی میں اب پہلے سے زیادہ مضبوطی آگئی تھی اور اس کی بنیادی وجہ امامہ کے ذہن میں آنے والی تبدیلی تھی۔

☆......☆......☆

صبیحہ سے امامہ کی پہلی ملاقات اتفاقاً ہوئی تھی۔ جویریہ کی ایک کزن صبیحہ کی کلاس فیلو تھی اور اسی کے توسط سے امامہ کی اس سے شناسائی ہوئی۔ وہ ایک مذہبی جماعت کے اسٹوڈنٹ ونگ سے منسلک تھی اور ہفتے میں ایک بار وہ کلاس روم میں اسلام سے متعلق کسی نہ کسی ایک موضوع پر لیکچر دیا کرتی تھی۔ چالیس پچاس کے لگ بھگ لڑکیاں اس لیکچر کو اٹینڈ کیا کرتی تھیں۔

صبیحہ نے اس دن ان سے متعارف ہونے کے بعد انہیں بھی اس لیکچر کے لئے انوائٹ کیا تھا۔ وہ چاروں ہی وہاں موجود تھیں۔

"میں تو ضرور آؤں گی، کم از کم میری شرکت کے بارے میں آپ تسلی رکھیں۔" جویریہ نے صبیحہ کی دعوت کے جواب میں کہا۔

"میں کوشش کروں گی، وعدہ نہیں کر سکتی۔" رابعہ نے کچھ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میرا آنا ذرا مشکل ہے کیونکہ میں اس دن کچھ مصروف رہوں گی۔" زینب نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ مسکراتے ہوئے امامہ کو دیکھنے لگی جو اب تک خاموش تھی۔ امامہ کا رنگ کچھ فق ہو گیا۔

"اور آپ؟ آپ آئیں گی؟" امامہ کی نظر جویریہ سے ملی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ویسے اس بار کس موضوع پر بات کریں گی آپ؟" اس سے پہلے کہ امامہ کچھ کہتی، جویریہ نے صبیحہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ شاید ایسا اس نے دانستہ طور پر کیا تھا۔

"اس بار اسراف کے بارے میں بات ہوگی۔ اس ایک عادت کی وجہ سے ہمارا معاشرہ کتنی تیزی سے زوال پذیر ہو رہا ہے اور اس کے سدباب کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے۔ اسی موضوع پر گفتگو ہوگی۔" صبیحہ نے جویریہ کو تفصیل سے بتایا۔

"آپ نے بتایا نہیں امامہ! آپ آ رہی ہیں؟" جویریہ سے بات کرتے کرتے صبیحہ ایک بار پھر امامہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ امامہ کا رنگ ایک بار پھر بدلا۔ "میں...... میں...... دیکھوں گی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"مجھے بہت خوشی ہوگی اگر جویریہ کے ساتھ آپ تینوں بھی آئیں۔ اپنے دین کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں ہمیں روز نہیں تو کبھی کبھار کچھ علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ صرف میں ہی لیکچر نہیں دیتی ہوں ہم جتنے لوگ بھی اکٹھے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے آزاد ہوتا ہے جسے ہم نے منتخب کیا ہوتا ہے اور اگر آپ میں سے بھی کوئی کسی خاص موضوع کے حوالے سے بات کرنا یا کچھ بتانا چاہے تو ہم لوگ اسے بھی ارینج کر سکتے ہیں۔" صبیحہ بڑی سہولت سے بات کر رہی تھی پھر کچھ دیر بعد جویریہ اور اس کی کزن کے ہمراہ ان کے کمرے سے باہر چلی گئی۔

کوریڈور میں صبیحہ نے جویریہ سے کہا: "آپ کم از کم امامہ کو تو ساتھ لے آئیں۔ مجھے لگا ہے کہ وہ آنا چاہ رہی تھیں۔"

"اس کا عقیدہ بالکل الگ ہے، وہ کبھی بھی ایسی محفلوں میں شرکت نہیں کرے گی۔" جویریہ نے سنجیدگی سے اسے بتایا۔ صبیحہ کچھ حیران ہوئی۔

"آپ کو چاہئے کہ آپ انہیں اسلام کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ صحیح اور غلط کا فرق کر سکیں۔" صبیحہ نے چلتے ہوئے کہا۔

"میں ایک بار ایسی کوشش کر چکی ہوں۔ وہ بہت ناراض ہو گئی تھی اور میں نہیں چاہتی کہ ہم دونوں کی اتنی لمبی دوستی اس طرح ختم ہو۔" جویریہ نے کہا۔

"اچھے دوست وہی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو گمراہی سے بچائیں اور آپ پر بھی فرض ہے کہ آپ ایسا ہی کریں۔" صبیحہ نے کہا۔

"وہ ٹھیک ہے مگر کوئی بات سننے پر بھی تیار نہ ہو تو؟"

"تب بھی صحیح بات کہتے رہنا فرض ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی دوسرا آپ کی بات پر غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔" صبیحہ اپنی جگہ درست تھی۔ اس لئے وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

اسے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مرد کی آواز اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ اس قدر خوب صورت کہ پوری دنیا اس آواز کی قید میں لگے۔ امامہ نے اپنا سانس روک لیا یا شاید وہ سانس لینا بھول گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

انسان کی زندگی میں کچھ ساعتیں سعد ہوتی ہیں۔ شب قدر کی رات میں آنے والی اس سعد ساعت کی طرح جسے بہت سے لوگ گزر جانے دیتے ہیں، صرف چند اس ساعت کے انتظار میں ہاتھ اٹھائے اور جھولی پھیلائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس ساعت کے انتظار میں جو چلتے پانی کو روک دے اور رکے ہوئے پانی کو رواں کر دے، جو دل سے نکلنے والی دعا کو لبوں تک آنے سے پہلے مقدر بنا دے۔

امامہ ہاشم کی زندگی میں وہ سعد ساعت شب قدر کی کسی رات کو نہیں آئی تھی۔ نہ اس نے اس سعد ساعت کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے نہ جھولی پھیلائی تھی پھر بھی اس نے زمین و آسمان کی گردش کو کچھ دیر کے لئے تھمتے دیکھا تھا۔ پوری کائنات کو ایک گنبدِ بے در میں بدلتے دیکھا تھا جس کے اندر بس ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

دست گیری میری تنہائی کی تو نے ہی تو کی
میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا
وہ اندھیروں سے بھی درّانہ گزر جاتے ہیں
جن کے ماتھے پہ چمکتا ہے ستارا تیرا

آواز بہت صاف اور واضح تھی۔ امامہ بت کی طرح ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی۔

"ہیلو امامہ!" دوسری طرف زینب کی آواز گونجی اور وہ آواز گم ہو گئی۔ چند لمحوں کے لئے زمین کی رکی ہوئی گردش دوبارہ بحال ہو گئی۔

"ہیلو امامہ! آواز سن رہی ہو میری؟" وہ ایک جھٹکے سے ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

"ہاں، میں سن رہی ہوں۔"

"میں نے سوچا لائن کٹ گئی۔" دوسری طرف سے زینب نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ امامہ اگلے چند منٹ اس سے بات کرتی رہی مگر اس کا دل و دماغ کہیں اور تھا۔

☆......☆......☆

جلال انصر زینب کا بڑا بھائی تھا اور امامہ غائبانہ طور پر اس سے واقف تھی۔ زینب اس کی کلاس فیلو تھی اور اس سے امامہ کا تعارف وہیں میڈیکل کالج میں ہوا تھا۔ چند ماہ میں ہی یہ تعارف اچھی خاصی دوستی میں بدل گیا۔ اس تعارف میں اسے یہ پتا چلا کہ وہ لوگ چار بھائی بہن تھے۔ جلال سب سے بڑا تھا اور

ہاؤس جاب کر رہا تھا۔ زینب کے والد واپڈا میں انجینئر تھے اور ان کا گھرانہ خاصا مذہبی تھا۔

اسلام آباد سے واپسی پر اس نے زینب سے نعت پڑھنے والے اس شخص کے بارے میں پوچھا تھا۔

"زینب! اس رات میں نے تمہیں فون کیا تو کوئی نعت پڑھ رہا تھا، وہ کون تھا؟" اس نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ...... وہ...... جلال بھائی تھے —— ایک مقابلہ میں حصہ لینے کے لئے وہ نعت یاد کر رہے تھے۔ فون کوریڈور میں ہے اور ان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس لئے آواز تم تک پہنچ گئی۔" زینب نے تفصیل سے بتایا۔

"بہت اچھی آواز ہے ان کی۔"

"ہاں، آواز تو بہت اچھی ہے ان کی۔ قرأت تو نعت سے بھی زیادہ خوب صورت کرتے ہیں۔ بہت سے مقابلوں میں انعام بھی لے چکے ہیں۔ ابھی بھی کالج میں ایک مقابلہ ہونے والا ہے تم اس میں انہیں سننا۔"

زینب تب یہ نہیں جانتی تھی کہ امامہ کس مذہب کی تھی، وہ جس طرح پردے کا خیال رکھتی تھی زینب کا خیال تھا کہ وہ کسی مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ خود زینب بھی خاصے مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور چادر اوڑھا کرتی تھی۔

دو تین دن کے بعد امامہ، جلال انصر کی نعت سننے کے لئے اپنی فرینڈز کو بتائے بغیر کلاسز بنک کر کے نعتوں کے اس مقابلے میں چلی گئی تھی۔

جلال انصر کو اس دن پہلی بار اس نے دیکھا تھا۔ کمپیئر نے جلال انصر کا نام پکارا اور امامہ نے تیز ہوتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ زینب سے مشابہت رکھنے والے عام سی شکل و صورت اور داڑھی والے ایک چوبیس پچیس سال لڑکے کو اسٹیج پر چڑھتے دیکھا۔ اسٹیج پر سیڑھیاں چڑھنے سے لے کر روسٹرم کے پیچھے آ کر کھڑے ہونے تک امامہ نے ایک بار بھی اپنی نظر جلال انصر کے چہرے سے نہیں ہٹائی۔ اس نے اسے سینے پر ہاتھ باندھتے اور آنکھیں بند کرتے دیکھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

امامہ کو اپنے پورے وجود میں ایک لہر سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ ہال میں مکمل خاموشی تھی اور صرف اس کی خوب صورت آواز گونج رہی تھی۔ وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح بیٹھی اسے سنتی رہی۔ اس نے کب نعت ختم کی، کب وہ اسٹیج سے اتر کر واپس ہوا، مقابلے کا نتیجہ کیا نکلا، اس کے بعد کس کس نے نعت پڑھی، کس وقت سارے اسٹوڈنٹ وہاں سے گئے اور کس وقت ہال خالی ہو گیا امامہ کو پتا نہیں چلا۔

"تم جاؤ گی اس کا لیکچر سننے؟" صبیحہ کے نکلنے کے بعد زینب نے رابعہ سے پوچھا۔

"نہیں، میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں ایسے لیکچر ہضم نہیں کر سکتی۔" رابعہ نے اپنی کتابیں اُٹھاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ امامہ، زینب اور جویریہ کے برعکس وہ قدرے آزاد خیال تھی اور زیادہ مذہبی رجحان بھی نہیں رکھتی تھی۔

"ویسے میں نے صبیحہ کی خاصی تعریف سنی ہے۔" زینب نے رابعہ کی بات کے جواب میں کہا۔

"ضرور سنی ہو گی، بولتی تو واقعی اچھا ہے اور میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ اس کے والد بھی کسی مذہبی جماعت سے منسلک ہیں۔ ظاہر ہے پھر اثر تو ہو گا۔" رابعہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

امامہ ان سے کچھ دور ایک کونے میں اپنی کتابیں لئے بیٹھی بظاہر ان کا مطالعہ کرنے میں معروف تھی مگر ان دونوں کی گفتگو بھی ان تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے شکر کیا تھا کہ ان دونوں نے اسے اس گفتگو میں گھسیٹنے کی کوشش نہیں کی۔

تین دن کے بعد امامہ مقررہ وقت پر ان لوگوں سے کوئی بہانہ بنا کر صبیحہ کا لیکچر اٹینڈ کرنے چلی گئی تھی۔ رابعہ، جویریہ اور زینب تینوں ہی اس لیکچر میں نہیں گئیں پھر اس کا ارادہ بدل گیا۔ امامہ نے ان لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ وہ صبیحہ کا لیکچر اٹینڈ کرنے جا رہی تھی۔

صبیحہ، امامہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئی تھی۔

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو یہاں دیکھ کر۔ مجھے آپ کے آنے کی توقع نہیں تھی۔" صبیحہ نے اس سے گرم جوشی سے ملتے ہوئے کہا۔

یہ پہلا قدم تھا اسلام کی جانب جو امامہ نے اُٹھایا تھا۔ اس سارے عرصے میں اسلام کے بارے میں اتنی کتابیں تفاسیر اور تراجم پڑھ چکی تھی کہ کم از کم وہ کسی بھی چیز سے ناواقف اور انجان نہیں تھی۔ اسراف کے بارے میں اسلامی اور قرآنی تعلیمات اور احکامات سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھی مگر اس کے باوجود صبیحہ کی دعوت کو رد کرنے کے بجائے قبول کر لینے میں اس کے پیشِ نظر صرف ایک ہی چیز تھی۔ وہ اپنے مذہب سے اسلام تک کا وہ فاصلہ طے کرنا چاہتی تھی، جو اسے بہت مشکل لگتا تھا۔

اور پھر وہ صرف پہلا اور آخری لیکچر نہیں تھا۔ یکے بعد دیگرے وہ اس کا ہر لیکچر اٹینڈ کرتی رہی۔ وہی چیزیں جنہیں وہ کتابوں میں پڑھتی رہی تھی اس کے منہ سے سن کر پُراثر ہو جاتی تھیں۔ اس کی صبیحہ سے عقیدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ صبیحہ نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے عقیدے کے بارے میں جانتی تھی مگر امامہ کو اس کے پاس آتے ہوئے دو ماہ ہوئے تھے جب صبیحہ نے ختم نبوت پر ایک لیکچر دیا۔

"قرآن پاک وہ کتاب ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوئی۔" صبیحہ نے اپنے لیکچر کا آغاز کیا۔ "اور قرآن پاک میں ہی اللہ نبوت کا سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ختم کر

دیتے ہیں۔ وہ کسی دوسرے نبی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھتے۔ اگر کسی نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کا ذکر ہے بھی تو وہ بھی ایک نئے نبی کی شکل میں نہیں ہے بلکہ ایک ایسے نبی کا دوبارہ نزول ہے جن پر نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بہت پہلے نازل کر دی گئی تھی اور جن کا دوبارہ نزول ان کی اپنی اُمت کے لئے نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اُمت کے لئے ہی ہو گا اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی رہیں گے۔ کسی بھی آنے والے دور میں یا کسی بھی گزر جانے والے دور میں یہ رُتبہ اور فضیلت کسی اور کو نہیں دی گئی کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ ایک پیغمبر کو یہ رُتبہ اور درجہ عطا کرتا اور پھر اسے اس سے چھین کر کسی دوسرے شخص کو دے دیتا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"بات میں اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہے۔"

"تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بات کو خود ہی رد کر دیتا اور پھر اگر اللہ کی اس بات کی گواہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خود دیتے ہیں کہ ہاں وہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اور ان کے بعد دوبارہ کوئی نبی نہیں آئے گا تو پھر کیا ہمارے لئے کسی بھی طور پر یہ جائز اور مناسب ہے کہ ہم کسی دوسرے شخص کے نبوت کے دعوے پر غور تک کریں؟ انسان اللہ کی مخلوقات میں سے وہ واحد مخلوق ہے جسے عقل جیسی نعمت سے نوازا گیا اور یہ ایسی مخلوق ہے جو اسی عقل کو استعمال کر کے سوچنے پر آئے تو خود اللہ کے وجود کے لئے ثبوت کی تلاش شروع کر دیتی ہے پھر اس سلسلے کو یہیں پر محدود نہیں رکھتی، بلکہ اسے پیغمبروں کی ذات تک دراز کر دیتی ہے۔ پہلے سے موجود پیغمبروں کی نبوت کے بارے میں سوال کرتی ہے پھر انہیں پیغمبر مان لیتی ہے اور اس کے بعد قرآن کے واضح احکامات کے باوجود زمین پر مزید پیغمبروں کی تلاش شروع کر دیتی ہے اور اس تلاش میں یہ بات فراموش کر دیتی ہے کہ نبی بنتا نہیں تھا، بنایا جاتا تھا، اسے مبعوث کیا جاتا تھا اور ہم انسانی evolution کی ان آخری دہائیوں میں کھڑے ہیں جہاں مزید نبیوں کی آمد کا سلسلہ اس لئے ختم کر دیا گیا کیونکہ انسان کے لئے ایک دین اور ایک نبی کا انتخاب کر لیا گیا۔

اب کسی نئے عقیدے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف تقلید کی ہے، صرف تقلید یعنی پریکٹس..... اس ایک، آخری اور مکمل دین کی جسے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔ اب ہر وہ شخص خسارے میں رہے گا، جو دین کی رسّی کو مضبوطی سے تھامنے کے بجائے تفرقے کی راہ اختیار کرے گا۔ اگر ہماری اعلیٰ تعلیم اور ہمارا شعور ہمیں دین کے بارے میں صحیح اور غلط کی تمیز تک نہیں دے سکتے تو پھر ہم میں اور اس جانور میں کوئی فرق نہیں، جو سبز تازہ گھاس کے ایک گٹھے کے پیچھے کہیں بھی جا سکتا ہے، اس بات کی پروا کئے بغیر کہ اس کا ریوڑ کہاں ہے۔"

چالیس منٹ کے اس لیکچر میں صبیحہ نے کسی اور غلط عقیدے یا فرقے کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا بالواسطہ کہا تھا۔ صرف ایک چیز بلاواسطہ کہی تھی اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا اقرار تھا۔ ''اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جنہوں نے چودہ سو سال پہلے مدینہ میں وفات پائی۔ چودہ سو سال سے پہلے مسلمان ایک اُمت کے طور پر اسی ایک شخص کے سائے میں کھڑے ہیں۔ چودہ سو سال بعد بھی ہمارے لئے وہ ایک آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی بھیجا گیا نہ بھیجا جائے گا اور ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص میں کسی دوسرے نبی کا عکس تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے اسے ایک بار اپنے ایمان کا از سرِنو جائزہ لے لینا چاہئے۔ شاید یہ کوشش اسے اس عذاب سے بچا دے جس میں وہ اپنے آپ کو مبتلا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

امامہ ہر لیکچر کے بعد صبیحہ سے مل کر جایا کرتی تھی۔ اس لیکچر کے بعد وہ صبیحہ سے نہیں ملی۔ ایک لمحہ بھی وہاں رُکے بغیر وہ وہاں سے چلی آئی۔ عجیب سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہو کر وہ کالج سے باہر نکل کر پیدل چلتی رہی۔ کتنی دیر فٹ پاتھ پر چلتی رہی اور اس نے کتنی سڑکیں عبور کیں، اسے اندازہ نہیں ہوا۔ کسی معمول کی طرح چلتے ہوئے وہ فٹ پاتھ سے نیچے نہر کے کنارے بنی ہوئی ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گئی۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور اوپر سڑک پر گاڑیوں کے شور میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ چپ چاپ نہر کے بہتے ہوئے پانی کو دیکھتی رہی۔

ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے بڑبڑاتے ہوئے خود سے پوچھا۔

''آخر میں کر کیا رہی ہوں اپنے ساتھ۔ کیوں اپنے آپ کو الجھا رہی ہوں، آخر کس یقین کی کھوج میں سرگرداں ہوں اور کیوں؟ میں اس سب کے لئے تو یہاں لاہور نہیں آئی۔ میں تو یہاں ڈاکٹر بننے آئی ہوں۔ مجھے آئی اسپیشلسٹ بننا ہے۔ پیغمبر...... پیغمبر...... پیغمبر...... میرے لئے ہر چیز وہاں کیوں ختم ہو جاتی ہے۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

''مجھے اس سب سے نجات حاصل کرنی ہے، میں اس طرح اپنی اسٹڈیز پر کبھی توجہ نہیں دے سکتی۔ مذہب اور عقیدہ میرا مسئلہ نہیں ہونا چاہئے۔ صحیح یا غلط جو میرے بڑوں نے دیا وہی ٹھیک ہے۔ میں اب صبیحہ کے پاس نہیں جاؤں گی۔ میں مذہب یا پیغمبر کے بارے میں کبھی سوچوں گی بھی نہیں۔'' وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے طے کیا تھا۔

رات کو آٹھ بجے وہ واپس آئی تو جویریہ اور رابعہ کچھ فکرمند سی تھیں۔

''بس ایسے ہی مارکیٹ چلی گئی تھی۔'' اس نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ انہیں بتایا۔

☆......☆......☆

''ارے امامہ! تم تو بہت عرصے بعد آئی ہو، آخر آنا کیوں چھوڑ دیا تم نے۔'' بہت دنوں کے بعد

ایک بار پھر صبیحہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ صبیحہ کا لیکچر شروع ہونے ہی والا تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں، آپ اپنا لیکچر ختم کر لیں، میں باہر بیٹھ کر آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔'' امامہ نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

ٹھیک پینتالیس منٹ کے بعد جب صبیحہ اپنا لیکچر ختم کر کے باہر نکلی تو اس نے امامہ کو باہر کوریڈور میں ٹہلتے ہوئے پایا۔ وہ صبیحہ کے ساتھ دوبارہ اسی کمرے میں آن بیٹھی جو اب خالی تھا۔ صبیحہ خاموشی سے اس کی طرف سے بات شروع کرنے کا انتظار کرتی رہی۔

امامہ چند لمحے کسی سوچ میں ڈوبی رہی پھر اس نے صبیحہ سے کہا۔

''آپ کو پتا ہے میں کس مذہب سے ہوں؟''

''ہاں، میں جانتی ہوں۔ جویریہ نے مجھے بتایا تھا۔'' صبیحہ نے پُرسکون انداز میں کہا۔

''میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ میں کس حد تک فرسٹریٹیڈ ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے میں دنیا چھوڑ کر کہیں بھاگ جاؤں۔'' اس نے کچھ دیر کے بعد صبیحہ سے کہنا شروع کیا۔ ''میں ۔۔ میں'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ ''مجھے پتا ہے کہ ۔۔۔'' اس نے ایک بار پھر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی پھر خاموشی۔ ''مگر میں اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتی۔ میں تباہ ہو جاؤں گی، میرے ماں باپ مجھے مار ڈالیں گے۔ میرا کیریئر، میرے خواب، سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ میں نے تو مرے سے عبادت کرنا تک چھوڑ دی ہے مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے سکون نہیں مل رہا ہے۔ آپ میری صورت حال کو سمجھیں۔ مجھے لگ رہا ہے یہ سب کچھ غلط ہے اور صحیح کیا ہے، مجھے نہیں معلوم۔''

''امامہ! تم اسلام قبول کر لو۔'' صبیحہ نے اس کی بات کے جواب میں صرف ایک جملہ کہا۔

''یہ میں نہیں کر سکتی، میں آپ کو بتا رہی ہوں، میں کتنے مسائل کا شکار ہو جاؤں گی۔''

''تو پھر تم میرے پاس کس لئے آئی ہو؟'' صبیحہ نے اسی پُرسکون انداز میں کہا۔ وہ اس کا منہ دیکھنے لگی پھر اس نے بے بسی سے کہا۔

''پتا نہیں میں آپ کے پاس کس لئے آئی ہوں؟''

''تم صرف یہی ایک جملہ سننے کے لئے آئی ہو جو میں نے تم سے کہا ہے۔ میں تمہیں کوئی دلیل نہیں دوں گی، کیونکہ تمہیں کسی سوال کے جواب کی تلاش نہیں ہے۔ ہر سوال کا جواب تمہارے اندر موجود ہے۔ تم سب جانتی ہو، بس تمہیں اقرار کرنا ہے۔ ایسا ہی ہے نا۔''

امامہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ ''مجھے لگ رہا ہے میرے پاؤں زمین سے اُکھڑ چکے ہیں۔ میں جیسے خلا میں سفر کر رہی ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

صبیحہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ بسم اللہ پڑھ رہی تھی۔ امامہ گیلی آنکھوں کے ساتھ

اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا صبیحہ! کچھ بھی نہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"لاالہ الا اللہ۔" صبیحہ کے لب آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ امامہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور روتے ہوئے صبیحہ کے پیچھے کلمے کے الفاظ دہرا رہی تھی۔ "محمد رسول اللہ۔" امامہ نے اگلے الفاظ دہرائے۔ اُس کی آواز بھرا گئی۔

امامہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے اتنا رونا کیوں آرہا تھا۔ اسے کوئی پچھتاوا، کوئی افسوس نہیں تھا مگر پھر بھی اسے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک روتے رہنے کے بعد اس نے جب سر اٹھایا تھا تو صبیحہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ امامہ گیلے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

☆......☆......☆

رابعہ اور جویریہ ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہی تھیں اور امامہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ فرش کو رگڑتے ہوئے کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"تمہیں یہ سب کچھ ہمیں پہلے ہی بتا دینا چاہئے تھا۔" جویریہ نے ایک طویل وقفے کے بعد اس خاموشی کو توڑا۔ امامہ نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا اور پرسکون انداز میں کہا۔

"اس سے کیا ہوتا؟"

"کم از کم ہم تمہارے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار تو نہ ہوتے اور تمہاری مدد کر سکتے تھے ہم دونوں۔"

امامہ سر جھٹکتے ہوئے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ "اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔"

"مجھے تو بہت خوشی ہے امامہ! کہ تم نے ایک صحیح راستے کا انتخاب کیا ہے۔ دیر سے سہی مگر تم غلط راستے سے ہٹ گئی ہو۔" جویریہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں اس وقت تمہارے لئے اپنے دل میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔" امامہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں اگر ہم دونوں کی طرف سے کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو ہچکچانا مت، تمہاری مدد کر کے ہمیں خوشی ہوگی۔"

"مجھے واقعی تم لوگوں کی مدد کی بہت ضرورت ہے، بہت زیادہ ضرورت ہے۔" امامہ نے کہا۔

"میری وجہ سے اگر تم نے اپنے مذہب کی اصلیت جانچ کر اُسے چھوڑ دیا ہے تو ....." جویریہ کہہ رہی تھی۔

امامہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "تمہاری وجہ سے؟" اس نے جویریہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچا۔ اس

کا ذہن اسے کہیں اور لے جا رہا تھا۔

دھند میں اب ایک اور چہرہ اُبھر رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی، وہ چہرہ آہستہ آہستہ واضح ہو رہا تھا، زیر آب اُبھرنے والے کسی نقش کی طرح ---- چہرہ اب واضح ہو گیا تھا۔ امامہ مسکرائی، وہ اس چہرے کو پہچان سکتی تھی۔ اس نے اس چہرے کے ہونٹوں کو ہلتے دیکھا۔ آہستہ آہستہ وہ آواز سن سکتی تھی۔ وہ آواز سن رہی تھی۔

قطرہ مانگے جو تو اُسے دریا دے دے
مجھ کو کچھ اور نہ دے اپنی تمنا دے دے

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم لوگ کسی کو کچھ نہ بتاؤ، زینب کو بھی نہیں۔" اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے اس نے جویریہ اور رابعہ سے کہا تھا۔ ان دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا
پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا
لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ یہ جلال انصر کی آواز تھی۔

☆......☆......☆

امامہ کو میڈیکل کالج میں چند روز ہوئے تھے جب ایک ویک اینڈ پر اسلام آباد آنے کے بعد اُس نے رات کو زینب کے گھر لاہور فون کیا۔

"بیٹا! میں زینب کو بلاتی ہوں، تم ہولڈ رکھو۔" زینب کی امی فون رکھ کر چلی گئیں۔ وہ ریسیور کان سے لگائے انتظار کرنے لگی۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

مردانہ آواز میں فون پر سنائی دینے والی وہ نعت امامہ نے پہلے بھی سنی تھی مگر اس وقت جو کوئی بھی اسے پڑھ رہا تھا وہ کمال جذب سے اسے پڑھ رہا تھا۔

پورے قد سے کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

اسے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مرد کی آواز اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ اس قدر خوب صورت کہ پوری دنیا اس آواز کی قید میں لگے۔ امامہ نے اپنا سانس روک لیا یا شاید وہ سانس لینا بھول گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

انسان کی زندگی میں کچھ ساعتیں سعد ہوتی ہیں۔ شب قدر کی رات میں آنے والی اس سعد ساعت کی طرح جسے بہت سے لوگ گزر جانے دیتے ہیں، صرف چند اس ساعت کے انتظار میں ہاتھ اٹھائے اور جھولی پھیلائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس ساعت کے انتظار میں جو چلتے پانی کو روک دے اور رُکے ہوئے پانی کو رواں کر دے، جو دل سے نکلنے والی دعا کو لبوں تک آنے سے پہلے مقدر بنا دے۔

امامہ ہاشم کی زندگی میں وہ سعد ساعت شب قدر کی کسی رات کو نہیں آئی تھی۔ نہ اس نے اس سعد ساعت کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے نہ جھولی پھیلائی تھی پھر بھی اس نے زمین و آسمان کی گردش کو کچھ دیر کے لئے تھمتے دیکھا تھا۔ پوری کائنات کو ایک گنبد بے در میں بدلتے دیکھا تھا جس کے اندر بس ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

دست گیری میری تنہائی کی تو نے ہی تو کی
میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا
وہ اندھیروں سے بھی درّانہ گزر جاتے ہیں
جن کے ماتھے پہ چمکتا ہے ستارا تیرا

آواز بہت صاف اور واضح تھی۔ امامہ بت کی طرح ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی۔

"ہیلو امامہ!" دوسری طرف زینب کی آواز گونجی اور وہ آواز گم ہو گئی۔ چند لمحوں کے لئے زمین کی رُکی ہوئی گردش دوبارہ بحال ہو گئی۔

"ہیلو امامہ! آواز سن رہی ہو میری؟" وہ ایک جھٹکے سے ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

"ہاں، میں سن رہی ہوں۔"

"میں نے سوچا لائن کٹ گئی۔" دوسری طرف سے زینب نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ امامہ اگلے چند منٹ اس سے بات کرتی رہی مگر اس کا دل و دماغ کہیں اور تھا۔

☆......☆......☆

جلال انصر زینب کا بڑا بھائی تھا اور امامہ غائبانہ طور پر اس سے واقف تھی۔ زینب اس کی کلاس فیلو تھی اور اس سے امامہ کا تعارف وہیں میڈیکل کالج میں ہوا تھا۔ چند ماہ میں ہی یہ تعارف اچھی خاصی دوستی میں بدل گیا۔ اس تعارف میں اسے یہ پتا چلا کہ وہ لوگ چار بھائی بہن تھے۔ جلال سب سے بڑا تھا اور

ہاؤس جاب کر رہا تھا۔ زینب کے والد واپڈا میں انجینئر تھے اور ان کا گھرانہ خاصا مذہبی تھا۔

اسلام آباد سے واپسی پر اس نے زینب سے نعت پڑھنے والے اس شخص کے بارے میں پوچھا تھا۔

"زینب! اس رات میں نے تمہیں فون کیا تو کوئی نعت پڑھ رہا تھا، وہ کون تھا؟" اس نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ...... وہ...... جلال بھائی تھے ـــــ ایک مقابلہ میں حصہ لینے کے لئے وہ نعت یاد کر رہے تھے۔ فون کوریڈور میں ہے اور ان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس لئے آواز تم تک پہنچ گئی۔" زینب نے تفصیل سے بتایا۔

"بہت اچھی آواز ہے ان کی۔"

"ہاں، آواز تو بہت اچھی ہے ان کی۔ قرأت تو نعت سے بھی زیادہ خوب صورت کرتے ہیں۔ بہت سے مقابلوں میں انعام بھی لے چکے ہیں۔ ابھی بھی کالج میں ایک مقابلہ ہونے والا ہے تم اس میں انہیں سننا۔"

زینب تب یہ نہیں جانتی تھی کہ امامہ کس مذہب کی تھی، وہ جس طرح پردے کا خیال رکھتی تھی زینب کا خیال تھا کہ وہ کسی مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ خود زینب بھی خاصے مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور چادر اوڑھا کرتی تھی۔

دو تین دن کے بعد امامہ، جلال انصر کی نعت سننے کے لئے اپنی فرینڈز کو بتائے بغیر کلاسز بنک کر کے نعتوں کے اس مقابلے میں چلی گئی تھی۔

جلال انصر کو اس دن پہلی بار اس نے دیکھا تھا۔ کمپیئر نے جلال انصر کا نام پکارا اور امامہ نے تیز ہوتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ زینب سے مشابہت رکھنے والے عام سی شکل و صورت اور ڈاڑھی والے ایک چوبیس پچیس سال لڑکے کو اسٹیج پر چڑھتے دیکھا۔ اسٹیج پر سیڑھیاں چڑھنے سے لے کر روسٹرم کے پیچھے آ کر کھڑے ہونے تک امامہ نے ایک بار بھی اپنی نظر جلال انصر کے چہرے سے نہیں ہٹائی۔ اس نے اسے سینے پر ہاتھ باندھتے اور آنکھیں بند کرتے دیکھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

امامہ کو اپنے پورے وجود میں ایک لہر سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ ہال میں مکمل خاموشی تھی اور صرف اس کی خوب صورت آواز گونج رہی تھی۔ وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح بیٹھی اسے سنتی رہی۔ اس نے کب نعت ختم کی، کب وہ اسٹیج سے اتر کر واپس ہوا، مقابلے کا نتیجہ کیا نکلا، اس کے بعد کس کس نے نعت پڑھی، کس وقت سارے اسٹوڈنٹ وہاں سے گئے اور کس وقت ہال خالی ہو گیا امامہ کو پتا نہیں چلا۔

بہت دیر کے بعد اسے یک دم ہوش آیا تھا۔ اس وقت اپنے اردگرد دیکھنے پر اسے احساس ہوا کہ وہ ہال میں اکیلی بیٹھی تھی۔

"میں نے کل تمہارے بھائی کو نعت پڑھتے سنا۔" امامہ نے اگلے دن زینب کو بتایا۔

"اچھا ..... انہیں پہلا انعام ملا ہے۔" زینب نے اس کی بات پر مسکرا کر اسے دیکھا۔

"بہت خوب صورت نعت پڑھی تھی انہوں نے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد امامہ نے پھر اس موضوع پر آ گئی۔

"ہاں! وہ بچپن سے نعتیں پڑھتے آ رہے ہیں۔ اتنے قرات اور نعت کے مقابلے جیت چکے ہیں کہ اب تو انہیں خود بھی ان کی تعداد یاد نہیں ہو گی۔" زینب نے تفاخر سے کہا۔

"ان کی آواز بہت خوب صورت ہے۔" امامہ نے پھر کہا۔ "ہاں خوب صورت تو ہے مگر ساری بات اس محبت اور عقیدت کی ہے، جس کے ساتھ وہ نعت پڑھتے ہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ہے۔ اتنی محبت کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ قرأت اور نعت کے علاوہ انہوں نے کبھی کوئی اور چیز نہیں پڑھی، حالانکہ اسکول اور کالج میں انہیں بہت مجبور کیا جاتا رہا مگر ان کا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ میں جس زبان سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصیدہ پڑھتا ہوں اس زبان سے کسی اور شخص کا قصیدہ نہیں پڑھ سکتا۔ محبت تو ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرتے ہیں مگر جیسی محبت بھائی کرتے ہیں ویسی محبت تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ پچھلے دس سالوں میں ایک بار بھی انہوں نے نماز قضا نہیں کی۔ ہر روز ایک قرآن پاک پڑھتے ہیں۔ تم تو نعت کی تعریف کر رہی ہو اگر ان سے تلاوت سن لو تو ..."

وہ بڑے فخر سے بتا رہی تھی۔ امامہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے زینب سے اس کے بعد کچھ نہیں پوچھا۔

اگلے دن وہ صبح کالج جانے کے لئے تیار ہونے کے بجائے اپنے بستر میں گھسی رہی۔ جویریہ نے خاصی دیر کے بعد بھی اسے بستر سے برآمد نہ ہوتے دیکھ کر جھنجھوڑا۔

"اُٹھ جاؤ امامہ! کالج نہیں جانا کیا۔ دیر ہو رہی ہے۔"

"نہیں، آج مجھے کالج نہیں جانا۔" امامہ نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

"کیوں؟" جویریہ کچھ حیران ہوئی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" امامہ نے کہا۔

"آنکھیں تو بہت سرخ ہو رہی ہیں تمہاری، کیا رات کو سوئیں نہیں تم؟"

"نہیں، نیند نہیں آئی اور پلیز اب مجھے سونے دو۔" امامہ نے اس کے کسی اور سوال سے بچنے کے لئے کہا۔ جویریہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد اپنا بیگ اور فولڈر اُٹھا کر باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد امامہ نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ بات ٹھیک تھی کہ وہ ساری رات سو نہیں سکی تھی اور اس کی وجہ جلال انصر کی آواز تھی۔ وہ اپنے ذہن کو اس آواز کے علاوہ اور کہیں بھی فوکس نہیں کر پا رہی تھی۔

"جلال انصر!" اس نے زیرِ لب اس کا نام دہرایا۔ "آخر اس کی آواز کیوں مجھے اس قدر اچھی لگ رہی ہے کہ میں ..... میں اسے اپنے ذہن سے نکال نہیں پا رہی؟" اس نے اُلجھے ہوئے ذہن کے ساتھ بستر سے نکلتے ہوئے سوچا۔ وہ اپنے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

"میرے بھائی کی آواز میں ساری تاثیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی وجہ سے ہے۔" اس کے کانوں میں زینب کی آواز گونجی۔

"آواز میں تاثیر ... اور عشق؟" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "سوز، گداز، لوچ، مٹھاس...... آخر تھا کیا اس آواز میں؟" وہ اُٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ "دنیا عشقِ اللہ سے شروع ہوتی ہے اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو جاتی ہے۔" اسے ایک اور جملہ یاد آیا۔

"عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟" اس نے حیرانی سے سوچا۔ "عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟" یکدم اسے اپنے اندر ایک عجیب سا سناٹا اُترتا محسوس ہوا۔ اس نے اس سناٹے اور تاریکی کو کھوجنا شروع کیا، اپنے اندر سیڑھی در سیڑھی اُترنا شروع کیا۔ اسے کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آئی۔ "آخر وہ کیا چیز ہوتی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے پر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر درود لے آتی ہے۔ عقیدت، عشق، محبت..... ان میں سے کیا ہے؟ مجھے کچھ کیوں محسوس نہیں ہوتا۔ میری آنکھوں میں آنسو کیوں نہیں آتے؟ میرے ہونٹوں پر درود کیوں نہیں آتا؟ میری آواز میں تاثیر ....." وہ لمحہ بھر کے لئے رُکی، اس نے زیرِ لب پڑھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

اسے اپنی آواز بھرائی ہوئی لگی۔ "شاید ابھی جاگی ہوں، اس لئے آواز ایسی ہے۔" اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے سوچا۔ اس نے ایک بار پھر پڑھنا شروع کیا۔

"کچھ نہیں مانگتا ....." وہ ایک بار پھر رک گئی۔ اس بار اس کی آواز میں لرزش تھی۔ اس نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔ "کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا" کھڑکی سے باہر نظریں مرکوز رکھتے ہوئے اس نے لرزتی، بھرائی آواز اور کانپتے ہونٹوں کے ساتھ پہلا مصرع پڑھا پھر دوسرا مصرع پڑھنا شروع کیا اور رُک گئی۔ کھڑکی سے باہر خلا میں گھورتے ہوئے وہ ایک بار پھر جلال انصر کی آواز اپنے کانوں میں اُترتی

محسوس کر رہی تھی۔

بلند، صاف، واضح اور خوش الحانی کی طرح دل میں اتر جانے والی مقدس آواز...... اسے اپنے گالوں پر نمی محسوس ہوئی۔

یک دم وہ اپنے ہوش و حواس میں آئی اور پتا چلا کہ وہ رو رہی تھی۔ کچھ دیر تک بے یقینی کے عالم میں وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دونوں آنکھوں پر رکھے دم بخود کھڑی رہی۔ اس نے اپنے آپ کو بے بسی کی انتہا پر پایا۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھے وہ آہستہ آہستہ گھٹنوں کے بل وہیں زمین پر بیٹھ گئی اور اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

انسان کے لئے سب سے مشکل مرحلہ وہ ہوتا ہے جب اس کا دل کسی چیز کی گواہی دے رہا ہو مگر اس کی زبان خاموش ہو جب اس کا دماغ چلا چلا کر کسی چیز کی صداقت کا اقرار کر رہا ہو مگر اس کے ہونٹ ساکت ہوں۔ امامہ ہاشم کی بھی اپنی زندگی اسی مرحلے پر آن پہنچی تھی۔ جو فیصلہ وہ پچھلے دو تین سالوں سے نہیں کر پا رہی تھی وہ فیصلہ ایک آواز نے چند دنوں میں کروا دیا تھا۔ یہ جانے، دیکھے، پڑھے بغیر کہ آخر لوگ کیوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی عقیدت رکھتے ہیں۔ آخر کیوں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کی جاتی ہے۔ اس نے اتنے سال اپنے نبی کے قصیدے سنے تھے، اس پر کبھی رقت طاری نہیں ہوئی تھی، کبھی اس کا وجود موم بن کر نہیں پگھلا تھا، کبھی اسے کسی پر رشک نہیں آیا تھا مگر ہر بار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پڑھتے، دیکھتے اور سنتے ہوئے وہ عجیب سی کیفیات کا شکار ہوتی تھی۔ ہر بار، ہر دفعہ اس کا دل اس نام کی طرف کھنچا چلا جاتا تھا اور صبیحہ کے پاس نہ جانے کے اس کے سارے ارادے بھاپ بن کر اڑ گئے تھے۔ جلال انصر کی آواز تاریکی میں نظر آنے والے جگنو کی طرح تھی جس کے تعاقب میں وہ بنا سوچے سمجھے چل پڑی تھی۔

مَیں تجھے عالم اشیا میں بھی پا لیتا ہوں
لوگ کہتے ہیں کہ ہے عالم بالا تیرا

☆......☆......☆

امامہ کے لئے وہ ایک نئے سفر کا آغاز تھا۔ وہ پہلے کی طرح باقاعدگی سے صبیحہ کے پاس جانے لگی۔ ان اجتماعات میں شرکت نے اسے اگر ایک طرف اپنے فیصلے پر استقامت بخشی تو دوسری طرف اس کے باقی ماندہ شبہات کو بھی دور کر دیا۔

مذہب تبدیل کرنے کا فیصلہ امامہ کے لئے کوئی چھوٹا یا معمولی فیصلہ نہیں تھا۔ اس ایک فیصلے نے اس کی زندگی کے ہر معاملے کو متاثر کیا تھا۔ وہ اب اسجد سے شادی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ غیر مسلم تھا۔ اسے جلد یا بدیر اپنے گھر والوں سے علیحدگی بھی اختیار کرنی تھی کیونکہ وہ اب ایسے کسی ماحول میں رہنا نہیں چاہتی

تھی جہاں اسلامی شعائر اور عقائد میں اتنے دھڑلے سے تحریفات کی جاتی تھیں۔ وہ اس پیسے کے بارے میں بھی شکوک کا شکار ہونے لگی تھی جو اسے اپنی تعلیم اور دوسرے اخراجات کے لئے ہاشم مبین کی طرف سے ملتے تھے۔ چند سال پہلے تک پریوں کی کہانی نظر آنے والی زندگی یک دم ہی ایک ڈراؤنے خواب میں تبدیل ہو گئی تھی اور زندگی کے اس مشکل راستے کا انتخاب اس نے خود کیا تھا۔ اسے بعض دفعہ حیرت ہوتی کہ اس نے اتنا بڑا فیصلہ کس طرح کر لیا۔ اس نے اللہ سے استقامت ہی مانگی تھی اور اسے استقامت سے نوازا گیا تھا مگر وہ ابھی اتنی کم عمر تھی کہ خدشات اور اندیشوں سے مکمل طور پر پیچھا چھڑا لینا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔

"امامہ! تم فی الحال اپنے والدین کو مذہب کی تبدیلی کے بارے میں نہ بتاؤ۔ اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ۔ اس وقت نہ صرف تم آسانی سے اسجد سے شادی سے انکار کر سکتی ہو بلکہ تم انہیں اپنے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں بھی بتا سکتی ہو۔"

صبیحہ نے ایک بار اس کے خدشات سننے کے بعد اسے مشورہ دیا تھا۔

"میں اس پیسے کو اپنے اوپر خرچ کرنا نہیں چاہتی جو میرے بابا مجھے دیتے ہیں، اب جبکہ میں جانتی ہوں کہ میرے والد ایک جھوٹے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں یہ جائز تو نہیں ہے کہ میں ایسے شخص سے اپنے اخراجات کے لئے رقم لوں؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو مگر تمہارے پاس فی الحال کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ بہتر ہے تم اپنی تعلیم مکمل کر لو، اس کے بعد تمہیں اپنے والد سے کچھ بھی نہیں لینا پڑے گا۔" صبیحہ نے اسے سمجھایا۔ صبیحہ اگر اسے یہ راہ نہ دکھاتی تب بھی امامہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس میں فی الحال اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش چھوڑ دیتی۔

☆......☆......☆

اس وقت رات کے دس بجے تھے جب وہ سینما سے باہر نکل آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی پاپ کارن کا پیکٹ تھا اور وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا پاپ کارن کھاتے ہوئے سڑک پر چل رہا تھا۔

آدھ گھنٹہ تک سڑکیں ناپتے رہنے کے بعد اس نے ایک بہت بڑے بنگلے کی گھنٹی بجائی تھی۔

"صاحب کھانا لگاؤں؟" لاؤنج میں داخل ہونے پر ملازم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"دودھ؟"

"نہیں۔" وہ رکے بغیر وہاں سے گزرتا چلا گیا۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔ کمرے کی لائٹ آن کر کے وہ کچھ دیر بے مقصد ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر باتھ روم کی طرف بڑھ

گیا۔ شیونگ کٹ نکال کر اس کے اندر سے ایک ریزر بلیڈ نکال لیا اور اسے لے کر بیڈ روم میں آ گیا۔ اپنے بیڈ پر بیٹھ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا لیمپ جلا لیا اور بیڈ روم کی ٹیوب لائٹ بند کر دی۔ ریزر بلیڈ کے اوپر موجود ریپر کو اتار کر وہ کچھ دیر لیمپ کی روشنی میں اس کی تیز دھار کو دیکھتا رہا پھر اس نے بلیڈ کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی کی رگ کو ایک تیز جھٹکے سے کاٹ دیا۔ اس کے منہ سے ایک سسکی سی نکلی اور پھر اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ اپنی آنکھوں کو کھلا رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی کلائی بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی اور خون کی دھار اب سیدھا کارپٹ پر گر گر کر اس میں جذب ہو رہی تھی۔

اس کا ذہن جیسے کسی گہری کھائی میں جا رہا تھا پھر اس نے کچھ دھماکے سنے۔ تاریکی میں جاتا ہوا ذہن ایک بار پھر تھما کے کے ساتھ روشنی میں آ گیا۔ شور اب اور بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ فوری طور پر شور کی وجہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں کھول دیں مگر وہ کسی چیز کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

☆ ..... ☆ ..... ☆

وہ سو رہی تھی جب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ کوئی اس کا دروازہ بجا رہا تھا۔

"امامہ! امامہ!" وسیم دروازہ بجاتے ہوئے بلند آواز میں اس کا نام پکار رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کیوں چلا رہے ہو؟" دروازہ کھولتے ہی اس نے کچھ حواس باختگی کے عالم میں وسیم سے پوچھا جس کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔

"فرسٹ ایڈ باکس ہے تمہارے پاس؟" وسیم نے اسے دیکھتے ہی فوراً پوچھا۔

"ہاں، کیوں؟" وہ مزید پریشان ہوئی۔

"بس اسے لے کر میرے ساتھ آ جاؤ۔" وسیم نے کمرے کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟" اس کے پیروں کے نیچے سے جیسے زمین کھسکنے لگی۔

"چوچو نے پھر خودکشی کی کوشش کی ہے۔ اپنی کلائی کاٹ لی ہے اس نے۔ ملازم آیا ہوا ہے نیچے اس کا، تم میرے ساتھ چلو۔" امامہ نے بے اختیار ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔

"تمہارے اس دوست کو مینٹل ہاسپٹل میں ہونا چاہئے جس طرح کی حرکتیں یہ کرتا پھرتا ہے۔" امامہ نے ناگواری سے اپنے بیڈ پر پڑا ہوا دوپٹہ اوڑھتے ہوئے کہا۔

"میں تو اسے دیکھتے ہی بھاگ آیا ہوں، ابھی وہ ہوش میں تھا۔" اس نے مڑ کر امامہ کو بتایا۔ وہ دونوں اب آگے پیچھے سیڑھیاں اُتر رہے تھے۔

"تم اسے ہاسپٹل لے جاتے۔" امامہ نے آخری سیڑھی پر پہنچ کر کہا۔

"وہ بھی لے جاؤں گا، پہلے تم اس کی کلائی وغیرہ تو باندھو، خون تو بند ہو۔"

"وسیم! میں اسے کوئی بہت اچھی قسم کی فرسٹ ایڈ نہیں دے سکتی۔ پتا نہیں اس نے کس چیز سے کلائی

کاٹی ہے اور زخم کتنا گہرا ہے۔ اس کے اپنے گھر والے کہاں ہیں؟" بات کرتے کرتے امامہ کو خیال آیا۔

"اس کے گھر میں کوئی بھی نہیں ہے، صرف ملازم ہیں۔ وہ تو کوئی فون کال آئی تھی جس پر ملازم اسے بلانے کے لئے گیا اور جب اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو پریشان ہو کر دوسرے ملازموں کے ساتھ مل کر اس نے دروازہ توڑ دیا۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اب اپنے گھر سے باہر نکل آئے تھے۔

"تمہارا یہ دوست جو ہے نا......" امامہ نے کچھ ناراضی کے عالم میں وسیم کے ساتھ چلتے ہوئے سالار کے بارے میں کچھ کہنا چاہا مگر وسیم نے غصے میں پلٹ کر اس کو جھڑک دیا۔

"فار گاڈ سیک۔ اپنی لعنت ملامت بند نہیں کر سکتیں تم۔ اس کی حالت سیریس ہے اور تم اس کی برائیوں میں مصروف ہو۔"

"ایسی حرکتیں کرنے والوں کے لئے میرے پاس کوئی ہمدردی نہیں ہے۔" وہ دونوں اب سالار کے لاؤنج میں پہنچ چکے تھے۔

چند قدم چلنے کے بعد وسیم ایک موڑ مڑا اور کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ امامہ اس کے پیچھے ہی تھی مگر پھر جیسے کرنٹ کھا کر رُک گئی۔ کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی سامنے قد آدم کھڑکیوں پر کچھ ماڈلز اور ایکٹریسز کی بڑی بڑی عریاں تصویریں اس طرح لگائی گئی تھیں کہ ایک لمحے کے لئے امامہ کو یوں لگا جیسے وہ تمام لڑکیاں حقیقی طور پر اس کمرے میں موجود ہوں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایک طرف بیڈ پر پڑے ہوئے زخمی کے بارے میں اس کی رائے کچھ اور خراب ہو گئی۔ وہ تصویریں اس کے کردار کی پستی کا ایک اور ثبوت تھیں اور کمرے میں تین چار لوگوں کی موجودگی میں اس کے لئے وہ تصویریں خاصی خفت اور شرمندگی کا باعث بن رہی تھیں۔ ان تصویروں سے نظریں چراتے ہوئے وہ تیز رفتاری سے ڈبل بیڈ کی طرف آ گئی جہاں سالار سکندر لیٹا ہوا تھا۔ وسیم اس کے پاس بیڈ پر بیٹھا فرسٹ ایڈ باکس کھول رہا تھا جبکہ امامہ کا بڑا بھائی سالار کی اس کلائی کو بیڈ شیٹ کے ایک لٹکتے ہوئے کونے کے ساتھ دبا کر خون روکنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ خود سالار نشے میں ڈوبے ہوئے کسی انسان کی طرح اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ وسیم اور وہاں موجود ملازموں سے کچھ کہہ بھی رہا تھا۔

امامہ کے آگے بڑھتے ہی اس کے بڑے بھائی نے اس کرسی کو چھوڑ دیا، جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔

"اس کے زخم کو دیکھو، میں نے چادر سے خون روکنے کی کوشش کی ہے مگر میں کامیاب نہیں ہوا۔" انہوں نے اس کی کلائی امامہ کو تھماتے ہوئے کہا۔ امامہ نے کرسی پر بیٹھتے ہی اس کی کلائی کے گرد لپٹا ہوا چادر کا کونہ ہٹایا۔ زخم بہت گہرا اور لمبا تھا۔ ایک نظر ڈالتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا۔

سالار نے پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی مگر امامہ مضبوطی سے کلائی کے کچھ پیچھے سے اس کا بازو پکڑے رہی۔

"وسیم! بس بینڈیج نکال دو، یہ زخم بہت گہرا ہے۔ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ بینڈیج کرنے سے خون رک جائے گا پھر تم لوگ اسے ہاسپٹل لے جانا۔" اس نے ایک نظر نیچے کارپٹ پر جذب ہوتے خون پر ڈالی۔ وسیم تیزی سے فرسٹ ایڈ باکس میں سے بینڈیج نکالنے لگا۔

سالار نے بیڈ پر لیٹے لیٹے اپنے سر کو جھٹکا دیا اور آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اب دھندلاہٹ سی تھی مگر اس کے باوجود اس نے اپنے بیڈ سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی اس لڑکی اور اس کے ہاتھ میں موجود اپنے بازو کو دیکھا تھا۔

کچھ مشتعل ہو کر اس نے ایک اور جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ سے آزاد کروانے کی کوشش کی۔ ہاتھ آزاد نہیں ہوا مگر درد کی ایک تیز لہر نے بے اختیار اسے کراہنے پر مجبور کیا تھا۔ اسے چند لمحوں کے لئے یہی محسوس ہوا تھا جیسے اس کی جان نکل گئی مگر اگلے ہی لمحے وہ ایک بار پھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم لوگ دفع ہو...... جاؤ...... کہاں سے...... آگئے...... ہو؟" اس نے کچھ مشتعل ہو کر لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔ "یہ میرا...... کمرہ...... ہے...... تم...... لوگوں...... کو اندر...... آنے کی جرأت کیسے...... ہوئی...... تم...... تم...... وسیم...... تم...... دفع...... ہو جاؤ...... گیٹ لاسٹ...... جسٹ...... گیٹ لاسٹ...... بلڈی باسٹرڈ۔"

اس نے بلند آواز میں مگر لڑکھڑاتی زبان سے کہا۔ امامہ نے اس کے منہ سے نکلنے والی گالی کو سنا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کے چہرے کا رنگ بدلا مگر وہ پھر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے بیٹھی رہی۔ اس نے وسیم سے کاٹن لے کر کراہتے ہوئے سالار کی کلائی کے زخم پر رکھ دی جو ہاتھ کو کھینچنے اور ہلانے سے باز نہیں آ رہا تھا اور وسیم کے ہاتھ سے بینڈیج لے کر لپیٹنا شروع کر دیا۔ سالار نے دھندلائی آنکھوں کے ساتھ اپنی کلائی کے گرد کسی چیز کی نرمی کو محسوس کیا۔

کچھ بے بسی اور جھنجلاہٹ کے عالم میں سالار نے اپنے بائیں ہاتھ کے زور سے اپنے دائیں ہاتھ کو چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ دھندلائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کا آگے بڑھنے والا بایاں ہاتھ لڑکی کے سر سے ٹکرایا تھا۔ اس کے سر سے نہ صرف دوپٹہ اُترا تھا بلکہ اس کے بال بھی کھل گئے تھے۔

امامہ نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا جو ایک بار پھر اپنا بایاں ہاتھ آگے لا رہا تھا۔ امامہ نے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کی کلائی کو پکڑے رکھا جبکہ دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی بینڈیج چھوڑ کر اپنی پوری قوت سے اپنا دایاں ہاتھ اس کے بائیں گال پر دے مارا۔ تھپڑ اتنا زناٹے دار تھا کہ ایک لمحہ کے لئے سالار کی آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھند چھٹ گئی۔ کھلے منہ اور آنکھوں کے ساتھ دم بخود اس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا جو سرخ چہرے کے ساتھ بلند آواز میں اس سے کہہ رہی تھی۔

"اب اگر تم ہلے تو میں تمہارا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دوں گی، سنا تم نے۔"

سالار نے اس لڑکی کے عقب میں وسیم کو بلند آواز میں کچھ کہتے سنا مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔ اس کا ذہن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب رہا تھا مگر اس نے پھر ایک آواز سنی تھی، نسوانی آواز۔ "اس کا بلڈ پریشر چیک کرو ...... " سالار کو بے اختیار چند لمحے پہلے اپنے گال پر پڑنے والا تھپڑ یاد آیا۔ وہ چاہنے کے باوجود آنکھیں نہیں کھول سکا۔ وہی نسوانی آواز ایک بار پھر گونجی تھی مگر اس بار وہ اس آواز کو کوئی مفہوم نہیں پہنا سکا۔ اس کا ذہن مکمل طور تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

☆ ☆ ......☆

اگلی بار جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک پرائیویٹ کلینک میں موجود تھا۔ آنکھیں کھول کر اس نے ایک بار اپنے اردگرد دیکھنے کی کوشش کی۔ کمرے میں اس وقت ایک نرس موجود تھی جو اس کے پاس کھڑی ڈرپ کو ٹھیک کرنے میں مصروف تھی۔ سالار نے اسے مسکراتے دیکھا تھا وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر اس کا ذہن ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔

دوسری بار اسے کب ہوش آیا، اسے اندازہ نہیں ہوا مگر دوسری بار آنکھیں کھولنے پر اس نے اس کمرے میں کچھ شناسا چہرے دیکھے تھے۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر ممی اس کی طرف بڑھ آئیں۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو تم؟" انہوں نے اس پر جھکتے ہوئے بے تابی سے کہا۔

"جسٹ فائن۔" سالار نے دور کھڑے سکندر عثمان کو دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ اس سے پہلے کہ اس کی ممی کچھ اور کہتیں کمرے میں موجود ایک ڈاکٹر آگے آ گیا تھا۔ وہ اس کی نبض چیک کرنے لگا تھا۔

ڈاکٹر نے انجکشن لگانے کے بعد ایک بار پھر اسے ڈرپ لگائی۔ سالار نے کچھ بیزاری کے ساتھ یہ کارروائیاں دیکھیں۔ ڈرپ لگانے کے بعد وہ سکندر عثمان اور ان کی بیوی سے باتیں کرنے لگا۔ سالار اس گفتگو کے دوران چھت کو گھورتا رہا پھر کچھ دیر بعد ڈاکٹر کمرے سے نکل گیا۔

کمرے میں اب بالکل خاموشی تھی۔ سکندر عثمان اور ان کی بیگم اپنا سر پکڑے بیٹھے تھے۔ ان کی تمام کوششوں اور احتیاط کے باوجود یہ سالار سکندر کی خودکشی کی چوتھی کوشش تھی اور اس بار وہ واقعی مرتے مرتے بچا تھا۔ ڈاکٹرز کے مطابق اگر چند منٹوں کی تاخیر ہو جاتی تو وہ اسے نہیں بچا سکتے تھے۔

سکندر اور ان کی بیوی کو رات کے دو بجے ملازم نے سالار کی خودکشی کی اس کوشش کے بارے میں بتایا تھا اور وہ دونوں میاں بیوی پوری رات سو نہیں سکے تھے۔ سکندر عثمان نے صبح فلائٹ ملنے تک تقریباً ڈیڑھ سو سگریٹ پھونک ڈالے تھے، مگر اس کے باوجود ان کی بے چینی اور اضطراب میں کمی نہیں ہو پا رہی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا یہ آخر اس طرح کی حرکتیں کیوں کرتا ہے، آخر اس پر ہماری نصیحتوں اور

ہمارے سمجھانے کا اثر کیوں نہیں ہوا۔" سکندر عثمان نے دوران سفر کہا۔ "میرا تو دماغ پھٹنے لگتا ہے جب میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں۔ کیا نہیں کیا میں نے اس کے لئے۔ ہر سہولت، بہترین تعلیم حتیٰ کہ بڑے سے بڑے سائیکاٹرسٹ تک کو دکھا چکا ہوں مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات...... میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے، جو مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔ جاننے والوں کے درمیان مذاق بن گیا ہوں میں اس کی وجہ سے۔" سکندر عثمان بہت پریشان تھے۔ "ہر وقت میرا دم حلق میں اٹکا رہتا ہے کہ پتا نہیں وہ کس وقت کیا کر گزرے۔ اتنی احتیاط برتنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایک بار ہم غافل ہوئے اور وہ پھر وہی حرکت کر گزرا ہے۔" طیبہ نے اپنی آنکھوں میں امڈتے ہوئے آنسوؤں کو ٹشو کے ساتھ صاف کیا۔

وہ دونوں اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے کراچی سے اسلام آباد آئے تھے مگر سالار کے سامنے آکر دونوں کو چپ لگ گئی تھی۔ ان دونوں ہی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس حالت میں اس سے کیا کہیں۔

سالار کو ان کی دلی اور ذہنی کیفیات کا اچھی طرح اندازہ تھا اور ان کی خاموشی کو وہ غنیمت جان رہا تھا۔

انہوں نے اس دن اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ اگلے دن بھی وہ دونوں خاموش ہی رہے تھے۔

مگر تیسرے دن ان دونوں نے اپنی خاموشی توڑ دی تھی۔

"مجھے صرف یہ بتاؤ کہ آخر تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟" سکندر نے اس رات بڑی تحمل مزاجی سے اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ "آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ میں نے اسی وعدہ پر تمہیں اسپورٹس کار بھی لے کر دی۔ ہر بات مان رہے ہیں ہم لوگ تمہاری، پھر بھی تمہیں قطعاً احساس نہیں ہے ہم لوگوں کا، نہ خاندان کی عزت کا۔" سالار اسی طرح چپ بیٹھا رہا۔

"کسی اور کا نہیں تو تم ہم دونوں کا ہی خیال کرو، تمہاری وجہ سے ہماری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔" طیبہ نے کہا۔ "تمہیں کوئی پریشانی، کوئی پرابلم ہے تو ہم سے ڈسکس کرو، ہم سے کہو۔ مگر اس طرح مرنے کی کوشش کرنا ..... تم نے کبھی سوچا ہے کہ اگر تم ان کوششوں میں کامیاب ہو جاتے تو ہمارا کیا ہوتا۔" سالار خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ ان کی باتوں میں کچھ بھی نیا نہیں تھا۔ خودکشی کی ہر کوشش کے بعد وہ ان سے اسی طرح کی باتیں سنتا تھا۔

"کچھ بولو، چپ کیوں ہو؟ کچھ سمجھ میں آ رہا ہے تمہیں؟" طیبہ نے جھنجلا کر کہا۔ وہ انہیں دیکھنے لگا۔ "ماں باپ کو اس طرح ذلیل کر کے بڑی خوشی ملتی ہے تمہیں۔"

"اس قدر شاندار مستقبل ہے تمہارا اور تم اپنی احمقانہ حرکتوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لوگ ترستے ہیں اس طرح کے اکیڈمک ریکارڈ کے لئے۔" سکندر عثمان نے اسے اس کا اکیڈمک

ریکارڈ یاد دلانے کی کوشش کی۔ سالار نے بے اختیار ایک جماہی لی۔ وہ جانتا تھا اب وہ اس کے بچپن سے لے کر اس کی اب تک کی کامیابیوں کو دہرانا شروع کر دیں گے۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ اگلے پندرہ منٹ اس موضوع پر بولنے کے بعد انہوں نے تھک کر پوچھا۔

"آخر تم کچھ بول کیوں نہیں رہے، بولو؟"

"میں کیا بولوں، سب کچھ تو آپ دونوں نے کہہ دیا ہے۔" سالار نے کچھ اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "میری زندگی میرا پرسنل معاملہ ہے پھر بھی میں نے آپ کو بتایا ہے کہ دراصل میں مرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا" سکندر نے اس کی بات کاٹی۔

"تم جو بھی کر رہے تھے، وہ مت کرو، ہم پر کچھ رحم کھاؤ۔" سالار نے ناراضی سے باپ کو دیکھا۔

"تم آخر یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ فضول میں بحث کیوں کرتے جا رہے ہو؟" اس بار طیبہ نے اس سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، نہیں کروں گا۔ ایسی کوئی بھی حرکت۔" سالار نے بیزاری سے جیسے ان دونوں سے جان چھڑانے کے لئے کہا۔ سکندر نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اس کے وعدے پر مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ نہ وہ ..... نہ ان کی بیوی مگر ایسے وعدے لینے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ بچپن سے اپنے اس بیٹے پر فخر کرتے آ رہے تھے، مگر پچھلے کچھ سالوں سے ان کا وہ فخر ختم ہو گیا تھا۔ جتنا پریشان انہیں سالار نے کیا تھا اتنا ان کے باقی بچوں نے مل کر بھی نہیں کیا تھا۔

☆......☆......☆

"اب کیسا ہے تمہارا دوست؟ گئے تھے تم اس کی خیریت دریافت کرنے؟" امامہ وسیم کے ساتھ مارکیٹ جا رہی تھی کہ اچانک اسے سالار کا خیال آیا۔

"پہلے سے تو حالت کافی بہتر ہے اس کی۔ شاید کل پرسوں تک ڈسچارج ہو جائے۔" وسیم نے اسے سالار کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔ "تم چلو گی واپسی پر اس کو دیکھنے؟" وسیم کو اچانک خیال آیا۔

"میں؟" امامہ حیران ہوئی۔ "میں کیا کروں گی جا کر......"

"خیریت دریافت کرنا اور کیا کرنا ہے تمہیں۔" وسیم نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا۔" امامہ نے کچھ تامل سے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے، چلیں گے۔ حالانکہ اس طرح کے مریض کی عیادت کرنا فضول ہے۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"ویسے مجھے توقع تھی کہ اس کے پیرنٹس ہمارے گھر آئیں گے، شکریہ وغیرہ ادا کرنے کہ ہم نے ان کے بیٹے کی جان بچائی۔ کس قدر بروقت مدد کی تھی ہم نے، مگر انہوں نے تو بھولے سے ہمارے گھر

کا رُخ نہیں کیا۔" امامہ نے تبصرہ کیا۔

"تم ان بے چاروں کی کنڈیشن کا اندازہ ہی نہیں کر سکتیں۔ کس منہ سے وہ شکریہ ادا کرنے آئیں اور پھر اگر کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ آپ کے بیٹے نے ایسی حرکت کیوں کی ہے تو وہ دونوں کیا جواب دیں گے۔ کیا یہ کہیں گے کہ شوق کے ہاتھوں...... وہ بے چارے عجیب مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

وسیم نے قدرے افسوس کرنے والے انداز میں کہا۔ "ویسے اس کے پیرنٹس نے میرا بہت شکریہ ادا کیا ہے اور امی اور پاپا جب پرسوں ہاسپٹل میں اس کی خیریت دریافت کرنے گئے تھے تو انہوں نے وہاں بھی ان دونوں کا بہت شکریہ ادا کیا ہے۔ یہ تو امی اور پاپا کی سمجھداری تھی کہ انہوں نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا سالار کے بارے میں، ورنہ تو ادھر بھی خاصی خفت کا سامنا کرنا پڑتا انہیں۔" وسیم نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا۔

"مگر آخر تمہارے اس دوست کا مسئلہ کیا ہے، کیوں بیٹھے بٹھائے اس طرح کی احمقانہ حرکتیں کرنے لگتا ہے؟" امامہ نے پوچھا۔

"تم مجھ سے اس طرح پوچھ رہی ہو جیسے وہ مجھے سب کچھ بتا کر یہ سب کرتا ہوگا۔ مجھے کیا پتا، وہ کس لئے یہ سب کرتا ہے یا کیوں کرتا ہے۔"

"تمہارا اتنا گہرا دوست ہے، تم پوچھتے کیوں نہیں اس سے؟"

"اتنا گہرا دوست بھی نہیں ہے کہ ایسی باتوں کے بارے میں بھی مجھے بتانے لگے اور ویسے بھی میں کیوں اتنا کریدوں، ہوگا کوئی مسئلہ اس کا۔"

"تو پھر بہتر نہیں ہے کہ تم ایسے دوستوں سے کچھ فاصلے پر رہو، ایسے لوگوں سے دوستی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر کل کو تم نے بھی اسی طرح کی حرکتیں شروع کر دیں تو ؟"

"ویسے تم نے اس دن جو حرکت کی تھی وہ اگر اسے یاد رہتی تو ہماری دوستی میں خود ہی خاصا فرق آ جاتا۔" وسیم نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھتی کہ اسے وہ تھپڑ یاد ہوگا۔ وہ صحیح طور پر ہوش میں تو نہیں تھا۔ تم سے ذکر کیا اس نے اس بارے میں؟" امامہ نے پوچھا۔

"نہیں، مجھ سے کہا تو نہیں مگر ہو سکتا ہے کہ اسے یاد ہو۔ تم نے اچھا نہیں کیا تھا۔"

"اس نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔ ایک تو اپنا ہاتھ کھینچ رہا تھا دوسرے گالیاں دے رہا تھا اور اوپر سے میرا دوپٹہ بھی کھینچ لیا۔"

"اس نے دوپٹہ نہیں کھینچا تھا، اس کا ہاتھ لگا تھا۔" وسیم نے سالار کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"جو بھی تھا، اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا تھا مگر بعد میں مجھے بھی افسوس ہوا تھا اور میں نے تو اللہ

کا بہت شکر ادا کیا کہ وہ بچ گیا۔ اگر کہیں وہ مر جاتا تو مجھے تو بہت ہی پچھتاوا ہوتا اپنے اس تھپڑ کا۔" امامہ نے قدرے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"چلو تم آج جا رہی ہو تو معذرت کر لینا۔" وسیم نے مشورہ دیا۔

"کیوں ایکسکیوز کروں، ہو سکتا ہے اسے کچھ یاد ہی نہ ہو پھر میں خوامخواہ گڑے مردے اکھاڑوں۔ اسے یاد دلاؤں کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا کیا تھا۔" امامہ نے فوراً کہا۔

"اور فرض کرو اسے سب کچھ یاد ہوا تو ......؟"

"تو تو کیا ہوگا وہ کون سا ہمارا رشتے دار ہے کہ اس سے تعلقات خراب ہو جائیں گے یا میل جول میں فرق پڑے گا۔" امامہ نے لاپروائی سے کہا۔

شاپنگ کرنے کے بعد وسیم اسے کیکینگ لے آیا جہاں سالار زیر علاج تھا۔

وہ دونوں جس وقت اس کے کمرے میں داخل ہوئے اس وقت وہ سوپ پینے میں مصروف تھا۔

سالار نے وسیم کے ساتھ آنے والی لڑکی کو دیکھا اور فوراً پہچان لیا تھا، اگرچہ اس رات اس حالت میں وہ اسے شناخت نہیں کر سکا تھا مگر اس وقت اسے دیکھتے ہی وہ اسے پہچان گیا تھا۔ اپنی ممی سے یہ بات وہ پہلے ہی جان چکا تھا کہ وسیم کی بہن نے اسے فرسٹ ایڈ دی تھی، مگر اسے وہ فرسٹ ایڈ یاد نہیں تھی، بس وہ زنّاٹے دار تھپڑ یاد تھا جو اس رات اسے پڑا تھا، اس لئے امامہ کو دیکھتے ہی وہ سوپ پیتے پیتے رُک گیا۔

اس کی چبھتی ہوئی نظروں سے امامہ کو اندازہ ہو گیا کہ اسے یقیناً اس رات ہونے والے واقعات کسی نہ کسی حد تک یاد تھے۔

رسمی علیک سلیک کے بعد اس کی ممی امامہ کا شکریہ ادا کرنے لگیں، جبکہ سالار نے سوپ پیتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وسیم سے اس کی دوستی کو کئی سال گزر چکے تھے اور اس نے وسیم کے گھر میں امامہ کو بھی کئی بار دیکھا تھا مگر اس نے پہلے کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ اس دن پہلی بار وہ اس پر قدرے تنقیدی انداز میں غور کر رہا تھا۔ اس کے دل میں امامہ کے لئے تشکر یا احسان مندی کے کوئی جذبات نہیں تھے۔ اس کی وجہ سے اس کے سارے پلان کا بیڑا غرق ہو گیا تھا۔

امامہ اس کی ممی سے گفتگو میں مصروف تھی مگر وہ وقتاً فوقتاً اپنے اوپر پڑنے والی اس کی نظروں سے بھی واقف تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے کسی کی نظریں اتنی بری لگی تھیں۔

ایک لمحہ کے لئے اس کا دل چاہا تھا۔ وہ اُٹھ کر وہاں سے بھاگ جائے۔ سالار کے بارے میں اس کی رائے اور بھی خراب ہو گئی تھی۔ وہ اپنے اس تھپڑ کے لئے معذرت کے ارادے کے ساتھ وہاں آئی تھی مگر اس وقت اس کا دل چاہا تھا اسے دو چار اور تھپڑ لگا دے۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد فوراً ہی وہ واپس جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور واپس جاتے

ہوئے اس نے سالار کے ساتھ علیک سلیک کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔ وہ صرف اس کی ممی کے ساتھ سلام دعا کے بعد سالار کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل آئی تھی اور باہر آکر اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"اس طرح کے دوست بنائے ہوئے ہیں تم نے؟" اس نے باہر نکلتے ہی وسیم سے کہا جس نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیوں، اب کیا ہوا ہے؟"

"اسے دیکھنے تک کی تمیز نہیں ہے۔ اس بات کا احساس تک نہیں ہے کہ میں اس کے دوست کی بہن ہوں اور اس کے دوست کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود ہوں۔"

وسیم اس کی بات پر کچھ خفیف سا ہو گیا۔

"یہ آدمی اس قابل نہیں ہے کہ اس کی عیادت کے لئے جایا جائے اور تم اس کے ساتھ میل جول بند کرو۔"

"اچھا ٹھیک ہے، میں محتاط رہوں گا۔ اب تم بار بار اس بات کو نہ دہراؤ۔" وسیم نے موضوع گفتگو بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ امامہ دانستہ طور پر خاموش ہو گئی مگر سالار کے اس ناپسندیدہ افراد کی لسٹ میں شامل ہو چکا تھا۔

یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ وہ ان دنوں کچھ چھٹیاں گزارنے اسلام آباد آئی ہوئی تھی ورنہ شاید سالار سے اس کا اتنا قریبی اور اتنا ناپسندیدہ تعارف اور تعلق کبھی پیدا نہ ہوتا۔

☆…☆ ☆

اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے پہلی بار جلال انصر کو تب قریب سے دیکھا جب ایک دن وہ چاروں کالج کے لان میں بیٹھی گفتگو میں مصروف تھیں، وہ وہاں کسی کام سے آیا تھا۔ رسمی سی علیک سلیک کے بعد وہ زینب کے ساتھ چند قدم دور جا کھڑا ہوا تھا۔ امامہ اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ ایک عجیب سی مسرت اور سرخوشی کا احساس اسے گھیرے میں لے رہا تھا۔

وہ چند منٹ زینب سے بات کرنے کے بعد وہیں سے چلا گیا۔ امامہ اس کی پشت پر نظریں جمائے اس وقت تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ اس کے اردگرد بیٹھی اس کی فرینڈز کیا باتیں کر رہی تھیں اسے اس وقت اس کا کوئی احساس نہیں تھا جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوا تو یکدم جیسے دوبارہ اپنے ماحول میں واپس آ گئی۔

جلال انصر سے اس کی دوسری ملاقات زینب کے گھر پر ہوئی تھی۔ اس دن وہ کالج سے واپسی پر زینب کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی۔ زینب کچھ دنوں سے ان سب کو اپنے ہاں آنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ باقی سب نے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیا تھا، مگر امامہ اس دن اس کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی تھی۔

اس کے گھر آ کر اسے عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا۔ شاید اس احساس کی وجہ جلال انصر کی اس گھر سے نسبت تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی اور زینب چائے تیار کرنے کے لئے کچن میں گئی تھی۔ جب جلال ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ امامہ کو وہاں دیکھ کر کچھ چونک گیا۔ شاید اسے امامہ کو وہاں دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔

"السلام علیکم۔ کیا حال ہے آپ کا؟" جلال نے شاید اس طرح بے دھڑک اندر داخل ہونے پر اپنی جھینپ مٹانے کے لئے کہا۔ امامہ نے رنگ بدلتے چہرے کے ساتھ اس کا جواب دیا۔

"زینب کے ساتھ آئی ہیں آپ؟" اس نے پوچھا۔

"جی۔"

"زینب کہاں ہے، میں دراصل اس کو ڈھونڈتے ہوئے یہاں آ گیا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ اس کی دوست یہاں موجود ہے۔" کچھ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہوئے وہ پلٹ گیا۔

"آپ بہت اچھی نعت پڑھتے ہیں۔" امامہ نے بے ساختہ کہا۔ وہ ٹھٹک گیا۔

"شکریہ۔" وہ کچھ حیران نظر آیا۔ "آپ نے کہاں سنی ہے؟"

"ایک دن میں نے زینب کو فون کیا تھا جب تک فون ہولڈ رہا مجھے آپ کی آواز آتی رہی، پھر زینب نے آپ کے بارے میں بتایا۔ میں اس نعتیہ مقابلے میں بھی گئی تھی جہاں آپ نے وہ نعت پڑھی تھی۔"

وہ بے اختیار کہتی چلی گئی۔ جلال انصر کی سمجھ میں نہیں آیا وہ حیران ہو یا خوش۔

"بہت اچھی تو نہیں، بس پڑھ لیتا ہوں۔ اللہ کا کرم ہے۔" اس نے حیرت کے اس جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے سفید چادر میں لپٹی اس دبلی پتلی دراز قامت لڑکی کو دیکھا جس کی گہری سیاہ آنکھیں کوئی بہت عجیب سا تاثر لئے ہوئے تھیں۔ اپنی آواز کی تعریف وہ بہت سوں سے سن چکا تھا مگر اس وقت اس لڑکی کی تعریف اس کے لئے قدرے غیر معمولی تھی اور جس انداز میں اس نے یہ کہا تھا وہ اس سے بھی زیادہ عجیب۔

وہ پلٹ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔ وہ ویسے بھی لڑکیوں سے گفتگو میں مہارت نہیں رکھتا تھا اور پھر ایک ایسی لڑکی سے گفتگو جس سے وہ صرف چہرے کی حد تک واقف تھا۔

امامہ ایک عجیب سی مسرت کے عالم میں وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے جلال انصر سے بات کی تھی۔ اپنے سامنے..... خود سے اتنے قریب..... وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے کچھ آگے کارپٹ پر اس جگہ کو دیکھتی رہی جہاں وہ کچھ دیر پہلے کھڑا تھا۔ تصور کی آنکھ سے وہ اسے ابھی بھی وہیں دیکھ رہی تھی۔

☆…☆…☆

ان کی اگلی ملاقات ہاسپٹل میں ہوئی۔ پچھلی دفعہ اگر امامہ دانستہ طور پر زینب کے گھر گئی تھی تو اس بار یہ ایک اتفاق تھا۔ امامہ، رابعہ کے ساتھ وہاں آئی تھی جسے وہاں اپنی کسی دوست سے ملنا تھا۔ ہاسپٹل کے ایک کوریڈور میں فائنل ایئر کے اسٹوڈنٹس کے ایک گروپ میں اس نے جلال انصر کو دیکھا۔ اس کی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔ کوریڈور میں اتنا رش تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں جا سکتی تھی اور اس وقت پہلی بار امامہ کو احساس ہوا کہ اسے سامنے دیکھ کر اس کے لئے رک جانا کتنا مشکل کام تھا۔ رابعہ کی دوست کے ساتھ بیٹھے ہوئے بھی اس کا دھیان مکمل طور پر باہر ہی تھا۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ رابعہ کے ساتھ اس کی دوست کے کمرے سے باہر آئی تھی۔ اب وہاں فائنل ایئر کے اسٹوڈنٹس کا وہ گروپ نہیں تھا۔ امامہ کو بے اختیار مایوسی ہوئی۔ رابعہ اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے باہر نکل رہی تھی جب سیڑھیوں پر ان دونوں کا سامنا جلال سے ہو گیا۔ امامہ کے جسم سے جیسے ایک کرنٹ سا گزر گیا تھا۔

"السلام علیکم۔ جلال بھائی! کیسے ہیں آپ؟" رابعہ نے پہل کی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔"

اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ یہاں کیسے آ گئے؟" اس بار جلال نے امامہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اپنی ایک فرینڈ سے ملنے آئی تھی اور امامہ میرے ساتھ آئی تھی۔" رابعہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی جبکہ امامہ خاموشی سے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

دستگیری میری تنہائی کی تو نے ہی تو کی
میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

اس کی آواز سنتے ہوئے وہ ایک بار پھر کسی ٹرانس میں آ رہی تھی۔ اس نے بہت کم لوگوں کو اتنے شستہ لہجے میں اردو بولتے ہوئے سنا تھا، جس لہجے میں وہ بات کر رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں ہر بار اس کی آواز سنتے ہی اس کے کانوں میں اس کی پڑھی ہوئی وہ نعت گونجنے لگتی تھی۔ اسے عجیب سا رشک آ رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے۔

جلال نے رابعہ سے بات کرتے ہوئے شاید اس کی محویت کو محسوس کیا تھا، اسی لئے بات کرتے کرتے اس نے امامہ کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ امامہ نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔ بے اختیار اس کا دل چاہا تھا وہ اس شخص کے اور قریب چلی جائے۔ جلال سے نظریں ہٹا کر ادھر گزرتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے اس نے تین بار لاحول پڑھی۔ "شاید اس وقت شیطان میرے دل میں آ کر مجھے اس کی طرف راغب کر رہا ہے۔" اس نے سوچا مگر لاحول پڑھنے کے بعد بھی اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں

آئی۔ وہ اب بھی جلال کے لئے ویسی ہی کشش محسوس کر رہی تھی۔

امجد سے اتنے سالوں کی منگنی کے بعد بھی کبھی اس نے اپنے آپ کو اس کے لئے اس طرح بے اختیار ہوتے نہیں دیکھا تھا جس طرح وہ اس وقت ہو رہی تھی۔ وہاں کھڑے اسے پہلی بار جلال سے بہت زیادہ خوف آیا۔ میں کیا کروں گی اگر میرا دل اس آدمی کو دیکھ کر اسی طرح بے اختیار ہوتا رہا۔ آخر اسے دیکھ کر مجھے اس نے جیسے بے بسی کے عالم میں سوچا۔ میں اتنی کمزور تو کبھی بھی نہیں تھی کہ اس جیسے آدمی کو دیکھ کر اس طرح اس نے اپنے وجود کو موم سا پایا۔

☆—☆……☆

"بھائی! آپ فارغ ہیں؟" اس رات زینب دروازے پر دستک دے کر جلال کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہاں، آ جاؤ۔" اس نے اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر زینب کو دیکھا۔

"آپ سے ایک کام ہے۔" زینب اس کے پاس آتے ہوئے بولی۔

"کیا کام ہے؟"

"آپ ایک کیسٹ میں اپنی آواز میں کچھ نعتیں ریکارڈ کر دیں۔" زینب نے کہا۔ جلال نے حیرت سے اس کی فرمائش سنی۔

"کس لئے؟"

"وہ میری دوست ہے امامہ اس کو آپ کی آواز بہت پسند ہے، اس لئے ..... اس نے مجھ سے فرمائش کی اور میں نے ہامی بھر لی۔" زینب نے تفصیل بتائی۔

جلال اس فرمائش پر مسکرایا۔ امامہ سے کچھ دن پہلے ہونے والی ملاقات اسے یاد آ گئی۔

"یہ وہی لڑکی ہے جو اس دن یہاں آئی تھی؟" جلال نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ہاں، وہی لڑکی ہے۔ اسلام آباد سے یہاں آئی ہے۔"

"اسلام آباد سے؟ ہاسٹل میں رہ رہی ہے؟" جلال نے کچھ دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاسٹل میں رہ رہی ہے۔ کافی اچھا خاندان ہے اس کا، بہت بڑے انڈسٹریلسٹ ہیں اس کے فادر مگر امامہ سے مل کر ذرا محسوس نہیں ہوتا۔" زینب نے بے اختیار امامہ کی تعریف کی۔

"کافی مذہبی لگتی ہے۔ میں نے اسے ایک دو بار تمہارے ساتھ کالج میں بھی دیکھا ہے۔ کالج میں بھی چادر اوڑھی ہوتی ہے اس نے۔ یہاں کالج کی "آب و ہوا" کا ابھی تک اثر نہیں ہوا اس پر۔" جلال نے کہا۔

"بھائی! اس کی فیملی بھی خاصی مذہبی ہے کیونکہ وہ جب سے یہاں آئی ہے اسی طرح ہی ہے۔ میرا

خیال ہے کہ خاصے کنزرویٹو لوگ ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کی فیملی خاصی تعلیم یافتہ ہے۔ نہ صرف بھائی بلکہ بہنیں بھی۔ یہ گھر میں سب سے چھوٹی ہے۔" زینب نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "تو پھر آپ کب ریکارڈ کر کے دیں گے؟" زینب نے پوچھا۔

"تم کل لے لینا۔ میں ریکارڈ کر دوں گا۔" جلال نے کہا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ جلال کچھ دیر کسی سوچ میں ڈوبا رہا پھر وہ دوبارہ اس کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا جسے وہ پہلے پڑھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان کی اگلی ملاقات لائبریری میں ہوئی تھی۔ اس بار امامہ اسے وہاں موجود دیکھ کر بے اختیار اس کی طرف چلی گئی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد امامہ نے کہا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔"

جلال نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "کس لئے؟"

"اس کیسٹ کے لئے جو آپ نے ریکارڈ کر کے بھجوائی تھی۔" جلال مسکرایا۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کبھی کوئی مجھ سے ایسی فرمائش کر سکتا ہے۔"

"آپ بہت خوش قسمت ہیں۔" امامہ نے مدھم آواز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ... کس حوالے سے؟" جلال نے ایک بار پھر حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہر حوالے سے ... آپ کے پاس سب کچھ ہے۔"

"آپ کے پاس بھی تو بہت کچھ ہے۔"

وہ جلال کی بات پر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ جلال کو شبہ ہوا کہ اس کی آنکھوں میں کچھ نمی نمودار ہوئی تھی مگر وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ اب نظریں جھکائے ہوئے تھی۔

"پہلے کچھ بھی نہیں تھا، اب واقعی سب کچھ ہے۔" جلال نے مدھم آواز میں اسے کہتے سنا وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"آپ اتنی محبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیتے ہیں تو میں سوچتی ہوں کہ ..." اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ جلال خاموشی سے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

"مجھے آپ پر رشک آتا ہے۔" چند لمحے بعد وہ آہستہ سے بولی۔

"سب لوگوں کو تو اس طرح کی محبت نہیں ہوتی جیسی محبت آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ ہو بھی جائے تو ہر کوئی اس طرح اس محبت کا اظہار نہیں کر سکتا کہ دوسرے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں گرفتار ہونے لگیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی آپ سے بڑی محبت ہو گی۔" اس نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں میں کوئی نمی نہیں تھی۔

"شاید مجھے وہم ہوا تھا۔" جلال نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔ اگر ایسا ہو تو میں واقعی بہت خوش قسمت انسان ہوں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی محبت ہے۔ مجھ جیسے لوگوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ ہر ایک کو اللہ اس محبت سے نہیں نوازتا۔"

وہ بڑی رسانیت سے کہہ رہا تھا۔ امامہ اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ اسے کبھی کسی شخص کے سامنے اس طرح کا احساس کمتری نہیں ہوا تھا، جس طرح کا احساس کمتری وہ جلال انصر کے سامنے محسوس کرتی تھی۔

"شاید میں بھی نعت پڑھ لوں۔ شاید میں بھی بہت اچھی طرح اسے پڑھ لوں مگر میں ... میں جلال انصر کبھی نہیں ہو سکتی، کبھی بن ہی نہیں سکتی۔ کبھی میری آواز سن کر کسی کا وہ حال نہیں ہو سکتا جو جلال انصر کی آواز سن کر ہوتا ہے۔" وہ لائبریری سے نکلتے ہوئے مسلسل مایوسی کے عالم میں سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

جلال انصر کے ساتھ ہونے والی چند ملاقاتوں کے بعد امامہ نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ دوبارہ کبھی اس کا سامنا نہ کرے، نہ اس کے بارے میں سوچے، نہ زینب کے گھر جائے۔ حتیٰ کہ اس نے زینب کے ساتھ اپنے تعلقات کو بھی اپنی طرف سے بہت محدود کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی ہر حفاظتی تدبیر برے طریقے سے ناکام ہو گئی۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ امامہ کی بے بسی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

"اس آدمی میں کوئی چیز ایسی ہے، جس کے سامنے میری ہر مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔" اور شاید اس کا یہ اعتراف ہی تھا جس نے اسے ایک بار پھر جلال کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ پہلے اس کے لئے اس کی بے اختیاری لاشعوری تھی پھر اس نے شعوری طور پر جلال کو اسجد کی جگہ دے دی۔

"آخر کیا برائی ہے اگر میں اس شخص کا ساتھ چاہوں جس کی آواز مجھے بار بار اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹنے پر مجبور کرتی رہی۔ میں کیوں اس شخص کے حصول کی خواہش نہ کروں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے۔ کیا مضائقہ ہے اگر میں اس شخص کو اپنا مقدر بنائے جانے کی دعا کروں، جس کے لئے میں انس رکھتی ہوں اور جس کے کردار سے میں واقف ہوں۔ کیا برا ہے اگر میں یہ چاہوں کہ میں جلال انصر کے نام سے شناخت پاؤں۔ اس واحد آدمی کے نام سے جسے سنتے، جسے دیکھتے مجھے اس پر رشک آتا ہے۔" اس کے پاس ہر دلیل، ہر توجیہہ موجود تھی۔

بہت غیر محسوس طور پر وہ ہر اس جگہ جانے لگی جہاں جلال کے پائے جانے کا امکان ہوتا اور وہ اکثر

وہاں پایا جاتا۔ وہ زینب کو اس وقت فون کرتی، جب جلال گھر پر ہوتا کیونکہ گھر پر موجود ہوتے ہوئے فون ہمیشہ وہی ریسیو کرتا تھا۔ دونوں کے درمیان چھوٹی موٹی گفتگو رفتہ رفتہ طویل ہونے لگی پھر وہ ملنے لگے۔

جویریہ، رابعہ یا زینب تینوں کو امامہ اور جلال کے درمیان بڑھتے ہوئے ان تعلقات کے بارے میں پتا نہیں تھا۔ جلال اب ہاؤس جاب کر رہا تھا اور امامہ اکثر اس کے ہاسپٹل جانے لگی۔ باقاعدہ اظہار محبت نہ کرنے کے باوجود دونوں اپنے لئے ایک دوسرے کے جذبات سے واقف تھے۔ جلال جانتا تھا کہ امامہ اسے پسند کرتی تھی اور یہ پسندیدگی عام نوعیت کی نہیں تھی۔ خود امامہ بھی یہ جان چکی تھی کہ جلال اس کے لئے کچھ خاص قسم کے جذبات محسوس کرنے لگا ہے۔

جلال اس قدر مذہبی تھا کہ اس نے کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ کسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جائے گا، نہ صرف یہ کہ وہ محبت کرے گا بلکہ اس طرح اس سے ملا کرے گا مگر یہ سب کچھ بہت غیر محسوس انداز میں ہوتا گیا تھا۔ اس نے زینب سے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ اس کے اور امامہ کے درمیان کسی خاص نوعیت کا تعلق تھا۔ اگر وہ یہ انکشاف کر دیتا تو زینب اسے یقیناً امامہ کی اسجد کے ساتھ طے شدہ نسبت سے آگاہ کر دیتی۔ بہت شروع میں ہی وہ امامہ کی ایسی کسی نسبت کے بارے میں جان لیتا تو وہ امامہ کے بارے میں بہت محتاط ہو جاتا پھر کم از کم امامہ کے لئے اس حد تک انوالو ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس حد تک وہ ہو چکا تھا۔

ان کے درمیان ہونے والی ایسی ہی ایک ملاقات میں امامہ نے اسے پرپوز کیا تھا۔ اسے امامہ کی جرأت پر کچھ حیرانی ہوئی تھی کیونکہ کم از کم وہ خود بہت چاہنے کے باوجود ابھی یہ بات نہیں کہہ سکا تھا۔

''آپ کا ہاؤس جاب کچھ عرصے میں مکمل ہو جائے گا، اس کے بعد آپ کیا کریں گے؟'' امامہ نے اس دن اس سے پوچھا تھا۔

''اس کے بعد میں اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جاؤں گا۔'' جلال نے بڑی سہولت سے کہا۔

''اس کے بعد؟''

''اس کے بعد واپس آؤں گا اور اپنا ہاسپٹل بناؤں گا۔''

''آپ نے اپنی شادی کے بارے میں سوچا ہے؟'' اس نے اگلا سوال کیا تھا۔ جلال نے حیران مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

''امامہ! شادی کے بارے میں ہر ایک ہی سوچتا ہے۔''

''آپ کس سے کریں گے؟''

''یہ طے کرنا ابھی باقی ہے۔''

امامہ چند لمحے خاموش رہی۔ ''مجھ سے شادی کریں گے؟''

جلال دم بخود اسے دیکھنے لگا۔ اسے امامہ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ ''آپ کو میری بات بری لگی ہے؟''

جلال دم بخود اسے دیکھنے لگا۔ اسے امامہ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ ''آپ کو میری بات بری لگی ہے؟''

امامہ نے اسے گم صم دیکھ کر پوچھا۔ وہ یک دم جیسے ہوش میں آگیا۔

''نہیں، ایسا نہیں ہے۔'' اس نے بے اختیار کہا۔ ''یہ سوال مجھے تم سے کرنا چاہئے تھا۔ تم مجھ سے شادی کرو گی؟''

''ہاں۔'' امامہ نے بڑی سہولت سے کہا۔

''اور آپ؟''

''میں...... میں ہاں، آف کورس۔ تمہارے علاوہ میں اور کس سے شادی کر سکتا ہوں۔'' اس نے اپنے جملے پر امامہ کے چہرے پر ایک چمک آتے دیکھی۔

''میں ہاؤس جاب ختم ہونے کے بعد اپنے والدین کو تمہارے ہاں بھجواؤں گا۔''

وہ اس بار جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چپ سی ہو گئی۔ ''جلال! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی کر لوں؟''

جلال اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔ ''کیا مطلب؟''

''ہو سکتا ہے میرے پیرنٹس اس شادی پر تیار نہ ہوں۔''

''کیا تم نے اپنے پیرنٹس سے بات کی ہے؟''

''نہیں۔''

''تو پھر تم یہ بات کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''کیوں میں اپنے پیرنٹس کو اچھی طرح جانتی ہوں۔'' اس نے رسانیت سے کہا۔

جلال یک دم کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ ''امامہ! میں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ تمہارے پیرنٹس کو ہم دونوں کی شادی پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا۔''

''مگر ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ اس صورت میں مجھ سے شادی کر لیں گے؟''

جلال کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ امامہ اضطراب کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد جلال نے اپنی خاموشی کو توڑا۔

''ہاں، میں تب بھی تم ہی سے شادی کروں گا۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اب کسی دوسری

لڑکی سے شادی کر سکوں۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے پیرنٹس اس شادی پر رضامند ہو جائیں لیکن اگر وہ نہیں ہوتے تو پھر ہمیں ان کی مرضی کے بغیر شادی کرنی ہوگی۔"

"کیا آپ کے پیرنٹس اس بات پر رضامند ہو جائیں گے؟"

"ہاں، میں انہیں مناؤں گا۔ وہ میری بات نہیں ٹالتے۔" جلال نے فخریہ انداز سے کہا۔

☆......☆......☆

وہ ہیلو کی آواز پر پلٹی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر سالار کھڑا تھا۔ وہ اپنے اسی بے ڈھنگے حلیے میں تھا۔ ٹی شرٹ کے سارے بٹن کھلے ہوئے تھے اور وہ خود جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح کے ردعمل کا اظہار کرے۔

سالار کے ساتھ تیمور بھی تھا۔

"آؤ، اس لڑکی سے ملواتا ہوں تمہیں۔" سالار نے امامہ کو کتابوں کی دکان پر دیکھا تو قریب چلا آیا۔

تیمور نے گردن موڑ کر دیکھا اور حیرانی سے کہا۔ "اس چادر والی سے؟"

"ہاں۔" سالار نے قدم بڑھائے۔

"یہ کون ہے؟" تیمور نے پوچھا۔

"یہ وسیم کی بہن ہے۔" سالار نے کہا۔

"وسیم کی؟ مگر تم اس سے کیوں مل رہے ہو؟ وسیم اور اس کی فیملی تو خاصی کنزرویٹو ہے۔ اس سے مل کر کیا کرو گے؟" تیمور نے امامہ پر دور سے ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"پہلی بار نہیں مل رہا ہوں، پہلے بھی مل چکا ہوں۔ بات کرنے میں کیا حرج ہے؟" سالار نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

امامہ نے میگزین ہاتھ میں پکڑے پکڑے ایک نظر سالار اور ایک نظر اس کے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھا جو تقریباً سالار جیسے ہی حلیے میں تھا۔

"ہاؤ آر یو؟" سالار نے اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کہا۔

"فائن۔" امامہ نے میگزین بند کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"یہ تیمور ہے، وسیم سے اس کی بھی خاصی دوستی ہے۔" سالار نے تعارف کرایا۔

امامہ نے ایک نظر تیمور کو دیکھا پھر ہاتھ کے اشارے سے شاپنگ سینٹر کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وسیم وہاں ہے۔"

سالار نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا اور پھر کہا۔

"مگر ہم وسیم سے ملنے تو نہیں آئے۔"

"تو؟" امامہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ سے بات کرنے آئے ہیں۔"

"مگر میں تو آپ کو نہیں جانتی پھر آپ مجھ سے کیا بات کرنے آئے ہیں؟" امامہ نے سرد مہری سے کہا۔ اسے سالار کی آنکھوں سے وحشت ہونے لگی تھی۔ کاش یہ کسی سے نظر جھکا کر بات کرنا سیکھ لیتا، خاص طور پر کسی لڑکی سے۔ اس نے میگزین دوبارہ کھول لیا۔

"آپ مجھے نہیں جانتیں؟" سالار مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔ "آپ کے گھر کے ساتھ ہی میرا گھر ہے۔"

"یقیناً ہے مگر میں آپ کو "ذاتی" طور پر نہیں جانتی۔" اس نے اسی رکھائی کے ساتھ میگزین پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"چند ماہ پہلے آپ نے ایک رات میری جان بچائی تھی۔" سالار نے مذاق اڑانے والے انداز میں اسے یاد دلایا۔

"میڈیکل کے اسٹوڈنٹ ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا۔ میرے سامنے کوئی بھی مر رہا ہوتا، میں یہی کرتی۔ اب مجھے ایکسکیوز کریں، میں کچھ مصروف ہوں۔"

سالار اس کے کہنے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوا۔ تیمور نے اس کے بازو کو ہولے سے کھینچ کر اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ اسے شاید وسیم کے حوالے سے امامہ کا لحاظ تھا مگر سالار نے اپنا بازو چھڑا لیا۔

"میں اس رات آپ کی مدد کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا، حالانکہ آپ نے مجھے پروفیشنل طریقے سے ٹریٹمنٹ نہیں دیا تھا۔"

اس بار سالار نے سنجیدگی سے کہا۔ امامہ نے اس کی بات پر میگزین سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"آپ کا اشارہ اگر اس تھپڑ کی طرف ہے تو ہاں وہ بالکل پروفیشنل نہیں تھا اور میں اس کے لئے معذرت کرتی ہوں۔"

"میں نے اسے مائنڈ نہیں کیا۔ میرا اشارہ اس طرف نہیں تھا۔" سالار نے لاپروائی سے کہا۔

"مجھے توقع تھی کہ آپ تھپڑ کو مائنڈ نہیں کریں گے۔" (کیونکہ اسی کے مستحق تھے اور ایک نہیں دس) اس نے جملے کا آدھا حصہ ضبط کر لیا۔

"ویسے آپ کا اشارہ کس طرف تھا؟"

"بے حد تھرڈ کلاس طریقے سے بینڈیج کی تھی آپ نے میری اور آپ کو پراپر طریقے سے بلڈ پریشر چیک کرنا نہیں آتا۔" سالار نے لاپروائی سے کہتے ہوئے چیونگم کی ایک اسٹک اپنے منہ میں ڈالی۔ امامہ کے کان کی لوئیں سرخ ہو گئیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

"افسوس ناک بات ہے کہ ایک ڈاکٹر کو ایسے معمولی کام نہ آتے ہوں جو کسی بھی عام آدمی کو آتے ہیں۔"

اس بار اس کا انداز پھر مذاق اُڑانے والا تھا۔

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں، میڈیکل کے ابتدائی سالوں میں ہوں، پہلی بات اور جہاں تک unprofessional ہونے کا تعلق ہے تو اگلی بار سہی، آپ نے تو ابھی اس طرح کی کئی کوششیں کرنی ہیں۔ میں آہستہ آہستہ آپ پر پریکٹس کر کے اپنا ہاتھ صاف کر لوں گی۔"

ایک لمحہ کے لئے وہ کچھ نہیں بول سکا پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ اُبھری۔ یوں جیسے وہ اس کی بات پر محظوظ ہوا تھا مگر شرمندہ نہیں اور اس نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

"اگر آپ مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش "

"کوشش کر رہی ہیں تو آپ اس میں ناکام ہوں گی۔ میں جانتی ہوں، آپ شرمندہ نہیں ہوتے، یہ صفت صرف انسانوں میں ہوتی ہے۔" امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آپ کے خیال میں، میں کیا ہوں؟" سالار نے اسی انداز میں کہا۔

"پتا نہیں، ایک ویٹ اس بارے میں آپ کو زیادہ بہتر گائیڈ کر سکے گا۔" وہ اس بار اس کی بات پر ہنسا۔

"دو پیروں پر چلنے والے جانور کو ہر میڈیکل ڈکشنری انسان کہتی ہے اور میں دو پیروں پر چلتا ہوں۔"

"ریچھ سے لے کر کتے تک ہر چار پیروں والا جانور دو پیروں پر چل سکتا ہے۔ اگر اسے ضرورت پڑے یا اس کا دل چاہے تو۔"

"مگر میرے چار پیر نہیں ہیں اور میں صرف ضرورت کے وقت نہیں، ہر وقت ہی دو پیروں پر چلتا ہوں۔" سالار نے عجیب سے انداز میں اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کے چار پیر نہیں ہیں، اسی لئے میں نے آپ کو ویٹ سے ملنے کو کہا ہے۔ وہ آپ کو آپ کی خصوصیات کے بارے میں صحیح طرح بتا سکے گا۔"

امامہ نے سرد آواز میں کہا۔ وہ اسے زچ کرنے میں واقعی کامیاب ہو چکا تھا۔

"ویسے جتنی اچھی طرح سے آپ جانوروں کے بارے میں جانتی ہیں، آپ ایک بہت اچھی ویٹ ثابت ہو سکتی ہیں۔ آپ کے علم سے خاصا متاثر ہوا ہوں میں۔" امامہ کے چہرے کی سرخی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ "اگر آپ میری ویٹ بن جاتی ہیں تو میں آپ کے بتائے ہوئے مشورے کے مطابق آپ ہی کے پاس آیا کروں گا تاکہ آپ میرے بارے میں ریسرچ کر کے مجھے بتا سکیں۔"

سالار نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی، صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی منہ پھٹ تھا اور ایسے شخص کے ساتھ لمبی گفتگو کرنا آ بیل مجھے مار

کے مترادف تھا اور وہ یہ حماقت کر چکی تھی۔

"ویسے آپ کیا فیس چارج کریں گی؟" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ وسیم آپ کو بتا دے گا۔" امامہ نے اس بار اسے دھمکانے کی کوشش کی۔

"چلیں ٹھیک ہے، یہ میں وسیم سے پوچھ لوں گا۔ اس طرح تو خاصی آسانی ہو جائے گی۔"

وہ اس کی دھمکی کو سمجھنے کے باوجود مرعوب نہیں ہوا اور اس نے امامہ کو یہ جتا بھی دیا۔ تیمور نے ایک بار پھر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"آؤ سالار! چلتے ہیں، مجھے ایک ضروری کام یاد آ رہا ہے۔" اس نے عجلت کے عالم میں سالار کو اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹنے کی کوشش کی مگر سالار نے توجہ نہیں دی۔

"چلتے ہیں یار! اس طرح کھینچو تو مت۔" وہ اس سے کہتے ہوئے ایک بار پھر امامہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بہرحال یہ سب مذاق تھا۔ میں واقعی آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔ آپ نے اور وسیم نے کافی مدد کی میری، گڈ بائے۔"

وہ کہتے ہوئے واپس مڑ گیا۔ امامہ نے بے اختیار ایک سکون کا سانس لیا۔ وہ شخص واقعی کریک تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وسیم جیسا شخص کیسے اس آدمی کے ساتھ دوستی رکھ سکتا ہے۔

وہ ایک بار پھر میگزین کے ورق اُلٹنے لگی۔ "سالار آیا تھا تمہارے پاس؟" وسیم نے اس کے پاس آ کر پوچھا۔ دور سے سالار اور تیمور کو دیکھ لیا تھا۔

"ہاں۔" امامہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور ایک بار پھر میگزین دیکھنے لگی۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" وسیم نے کچھ تجسس سے پوچھا۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تم نے اس جیسے شخص کے ساتھ دوستی کس طرح کر لی ہے۔ میں نے زندگی میں اس سے زیادہ بے ہودہ اور بدتمیز لڑکا نہیں دیکھا۔" امامہ نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرا شکریہ ادا کر رہا تھا اور ساتھ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ مجھے بینڈیج تک ٹھیک طرح سے کرنی نہیں آتی، نہ میں بلڈ پریشر چیک کر سکتی ہوں۔"

وسیم کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ "اس کو دفع کرو، یہ عقل سے پیدل ہے۔"

"میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ میں اسے دو ہاتھ اور لگاؤں، اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ منہ اُٹھا کر اپنے دوست کو لے کر پہنچ گیا ہے یہاں۔ بھئی! کس نے کہا ہے تم سے شکریہ ادا کرنے کو اور مجھے تو وہ دوسرا لڑکا بھی خاصا برا لگا اور وہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری اس کے ساتھ بھی دوستی ہے۔" امامہ کو اچانک یاد آیا۔

"دوستی تو نہیں، بس جان پہچان ہے۔" وسیم نے وضاحت پیش کی۔ "تمہیں ایسے لڑکوں کے

ساتھ جان پہچان رکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ حلیہ دیکھا تم نے ان دونوں کا۔ نہ انہیں بات کرنے کی تمیز تھی، نہ لباس پہننے کا سلیقہ اور منہ اٹھا کر شکریہ ادا کرنے آ گئے ہیں۔ بہرحال تم اس سے مکمل طور پر قطع تعلق کر لو، کوئی ضرورت نہیں ہے اس طرح کے لڑکوں سے جان پہچان کی بھی تمہیں۔"

امامہ نے میگزین رکھتے ہوئے ایک بار پھر اسے تنبیہ کی اور پھر باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ وسیم بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"مگر میں ایک بات پر حیران ہوں یہ جس حالت میں تھا اسے یہ کیسے یاد ہے کہ میں نے اس کی بینڈیج اچھی نہیں کی تھی یا بلڈ پریشر لینے میں مجھے دقت ہو رہی تھی۔" امامہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں یہ سمجھ رہی تھی کہ یہ ایسے ہی ہاتھ پاؤں جھٹک رہا ہے۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ارد گرد ہونے والی چیزوں کو بھی observe کر رہا ہے۔"

"ویسے بینڈیج واقعی خراب کی تھی تم نے اور اگر میں تمہاری مدد نہ کرتا تو۔ بلڈ پریشر کی ریڈنگ بھی تمہیں لینا نہیں آتی۔ کم از کم اس بارے میں وہ جو بھی کہہ رہا تھا ٹھیک کہہ رہا تھا۔" وسیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، مجھے پتا ہے۔" امامہ نے اعتراف کرنے والے انداز میں کہا۔ "مگر میں اس وقت بہت نروس تھی۔ میں پہلی بار اس طرح کی صورت حال کا شکار ہوئی تھی پھر اس کے ہاتھ سے نکلنے والا خون مجھے اور خوف زدہ کر رہا تھا اور اوپر سے اس کا رویہ کسی خودکشی کرنے والے انسان کو اس طرح کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا تھا میں نے۔"

"اور تم ڈاکٹر بننے جا رہی ہو، وہ بھی ایک قابل اور نامور ڈاکٹر، ناقابل یقین۔" وسیم نے تبصرہ کیا۔

"اب کم از کم تم اس طرح کی باتیں مت کرو۔" امامہ نے احتجاج کیا۔ "میں نے اس لئے تمہیں یہ سب نہیں بتایا کہ تم مذاق اڑاؤ۔ وہ لوگ پارکنگ ایریا میں پہنچ گئے تھے۔

☆ ..... ☆ ..... ☆

کچھ دنوں سے وہ جلال اور زینب کے رویے میں عجیب سی تبدیلی دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں اس سے بہت اکھڑے اکھڑے رہنے لگے تھے۔ ایک عجیب سا تناؤ تھا، جو وہ اپنے اور ان کے درمیان محسوس کر رہی تھی۔

اس نے ایک دو بار جلال کو ہاسپٹل فون کیا، مگر ہر بار اسے یہی جواب ملتا کہ وہ مصروف ہے۔ وہ زینب کو اگر کالج سے لینے بھی آتا تو پہلے کی طرح اس سے نہیں ملتا تھا اور اگر ملتا بھی تو صرف رسمی سی علیک سلیک کے بعد واپس چلا جاتا۔ وہ شروع میں اس تبدیلی کو اپنا وہم سمجھتی رہی مگر پھر زیادہ پریشان ہونے پر وہ ایک دن جلال کے ہاسپٹل چلی آئی۔

جلال کا رویہ بے حد سرد تھا۔ امامہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہیں آئی تھی۔

"کافی دن ہو گئے تھے ہمیں ملے ہوئے، اس لئے میں خود چلی آئی۔" امامہ نے اپنے سارے اندیشوں کو جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میری تو شفٹ شروع ہو رہی ہے۔"

امامہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "زینب بتا رہی تھی کہ اس وقت آپ کی شفٹ ختم ہوتی ہے، میں اسی لئے اس وقت آئی ہوں۔"

وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "ہاں صحیح ہے مگر آج میری کوئی اور مصروفیت ہے۔"

وہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔ "جلال! آپ کسی وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں؟" ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"نہیں، میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔" جلال نے اسی رکھائی سے کہا۔

"کیا آپ دس منٹ باہر آ کر میری بات سن سکتے ہیں؟"

جلال کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنا اوور آل اپنے بازو پر ڈال لیا اور کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔

باہر آتے ہی جلال نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر دوڑائی۔ یہ شاید اس کے لئے بات شروع کرنے کا اشارہ تھا۔ "آپ میرے ساتھ اس طرح مس بی ہیو کیوں کر رہے ہیں؟"

"کیا مس بی ہیو کر رہا ہوں؟" جلال نے اکھڑ انداز میں کہا۔

"آپ بہت دنوں سے مجھے اگنور کر رہے ہیں۔"

"ہاں، کر رہا ہوں۔"

امامہ کو توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی صفائی سے اس بات کا اعتراف کر لے گا۔

"کیونکہ میں تم سے ملنا نہیں چاہتا۔" وہ کچھ لمحوں کے لئے کچھ نہیں بول سکی۔ "کیوں؟"

"یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔" اس نے اسی طرح اکھڑ انداز میں کہا۔

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کا رویہ یک دم کیوں تبدیل ہو گیا ہے۔ کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی اس کی۔" امامہ نے کہا۔

"ہاں وجہ ہے مگر میں تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم بہت سی باتیں مجھے بتانا ضروری نہیں سمجھتیں۔"

"میں؟" وہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔ "میں نے کون سی باتیں آپ کو نہیں بتائیں؟"

"یہ کہ تم مسلمان نہیں ہو۔" جلال نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔ امامہ سانس تک نہیں لے سکی۔

"کیا تم نے یہ بات مجھ سے چھپائی نہیں؟"

"جلال! میں بتانا چاہتی تھی۔" امامہ نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

"چاہتی تھیں ... مگر تم نے بتایا تو نہیں...... دھوکا دینے کی کوشش کی تم نے۔"

"جلال! میں نے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی۔" امامہ نے جیسے احتجاج کیا۔ "میں آپ کو کیوں دھوکا دوں گی؟"

"مگر تم نے کیا یہی ہے۔" جلال نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"جلال میں —" جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم نے جان بوجھ کر مجھے ٹریپ کیا۔" امامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ٹریپ کیا؟" اس نے زیر لب جلال کے لفظوں کو دہرایا۔

"تم جانتی تھیں کہ میں اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کرتا ہوں۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں اسے دیکھتی رہی۔

"شادی تو دور کی بات ہے۔ اب جب میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان گیا ہوں تو میں تم سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔ تم دوبارہ مجھ سے ملنے کی کوشش مت کرنا۔" جلال نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"جلال! میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔" امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"اوہ کم آن" جلال نے تحقیر آمیز انداز میں اپنا ہاتھ جھٹکا۔ "یہاں کھڑے کھڑے تم نے میرے لئے اسلام قبول کر لیا۔" اس بار وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

"جلال! میں آپ کے لئے مسلم نہیں ہوئی۔ آپ میرے لئے ایک ذریعہ ضرور بنے ہیں، مجھے کئی ماہ ہو گئے ہیں اسلام قبول کئے اور اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں ہے تو میں آپ کو ثبوت دے سکتی ہوں۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔"

اس بار جلال کچھ الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"میں مانتی ہوں میں نے آپ کی طرف پیش قدمی خود کی۔ آپ کے بقول میں نے آپ کو ٹریپ کیا۔ میں نے ٹریپ نہیں کیا۔ میں صرف بے بس تھی۔ آپ کے معاملے میں مجھے خود پر قابو نہیں رہتا تھا۔ آپ کی آواز کی وجہ سے، آپ جانتے ہیں میں نے آپ کو بتایا تھا میں نے پہلی بار آپ کو نعت پڑھتے سنا تو میں نے کیا محسوس کیا تھا۔ آپ کو اگر میرے بارے میں پہلے ہی یہ سب کچھ پتہ چل جاتا تو آپ میرے ساتھ یہی سلوک کرتے جو اب کر رہے ہیں..... مجھے صرف اس بات کا اندیشہ تھا جس کی وجہ سے میں نے آپ سے بہت کچھ چھپائے رکھا۔ بعض باتوں میں انسان کو اپنے اوپر اختیار نہیں ہوتا۔ مجھے بھی آپ کے معاملے میں خود پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔"

اس نے رنجیدگی سے کہا۔

"تمہارے گھر والوں کو اس بات کا پتا ہے؟"

"نہیں۔ میں انہیں نہیں بتا سکتی۔ میری منگنی ہو چکی ہے۔ میں نے آپ کو اس بارے میں بھی نہیں بتایا" وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔ "مگر میں وہاں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ میں صرف اپنی تعلیم مکمل کرنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ تب میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤں گی اور پھر میں آپ سے شادی کروں گی۔

"چار پانچ سال بعد جب میں ڈاکٹر بن جاؤں گی تو شاید میرے پیرنٹس آپ سے میری شادی پر اس طرح اعتراض نہ کریں جس طرح وہ اب کریں گے۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ وہ میری تعلیم ختم کروا کر میری شادی اسجد سے کر دیں گے تو شاید میں انہیں ابھی اس بات کے بارے میں بتا دیتی کہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں مگر میں ابھی پوری طرح ان پر ڈپینڈنٹ ہوں۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ آپ وہ واحد راستہ تھے جو مجھے نظر آیا۔ مجھے واقعی آپ سے محبت ہے پھر میں آپ کو شادی کی پیشکش نہ کرتی تو اور کیا کرتی آپ اس صورت حال کا اندازہ نہیں کر سکتے جس کا سامنا میں کر رہی ہوں ... میری جگہ پر ہوتے تو آپ کو اندازہ ہوتا کہ میں جھوٹ بولنے کے لئے کتنی مجبور ہو گئی تھی۔"

جلال کچھ کہے بغیر پاس موجود لکڑی کے بنچ پر بیٹھ گیا وہ اب پریشان نظر آ رہا تھا۔ امامہ نے اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔

"کیا آپ کے دل میں میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے؟ صرف اس لئے میرے ساتھ الوداع ہیں، کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں؟"

جلال نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

"امامہ! بیٹھ جاؤ...... پورا پنڈورا باکس کھل گیا ہے میرے سامنے — اگر میں تمہاری صورت حال کا اندازہ نہیں کر سکتا تو تم بھی میری پوزیشن کو نہیں سمجھ سکتیں۔"

امامہ اس سے کچھ فاصلے پر رکھی بنچ پر بیٹھ گئی۔

"میرے والدین کبھی غیر مسلم لڑکی سے میری شادی نہیں کریں گے۔ قطع نظر اس کے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں یا نہیں۔"

"جلال! میں غیر مسلم نہیں ہوں۔"

"تم اب نہیں ہو مگر پہلے تو تھیں اور پھر تمہارا خاندان......"

"میں ان دونوں چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔" امامہ نے بے بسی سے کہا۔

جلال نے جواب میں کچھ نہیں کہا کچھ دیر وہ دونوں خاموش رہے۔

"کیا آپ اپنے پیرنٹس کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟" کچھ دیر بعد امامہ نے کہا۔

"یہ بہت بڑا قدم ہو گا۔" جلال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور بالفرض میں یہ کام کرنے کا سوچ لوں تو بھی نہیں ہو سکتا۔ تمہاری طرح میں بھی اپنے پیرنٹس پر ڈیپنڈنٹ ہوں۔" جلال نے اپنی مجبوری بتائی۔

"مگر آپ ہاؤس جاب کر رہے ہیں اور چند سالوں میں اسٹیبلش ہو جائیں گے۔" امامہ نے کہا۔

"میں ہاؤس جاب کے بعد اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں اور یہ میرے پیرنٹس کی مالی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسپیشلائزیشن کے بعد ہی میں واپس آ کر اپنی پریکٹس اسٹیبلش کر سکتا ہوں اور تین چار سال اپنی اسٹڈیز ختم کرنے میں بھی لگ جائیں گے۔"

جلال نے اسے یاد دلایا۔

"پھر؟" امامہ نے اسے مایوسی سے دیکھا۔

"پھر یہ کہ مجھے سوچنے کا وقت دو۔ شاید میں کوئی رستہ نکال سکوں۔ میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا مگر میں اپنا کیریئر بھی خراب نہیں کر سکتا۔ میرا پرابلم صرف یہ ہے کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ ہے میرے ماں باپ کا ہے اور وہ اپنی ساری جمع پونجی مجھ پر خرچ کر رہے ہیں یہ سوچ کر کہ میں کل کو ان کے لئے کچھ کروں گا۔"

وہ بات کرتے کرتے رکا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہارے والدین اپنی مرضی سے تمہاری شادی مجھ سے کر دیں۔ اس صورت میں کم از کم میرے والدین کو یہ اعتراض تو نہیں ہو گا کہ تم نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف انہیں بتائے بغیر مجھ سے شادی کی ہے؟"

وہ جلال کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "میں نہیں جانتی ..... ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔ وہ میری بات مانیں گے یا نہیں۔ میں ......" امامہ نے کچھ مایوسی کے عالم میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

جلال بات مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

"میری فیملی میں آج تک کسی لڑکی نے اپنی مرضی سے باہر کسی لڑکے سے شادی نہیں کی۔ اس لئے میں یہ نہیں بتا سکتی کہ ان کا رد عمل کیا ہو گا مگر میں یہ ضرور بتا سکتی ہوں کہ ان کا رد عمل بہت برا ہو گا۔ بہت برا۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن مجھے یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ میں اتنا بڑا قدم اٹھاؤں۔ آپ کو اندازہ ہونا چاہئے کہ میرے بابا کو کتنی شرمندگی اور بے عزتی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ صرف میرے لئے تو وہ سب کچھ نہیں بدل دیں گے۔

"اگر مجھے اپنی فیملی سے مدد کی توقع ہوتی تو میں گھر سے باہر سہاروں کی تلاش میں ہوتی۔ نہ ہی آپ سے اس طرح مدد مانگ رہی ہوتی۔"

دھیمے لہجے میں اپنی آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے اس نے جلال سے کہا۔

"امامہ! میں تمہاری مدد کروں گا میرے پیرنٹس میری بات نہیں ٹالیں گے۔ سمجھانے میں کچھ وقت لگے گا مگر میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں انہیں منا لوں گا۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ مجھے تمہاری مدد کرنی چاہئے۔"

وہ پرسوچ مگر کچھ اُلجھے ہوئے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ امامہ کو عجیب سی ڈھارس ہوئی۔ اسے جلال سے یہی توقع تھی۔

امامہ نے سوچا۔ "میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔"

☆ ☆ ☆

باب ۳

"یہ احمقانہ تجویز اسجد کے علاوہ کسی دوسرے کی ہو ہی نہیں سکتی۔ اسے احساس نہیں ہے کہ ابھی میں پڑھ رہی ہوں۔" امامہ نے اپنی بھابھی سے کہا۔

"نہیں اسجد نے یا اس کے گھر والوں نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ بابا خود تمہاری شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔" امامہ کی بھابھی نے رسانیت سے جواب دیا۔

"بابا نے کہا ہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ جب میں نے میڈیکل میں ایڈمیشن لیا تھا تب ان کا دور دور تک ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ وہ تو انکل اعظم سے بھی یہی کہتے تھے کہ وہ میرے ہاؤس جاب کے بعد ہی میری شادی کریں گے۔ پھر اب اچانک کیا ہوا؟" امامہ نے بے یقینی سے کہا۔

"کوئی بات ہوگی مگر مجھے تو امی نے یہی بتایا تھا کہ یہ خود بابا کی خواہش ہے۔" بھابھی نے کہا۔

"آپ انہیں بتا دیں کہ مجھے ہاؤس جاب سے پہلے شادی نہیں کرنی۔"

"ٹھیک ہے میں تمہاری بات ان تک پہنچا دوں گی مگر بہتر ہے تم اس سلسلے میں خود بابا سے بات کرو۔" بھابھی نے اسے مشورہ دیا۔

بھابھی کے کمرے سے جانے کے بعد بھی وہ کچھ پریشانی سے وہیں بیٹھی رہی۔ یہ اطلاع اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ اس کے پیروں کے نیچے سے محاورتاً نہیں حقیقتاً زمین نکل گئی تھی۔ وہ مطمئن تھی کہ اس کی ہاؤس جاب تک اس کی شادی کا مسئلہ زیرِ بحث نہیں آئے گا اور ہاؤس جاب کرنے کے بعد وہ اس قابل ہو جائے گی کہ خود کو سپورٹ کر سکے یا اپنی جلال سے شادی کے بارے میں فیصلہ کر سکے۔ تب تک جلال بھی اپنی ہاؤس جاب مکمل کر کے سیٹ ہو جاتا اور ان دونوں کے لئے کسی قسم کا کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوتا مگر اب اچانک اس کے گھر والے اس کی شادی کی بات کر رہے تھے۔ آخر کیوں؟"

"نہیں اسجد اور اس کے گھر والوں نے مجھ سے اس طرح کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ میں نے خود ان سے بات کی ہے۔"

اس رات وہ ہاشم مبین کے کمرے میں موجود تھی۔ اس کے استفسار پر ہاشم مبین نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"بات بھی کر لی ہے؟ بابا! آپ مجھ سے پوچھے بغیر کس طرح میری شادی ارینج کر سکتے ہیں۔" امامہ نے بے یقینی سے کہا۔

ہاشم مبین نے کچھ سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "یہ نسبت تمہاری مرضی سے ہی طے ہوئی تھی۔ تم سے پوچھا گیا تھا۔" انہوں نے جیسے اسے یاددہانی کروائی۔

"منگنی کی بات اور تھی۔ شادی کی بات اور ہے... آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ ہاؤس جاب سے پہلے آپ میری شادی نہیں کریں گے۔" امامہ نے انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا۔

"تمہیں اس شادی پر اعتراض کیوں ہے۔ کیا تم اسجد کو پسند نہیں کرتیں؟"

"بات پسند یا ناپسند کی نہیں ہے۔ اپنی تعلیم کے دوران میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں آئی اسپیشلسٹ بننا چاہتی ہوں۔ اس طرح آپ میری شادی کر دیں گے تو میرے تو سارے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔"

"بہت سی لڑکیاں شادی کے بعد تعلیم مکمل کرتی ہیں۔ تم اپنی فیملی میں دیکھو کتنی" ہاشم مبین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

امامہ نے ان کی بات کاٹ لی۔ "وہ لڑکیاں بہت ذہین اور قابل ہوتی ہوں گی۔ میں نہیں ہوں۔ میں ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتی ہوں۔"

"میں اعظم بھائی سے بات کر چکا ہوں، وہ تو تاریخ طے کرنے کے لئے آنے والے ہیں۔" ہاشم

مبین نے اس سے کہا۔

"آپ میری ساری محنت کو ضائع کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو میرے ساتھ یہی کرنا تھا تو آپ کو چاہئے تھا کہ آپ اس طرح کا کوئی وعدہ ہی نہ کرتے۔" امامہ نے ان کی بات پر ناراضی سے کہا۔

"جب میں نے تم سے وعدہ کیا تھا تب کی بات اور تھی..... تب حالات اور تھے اب "

امامہ نے ان کی بات کاٹی۔ "اب کیا بدل گیا ہے..... حالات میں کون سی تبدیلی آئی ہے جو آپ میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں؟"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اسجد تمہاری تعلیم میں تمہارے ساتھ پورا تعاون کرے گا۔ وہ تمہیں کسی چیز سے منع نہیں کرے گا۔" ہاشم مبین نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بابا مجھے اسجد کے تعاون کی ضرورت نہیں ہے مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ مجھے میری تعلیم مکمل کر لے دیں۔" امامہ نے اس بار قدرے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"امامہ تم فضول ضد مت کرو..... میں وہی کروں گا جو میں طے کر چکا ہوں۔" ہاشم مبین نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "میں ضد نہیں کر رہی درخواست کر رہی ہوں۔ پلیز بابا میں ابھی اسجد سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔" اس نے ایک بار پھر اسی ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"تمہاری نسبت کو چار سال ہونے والے ہیں اور یہ ایک بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے خود کچھ عرصے کے بعد کسی نہ کسی وجہ سے منگنی توڑ دی تو۔"

"تو کوئی بات نہیں کوئی قیامت نہیں آئے گی وہ منگنی توڑنا چاہیں تو توڑ دیں بلکہ ابھی توڑ دیں۔"

"تمہیں اس شرمندگی اور بے عزتی کا احساس نہیں ہے، جس کا سامنا ہمیں کرنا پڑے گا۔"

"کیسی شرمندگی بابا! یہ ان لوگوں کا اپنا فیصلہ ہوگا۔ اس میں ہماری تو کوئی غلطی نہیں ہوگی۔" اس نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر تم عقل سے پیدل ہو۔" ہاشم مبین نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

"بابا! کچھ نہیں ہوگا لوگ دو چار دن باتیں کریں گے پھر سب کچھ بھول جائیں گے۔ آپ اس بارے میں خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔" امامہ نے قدرے بے فکری اور لاپروائی سے کہا۔

"تم اس وقت بہت فضول باتیں کر رہی ہو۔ فی الحال تم یہاں سے جاؤ۔ ہاشم مبین نے ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

امامہ بادل ناخواستہ وہاں سے چلی آئی مگر اس رات وہ خاصی پریشان رہی۔

اگلے دن وہ واپس لاہور چلی آئی ہاشم مبین نے اس سے اس سلسلے میں دوبارہ بات نہیں کی لاہور آ کر وہ قدرے مطمئن ہو گئی اور ہر خیال کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے اپنے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گئی۔

ہاشم مبین نے اس واقعہ کو ذہن سے نہیں نکالا تھا، وہ ایک انتہائی محتاط طبیعت کے انسان تھے۔ وہ امامہ کے بارے میں پہلی بار اس وقت تشویش میں مبتلا ہوئے تھے، جب اسکول میں تحریم کے ساتھ جھگڑنے والا واقعہ پیش آیا تھا۔ اگرچہ وہ کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اس واقعے کے بعد انہوں نے احتیاطی تدابیر کے طور پر امامہ کی نسبت اسجد کے ساتھ طے کر دی تھی۔ ان کا خیال تھا اس طرح اس کا ذہن ایک نئے رشتے کی جانب مبذول ہو جائے گا اور اگر اس کے ذہن میں کوئی شبہ یا سوال پیدا ہوا بھی تو اس نئے تعلق کے بعد وہ اس بارے میں زیادہ تردد نہیں کرے گی۔ ان کا یہ خیال اور اندازہ صحیح ثابت ہوا تھا۔

امامہ کا ذہن واقعی تحریم کی طرف سے ہٹ گیا تھا۔ اسجد میں وہ پہلے بھی کچھ دلچسپی لیتی تھی مگر اس تعلق کے قائم ہونے کے بعد اس دلچسپی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ہاشم نے اسے بہت مطمئن اور مگن دیکھا تھا۔ وہ پہلے ہی کی طرح تمام مذہبی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتی تھی۔

مگر اس بار جو کچھ وسیم نے انہیں بتایا تھا اس نے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی تھی۔ وہ فوری طور پر یہ نہیں جان سکے مگر انہیں یہ ضرور علم ہو گیا کہ امامہ کے عقائد اور نظریات میں خاصی تبدیلی آ چکی تھی اور یہ نہ صرف ان کے لئے بلکہ ان کے پورے خاندان کے لئے بڑی تشویش کا باعث تھا۔

وہ اپنی بڑی بیٹیوں کی طرح اسے بھی اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتے تھے اور یہ اس لئے بھی اہم تھا کہ اسے شادی کے بعد خاندان ہی میں جانا تھا۔ وہ خاندان بہت تعلیم یافتہ تھا۔ خود ان کا ہونے والا داماد اسجد بھی امامہ کو اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتا تھا۔ ہاشم مبین کے لئے اس کی تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے اسے گھر بٹھا لینا آسان نہ تھا، کیونکہ اس صورت میں اسے اعظم مبین کو اس کی وجہ بتانی پڑتی اور امامہ سے سخت ناراض ہونے کے باوجود وہ نہیں چاہتے تھے کہ اعظم مبین اور ان کا خاندان امامہ کے ان بدلے ہوئے عقائد کے بارے میں جان کر برگشتہ اور بدظن ہوں اور پھر شادی کے بعد وہ اسجد کے ساتھ بری زندگی گزارے۔ انہوں نے ایک طرف اپنے گھر والوں کو اس بات کو راز رکھنے کی تاکید کی تو دوسری طرف امامہ کی منت سماجت پر اسے اپنی تعلیم جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔

امامہ صبیحہ کے لیکچر اٹینڈ کرنے اور اس کے ہاں جانے یا جلال سے ملنے کے معاملے میں اس قدر محتاط تھی کہ اس کا یہ میل جول ان لوگوں کی نظروں میں نہیں آ سکا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ زینب اور رابعہ کو بھی ہر چیز کے بارے میں اندھیرے میں رکھے ہوئے تھی۔ ورنہ اس کے بارے میں ضرور کوئی نہ کوئی خبر ادھر اُدھر گردش کرتی اور ہاشم مبین تک بھی پہنچ جاتی مگر ایسا نہیں ہوا ہاشم مبین اس کی طرف سے مطمئن ہو گئے تھے، مگر امامہ کے اندر آنے والی ان تبدیلیوں نے انہیں تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

ان کے دماغ میں جو واحد حل آیا تھا وہ اس کی شادی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی شادی کر دینے سے کم از کم وہ خود امامہ کی ذمہ داری سے مکمل طور پر آزاد ہو جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس طرح اچانک اس کی شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"جلال! میرے پیرنٹس اسجد سے میری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔" لاہور آنے کے بعد امامہ نے سب سے پہلے جلال سے ملاقات کی تھی۔

"مگر تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہاری ہاؤس جاب تک تمہاری شادی نہیں کریں گے۔" جلال نے کہا۔

"وہ ایسا ہی کہتے تھے، مگر اب وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہوں۔ اسجد لاہور میں گھر لے لے گا تو میں زیادہ آسانی سے اپنی تعلیم مکمل کر سکوں گی۔"

جلال اس کے چہرے سے اس کی پریشانی کا اندازہ کر سکتا تھا۔ جلال بھی یک دم فکر مند ہو گیا۔

"جلال! میں اسجد سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں کسی صورت اسجد سے شادی نہیں کر سکتی۔" وہ بڑبڑائی۔

"پھر تم اپنے پیرنٹس کو صاف صاف بتا دو۔" جلال نے یک دم کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

"کیا بتا دوں؟"

"یہی کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

"آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ وہ کس طرح ری ایکٹ کریں گے...... مجھے انہیں پھر سب کچھ ہی بتانا پڑے گا۔" وہ بات کرتے کرتے کچھ سوچنے لگی۔

"جلال! آپ اپنے پیرنٹس سے میرے سلسلے میں بات کریں۔ آپ انہیں میرے بارے میں بتائیں۔ اگر میرے پیرنٹس نے مجھ پر اور دباؤ ڈالا تو پھر مجھے اپنا گھر چھوڑنا پڑے گا، پھر مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہو گی۔"

"امامہ! میں اپنے پیرنٹس سے بات کروں گا۔ وہ رضامند ہو جائیں گے۔ میں جانتا ہوں میں انہیں منا سکتا ہوں۔" جلال نے اسے یقین دلایا۔ پوری گفتگو کے دوران پہلی بار امامہ کے چہرے پر مسکراہٹ اُبھری۔

اگلے چند ہفتے وہ اپنے پیپرز کے سلسلے میں مصروف رہی، جلال سے بات نہ ہو سکی۔ آخری پیپر والے دن وسیم اسے لینے کے لئے لاہور آ گیا تھا۔ وہ اسے وہاں یوں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"وسیم! میں ابھی تو نہیں جا سکتی۔ آج تو میں پیپرز سے فارغ ہوئی ہوں مجھے ابھی یہاں کچھ کام ہیں۔"

"میں کل تک یہیں ہوں۔ اپنے دوست کے ہاں ٹھہر جاتا ہوں جب تم تک اپنے کام نمٹا لو پھر اکٹھے چلیں گے۔" وسیم نے اس کے لئے مدافعت کا آخری راستہ بھی بند کر دیا۔

"میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔" امامہ نے کچھ بے دلی سے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ اسے اندازہ تھا کہ وسیم اسے ساتھ لے کر ہی جائے گا۔

"تم اپنی چیزیں پیک کر لو۔ اب تم ساری چھٹیاں وہاں گزار کر ہی آنا۔" اسے واپس مڑتے دیکھ کر وسیم نے کہا۔

اس نے سر ہلا دیا مگر اس کا اپنی تمام چیزیں پیک کرنے یا اسلام آباد میں ساری چھٹیاں گزارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے طے کیا تھا کہ وہ چند دن وہاں گزار کر کسی نہ کسی بہانے سے واپس لاہور آ جائے گی اور یہ ہی اس کی غلط فہمی تھی۔

رات کے کھانے پر وہ سب گھر والوں کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی اور سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"پیپر کیسے ہوئے تمہارے؟" ہاشم مبین نے کھانا کھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"بہت اچھے ہوئے۔ ہمیشہ کی طرح۔" اس نے چاول کا چمچ منہ سے ڈالتے ہوئے کہا۔

"وری گڈ۔ چلو کم از کم پیپرز کی ٹینشن تو ختم ہوئی۔ اب تم کل سے اپنی شاپنگ شروع کر دو۔"

امامہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ "شاپنگ؟ کیسی شاپنگ؟"

"فرنیچر کی اور جیولرز کے پاس پہلے چلے جانا تم لوگ۔ باقی چیزیں تو آہستہ آہستہ ہوتی رہیں گی۔" ہاشم مبین نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس بار اپنی بیوی سے کہا۔

"بابا! مگر کس لئے؟" امامہ نے ایک بار پھر پوچھا۔ "تمہاری امی نے بتایا نہیں تمہیں کہ ہم نے تمہاری شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔"

امامہ کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا۔ ایک لمحہ میں اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

"میری شادی کی تاریخ؟" اس نے بے یقینی سے باری باری سلمیٰ اور ہاشم کو دیکھا جو اس کے تاثرات پر حیران نظر آ رہے تھے۔

"ہاں تمہاری شادی کی تاریخ ....." ہاشم مبین نے کہا۔

"یہ آپ کیسے کر سکتے ہیں؟ مجھ سے پوچھے بغیر۔ مجھے بتائے بغیر۔" ہونق چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم سے پچھلی دفعہ بات ہوئی تھی، اس سلسلے میں۔" ہاشم مبین یک دم سنجیدہ ہو گئے۔

"اور میں نے انکار کر دیا تھا۔ میں۔"

ہاشم مبین نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ "میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ مجھے تمہارے انکار کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں اسجد کے گھر والوں سے بات کر چکا ہوں۔" ہاشم مبین نے تیز آواز میں کہا۔

ڈائننگ ٹیبل پر یک دم گہری خاموشی چھا گئی تھی کوئی بھی کھانا نہیں کھا رہا تھا۔

امامہ یک دم اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ "آئی ایم سوری بابا، مگر میں اسجد سے ابھی شادی نہیں کر

سکتی۔ آپ نے یہ شادی طے کی ہے۔ آپ ان سے بات کر کے اسے ملتوی کر دیں۔ ورنہ میں خود ان سے بات کر لوں گی۔" ہاشم مبین کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تم اسجد سے شادی کرو گی اور اسی تاریخ کو جو میں نے طے کی ہے۔ تم نے سنا؟" وہ بے اختیار چلائے۔

"It's not fair" امامہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم اب مجھے یہ بتاؤ گی کیا فیئر ہے اور کیا نہیں۔ تم بتاؤ گی مجھے؟" ہاشم مبین کو اس کی بات پر اور غصہ آیا۔

"بابا! جب میں نے آپ سے کہا تھا کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی تو آپ زبردستی کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ۔" امامہ بے اختیار رونے لگی۔

"کر رہا ہوں زبردستی، میں حق رکھتا ہوں۔" وہ چلائے۔ امامہ اس بار کچھ کہنے کے بجائے اپنے ہونٹ بھینچے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ تیزی سے ڈائننگ روم سے نکل گئی۔

"میں اس سے بات کرتی ہوں۔ آپ پلیز کھانا کھائیں۔ اتنا غصہ نہ کریں۔ وہ جذباتی ہے اور کچھ نہیں۔" سلمیٰ نے ہاشم مبین سے کہا اور خود وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان کے کمرے سے نکلتے ہی وسیم کو دیکھ کر امامہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ نکل جاؤ۔" اس نے تیزی سے وسیم کے پاس جا کر اسے دھکا دینے کی کوشش کی۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے؟"

"جھوٹ بول کر اور دھوکا دے کر تم مجھے یہاں لے کر آئے ہو۔ مجھے اگر لاہور میں پتہ چل جاتا کہ تم اس لئے مجھے اسلام آباد لا رہے ہو تو میں کبھی یہاں نہ آتی۔" وہ دھاڑی۔

"میں نے وہی کیا جو مجھ سے بابا نے کہا۔ بابا نے کہا تھا میں تمہیں نہ بتاؤں۔" وسیم نے وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم یہاں میرے پاس کیوں آئے ہو۔ بابا کے پاس جاؤ۔ ان کے پاس بیٹھو۔ بس یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" وسیم ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بنا کمرے سے نکل گیا۔

امامہ اپنے کمرے میں جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کے پیروں کے نیچے سے صحیح معنوں میں زمین نکل چکی تھی۔ یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے گھر والے اس کے ساتھ اس طرح کر سکتے ہیں۔ وہ اتنے قدامت پرست ہرگز نہیں تھے جتنے وہ اس وقت ہو گئے تھے۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ مجھے اس صورت حال کا سامنا کرنا ہے۔ مجھے ہمت نہیں ہارنی۔ مجھے کسی نہ کسی طرح فوری طور جلال سے کانٹیکٹ کرنا ہے۔ وہ یقیناً اب تک

اپنے پیرنٹس سے بات کر چکا ہو گا۔ اس سے بات کر کے کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچتی رہی۔ اس کے کمرے میں دوبارہ کوئی نہیں آیا۔

رات بارہ بجے کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ وہ جانتی تھی۔ اس وقت تک سب سونے کے لئے جا چکے ہوں گے۔ اس نے جلال کے گھر کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ فون کسی نے نہیں اٹھایا۔ اس نے یکے بعد دیگرے کئی بار نمبر ملایا۔ آدھ گھنٹہ تک اسی طرح کال کرتے رہنے کے بعد اس نے مایوسی کے ساتھ فون رکھ دیا۔ وہ جویریہ یا رابعہ کو فون نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دونوں اس وقت ہاسٹل میں تھیں۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے صبیحہ کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے والد نے فون اٹھایا تھا۔

"بیٹا! صبیحہ تو پشاور گئی ہے اپنی امی کے ساتھ۔" صبیحہ کے والد نے امامہ کو بتایا۔

"پشاور؟" امامہ کے دل کی دھڑکن رک گئی۔

"اس کے کزن کی شادی ہے، وہ لوگ ذرا پہلے چلے گئے ہیں۔ میں بھی کل چلا جاؤں گا۔" اس کے والد نے بتایا۔ "کوئی پیغام ہو تو آپ مجھے دے دیں میں صبیحہ کو پہنچا دوں گا۔"

"نہیں شکریہ انکل!" وہ ان کے ساتھ اس سارے معاملے کے بارے میں کیا بات کر سکتی تھی۔

اس نے فون رکھ دیا۔ اس کے ڈپریشن میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ اگر میرا جلال سے کانٹیکٹ نہ ہوا تو۔ اس کا دل ایک بار پھر ڈوبنے لگا۔

ایک بار پھر اس نے جلال کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا اور تب ہی کسی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ وہ سن ہو گئی ہاشم مبین اس کے پیچھے کھڑے تھے۔

"کس کو فون کر رہی ہو؟" ان کے لہجے میں بے حد ٹھہراؤ تھا۔

"دوست کو کر رہی تھی۔" امامہ نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ ان سے نظریں ملا کر جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

"میں ملا دیتا ہوں۔" انہوں نے سرد آواز میں کہتے ہوئے ری ڈائل کا بٹن دبا دیا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ امامہ زرد چہرے کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح ریسیور کان سے لگائے کھڑے رہے پھر انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ یقیناً دوسری طرف سے کال ریسیو نہیں کی گئی تھی۔

"کون سی دوست ہے یہ تمہاری جس کو تم اس وقت فون کر رہی ہو۔" انہوں نے درشت لہجے میں امامہ سے پوچھا۔

"زینب" فون کی اسکرین پر زینب کا نمبر تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہاشم مبین کو زینب پر کسی قسم کا شک ہو اور وہ جلال تک جا پہنچیں، اس لئے اس نے ان کے استفسار پر جلدی سے اس کا نام بتا دیا۔

"کس لئے کر رہی ہو؟"

"میں اس کے ذریعے جویریہ تک ایک پیغام پہنچانا چاہتی ہوں۔" اس نے تحمل سے کہا۔

"تم مجھے وہ پیغام دے دو، میں جویریہ تک پہنچا دوں گا، بلکہ ذاتی طور پر خود لاہور دے کر آؤں گا۔

امامہ! مجھے صاف صاف بتاؤ کسی اور لڑکے میں انٹرسٹڈ ہو تم؟" انہوں نے کسی تمہید کے بغیر اچانک اس سے پوچھا۔ وہ انہیں کچھ دیر دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"ہاں!"

ہاشم مبین دم بخود رہ گئے۔ "کسی اور لڑکے میں انٹرسٹڈ ہو؟" انہوں نے بے یقینی سے اپنا جملہ دہرایا۔ امامہ نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ہاشم مبین نے بے اختیار اس کے چہرے پر تھپڑ کھینچ مارا۔

"مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا تم سے، مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا۔" وہ غصے میں تنتنا تے گئے۔ امامہ گم صم اپنے گال پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھ رہی تھی۔ یہ پہلا تھپڑ تھا جو ہاشم مبین نے اس کی زندگی میں اسے مارا تھا اور امامہ کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ تھپڑ اسے مارا گیا تھا۔ وہ ہاشم مبین کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی پھر بھی انہوں نے اس کے گالوں پر آنسو بہہ نکلے تھے۔

"اسجد کے علاوہ میں تمہاری شادی کہیں اور نہیں ہونے دوں گا۔ تم اگر کسی اور لڑکے میں انٹرسٹڈ ہو بھی تو اسے ابھی اور اسی وقت بھول جاؤ۔ میں کبھی...... کبھی...... کبھی تمہاری کہیں اور شادی نہیں ہونے دوں گا۔ اپنے کمرے میں چلی جاؤ...... اور دوبارہ اگر میں نے تمہیں فون کے پاس بھی دیکھا تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

وہ اسی طرح گال پر ہاتھ رکھے میکانکی انداز میں چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ اپنے کمرے میں آکر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "کیا بابا مجھے...... مجھے اس طرح مار سکتے ہیں؟" اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ بہت دیر تک اسی طرح روتے رہنے کے بعد اس کے آنسو خود بخود خشک ہونے لگے۔ وہ اٹھ کر اضطراب کے عالم میں اپنے کمرے کی کھڑکی کی طرف آگئی اور خالی الذہنی کے عالم میں بند کھڑکیوں کے شیشوں سے باہر دیکھنے لگی۔

نیچے اس کے گھر کا لان نظر آرہا تھا جو نیم تاریک تھا اور پھر لاشعوری طور پر اس کی نظر دوسرے گھر پر پڑی۔ وہ سالار کا گھر تھا۔ اس کا کمرہ پچھلی منزل پر تھا۔ دور سے کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ اس گھر میں ایک دفعہ جانے کے بعد اس کی لوکیشن اور کمرے میں پھرنے والے کے حلیے اور جسامت سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ سالار کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔

"ہاں! یہ شخص میری مدد کر سکتا ہے۔ اگر میں اسے ساری صورت حال بتاؤں اور اس سے کہوں کہ لاہور جا کر جلال سے رابطہ کرے تو...... تو میرا مسئلہ حل ہو سکتا ہے مگر اس سے رابطہ کیسے...... ؟"

اس کے ذہن میں یک دم اس کی گاڑی کے پچھلے شیشے پر لکھا ہوا اس کا موبائل نمبر اور نام یاد آیا۔ اس نے ذہن میں موبائل نمبر کو دہرایا، اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا لے کر اس نے احتیاط کے طور پر اس نمبر کو لکھ لیا۔ تین بجے کے قریب وہ آہستہ آہستہ ایک بار پھر لاؤنج میں آگئی اور اس نے وہ نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

☆......☆......☆

سالار نے نیند میں اپنے موبائل کی بیپ سنی تھی۔ جب لگاتار موبائل بجتا رہا تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور قدرے ناگواری کے عالم میں بیڈ سائیڈ ٹیبل کو ٹٹولتے ہوئے موبائل اٹھایا۔

"ہیلو!" امامہ نے سالار کی آواز پہچان لی تھی، وہ فوری طور پر کچھ نہیں بول سکی۔

"ہیلو۔" اس کی خوابیدہ آواز دوبارہ سنائی دی۔ "سالار!" اس نے اس کا نام لیا۔

"بول رہا ہوں۔" اس نے اسی خوابیدہ آواز میں کہا۔

"میں امامہ بول رہی ہوں۔" وہ کہنے والا تھا۔ "کون امامہ...... میں کسی امامہ کو نہیں جانتا۔" مگر اس کے دماغ نے کرنٹ کی طرح اسے سگنل دیا تھا اس نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ وہ نام کے ساتھ اس آواز کو بھی پہچان چکا تھا۔

"میں وسیم کی بہن بول رہی ہوں۔" اس کی خاموشی پر امامہ نے اپنا تعارف کرایا۔

"میں پہچان چکا ہوں۔" سالار نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ سائیڈ لیمپ کو آن کر دیا۔ اس کی نیند غائب ہو چکی تھی۔ ٹیبل پر پڑی ہوئی اپنی رسٹ واچ اٹھا کر وقت دیکھا۔ گھڑی تین بج کر دس منٹ بجا رہی تھی۔ اس نے قدرے بے یقینی سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے گھڑی کو دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ دوسری طرف اب خاموشی تھی۔

"ہیلو!" سالار نے اسے مخاطب کیا۔

"سالار! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" سالار کے ماتھے پر کچھ بل آئے۔ "میں نے ایک بار تمہاری زندگی بچائی تھی، اب میں چاہتی ہوں تم میری زندگی بچاؤ۔" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی بات سنتا رہا۔ "میں لاہور میں کسی سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں مگر کر نہیں پا رہی۔"

"کیوں؟"

"وہاں سے کوئی فون نہیں اٹھا رہا۔"

"تم رات کے اس وقت "

امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "پلیز! اس وقت صرف میری بات سنو۔ میں دن کے وقت فون نہیں کر سکتی اور شاید کل رات کو بھی نہ کر سکوں۔ میرے گھر والے مجھے فون نہیں کرنے دیں گے، میں

چاہتی ہوں کہ تم ایک ایڈریس اور فون نمبر نوٹ کر لو اور اس پر ایک آدمی سے کانٹیکٹ کرو۔ اس کا نام جلال انصر ہے۔ تم اس سے صرف یہ پوچھ کر بتا دو کہ کیا اس نے اپنے پیرنٹس سے بات کی ہے اور اگر کی ہے تو ان کا کیا رسپانس ہے۔ اسے یہ بھی بتا دو کہ میرے پیرنٹس نے یہاں میری شادی طے کر دی ہے اور وہ مجھے اب شادی کے بغیر لاہور آنے نہیں دیں گے۔"

سالار کو اچانک اس سارے معاملے سے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ کمبل کو اپنے گھٹنوں سے اوپر تک کھینچتے ہوئے وہ امامہ کی بات سنتا رہا۔ وہ ایک ایڈریس اور فون نمبر دہرا رہی تھی۔ سالار نے اس نمبر اور ایڈریس کو نوٹ نہیں کیا۔ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس نے پوچھا۔

"اور اگر میرے فون کرنے پر بھی کسی نے فون نہیں اٹھایا تو؟" جب وہ خاموش ہو گئی تو اس نے پوچھا۔

دوسری طرف لمبی خاموشی رہی پھر امامہ نے کہا۔ "تم لاہور جا کر اس آدمی سے مل سکتے ہو۔ پلیز یہ میرے لئے بہت ضروری ہے ..." اس بار امامہ کی آواز ملتجیانہ تھی۔

"اور اگر اس نے پوچھا کہ میں کون ہوں تو؟"

"تم جو چاہے اسے بتا دینا مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے میں صرف اس مصیبت سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم اس آدمی سے خود بات کرو۔" سالار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ شاید مجھے دوبارہ فون کا موقع نہ ملے اور فی الحال تو آدمی فون ریسیو نہیں کر رہا۔"

سالار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور اس نے مایوسی کے عالم میں مزید کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔

سالار موبائل بند کرنے کے بعد کچھ دیر اسے ہاتھ میں لے کر بیٹھا رہا۔ جلال انصر امامہ ہاشم رابطہ ...... پیرنٹس سے بات ...... زبردستی کی شادی "اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے اس جگسا پزل کے ٹکڑوں کو جوڑنا شروع کر دیا۔ اس نے امامہ سے جلال کے بارے میں پوچھا نہیں تھا مگر وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس سے امامہ کا تعلق کس طرح کا ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی دائیں ٹانگ ہلاتے ہوئے ان دونوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسے یہ صورت حال خاصی دلچسپ محسوس ہو رہی تھی کہ امامہ جیسی لڑکی اس طرح کے کسی افیئر میں انوالو ہو سکتی تھی ... وہ اپنے لئے اس کی ناپسندیدگی سے بھی واقف تھا اور اسے یہ بات بھی حیران کر رہی تھی کہ اس کے باوجود وہ اس سے مدد مانگ رہی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہیں خاتون ...... ؟ مجھے استعمال کرنے کی کوشش یا پھنسانے کی کوشش ...... ؟"

اس نے دلچسپی سے سوچا۔

کمبل اپنے سینے تک کھینچتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں، مگر نیند اس کی آنکھوں سے مکمل طور پر دور تھی۔

وہ پچھلے کئی سالوں سے وسیم اور اس کے سارے گھر والوں کو جانتا تھا۔ وہ امامہ کو بھی سرسری طور پر دیکھ چکا تھا مگر ان ملاقاتوں میں اس نے امامہ پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کے اپنے گھر والوں کے برعکس وسیم کا گھرانہ خاصا روایت پرست تھا اور وہ کبھی بھی اس طرح کھلے عام ان کے گھر نہیں جا سکا، جس طرح وہ اپنے دوسرے دوستوں کے گھروں میں جاتا تھا مگر اس نے اس بات پر بھی کبھی زیادہ غور و خوض نہیں کیا تھا اس کا خیال تھا کہ ہر خاندان کا اپنا ماحول اور روایات ہوتی ہیں، اسی طرح وسیم کے خاندان کی بھی اپنی روایات تھیں۔ اسے امامہ کے موڈ اور ٹمپرامنٹ کا تھوڑا اندازہ تھا۔

مگر اس طرح اچانک امامہ کی کال وصول کر کے وہ اس حیرت کے جھٹکے سے سنبھل نہیں پا رہا تھا جو اسے لگا تھا۔

جب وہ کافی دیر تک سونے میں کامیاب نہیں ہوا تو وہ کچھ جھنجلا گیا۔

To hell with Imama and all the rest (بھاڑ میں جائے امامہ اور یہ سارا قصہ) وہ بڑبڑایا اور کروٹ لے کر اس نے تکیہ اپنے چہرے کے اوپر رکھ لیا۔

☆ ...... ☆ ...... ☆

امامہ اپنے کمرے میں آ کر بھی اسی طرح بیٹھی رہی، اسے اپنے پیٹ میں گرہیں پڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ صرف چند گھنٹوں میں سب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ پوری رات سو نہیں سکی۔ صبح وہ ناشتہ کے لئے باہر آئی، اس کی بھوک یک دم جیسے غائب ہو گئی تھی۔

دس ساڑھے دس بجے کے قریب اس نے پورچ میں کچھ گاڑیوں کے اسٹارٹ ہونے اور جانے کی آوازیں سنیں۔ وہ جانتی تھی اس وقت ہاشم مبین اور اس کے بڑے بھائی آفس چلے جاتے تھے اور اسے ان کے آفس جانے کا انتظار تھا۔ ان کے جانے کے آدھ گھنٹے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر آئی۔ لاؤنج میں اس کی امی اور بھابھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے فون کے پاس چلی گئی۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے اپنی امی کی آواز سنائی دی۔

"تمہارے بابا کہہ کر گئے ہیں کہ تم کہیں فون نہیں کرو گی۔" اس نے گردن موڑ کر اپنی امی کو دیکھا۔

"میں اسجد کو فون کر رہی ہوں۔"

"کس لئے؟"

"میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہی فضول باتیں جو تم رات کو کر رہی تھیں۔" سلمیٰ نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے سامنے بات کر رہی ہوں، آپ مجھے بات کرنے دیں اگر میں نے کوئی غلط بات کی تو آپ فون بند کر سکتی ہیں۔" اس نے پرسکون انداز میں کہا اور شاید یہ اس کا انداز ہی تھا جس نے سلمیٰ کو کچھ مطمئن کر دیا۔

امامہ نے نمبر ڈائل کیا مگر وہ اسجد کو فون نہیں کر رہی تھی۔ چند بار بیل بجنے کے بعد دوسری طرف فون اٹھا لیا گیا۔ فون اٹھانے والا جلال ہی تھا۔ خوشی کی ایک لہر امامہ کے اندر سے گزر گئی۔

"ہیلو، میں امامہ بول رہی ہوں۔" اس نے جلال کا نام لئے بغیر اعتماد سے کہا۔

"تم بتائے بغیر اسلام آباد کیوں چلی گئیں میں کل تم سے ملنے ہاسٹل گیا تھا۔" جلال نے کہا۔

"میں کل اسلام آباد آئی ہوں اسجد!" امامہ نے کہا۔

"اسجد!" دوسری طرف سے جلال کی آواز آئی۔ "تم کس سے کہہ رہی ہو؟"

"مجھے بابا نے رات ہی بتایا کہ میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے۔"

"امامہ؟" جلال کو جیسے ایک کرنٹ لگا۔ "شادی کی تاریخ۔" امامہ اس کی بات سنے بغیر اسی پرسکون انداز میں بولتی رہی۔ "میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے اپنے پیرنٹس سے بات کی ہے؟"

"امامہ! میں ابھی بات نہیں کر سکا۔"

"تو پھر تم بات کرو، میں تمہارے علاوہ کسی دوسرے سے شادی نہیں کر سکتی یہ تم جانتے ہو مگر میں اس طرح کی شادی نہیں کروں گی۔ تم اپنے پیرنٹس سے بات کرو اور پھر مجھے بتاؤ کہ وہ کیا کہتے ہیں۔"

"امامہ! کیا تمہارے پاس کوئی ہے؟" جلال کے ذہن میں اچانک ایک جھماکا ہوا۔

"ہاں۔"

"اس لئے تم مجھے اسجد کہہ رہی ہو؟"

"ہاں!"

"میں اپنے پیرنٹس سے بات کرتا ہوں، تم مجھے دوبارہ رنگ کب کرو گی؟"

"تم مجھے بتا دو کہ میں تمہیں کب رنگ کروں؟"

"کل فون کر لو، تمہاری شادی کی تاریخ کب طے کی گئی ہے۔" جلال کی آواز میں پریشانی تھی۔

"یہ مجھے نہیں پتا۔" امامہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے امامہ! میں آج ہی اپنے پیرنٹس سے بات کرتا ہوں اور تم پریشان مت ہونا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے امامہ کو تسلی دیتے ہوئے فون بند کر دیا۔

امامہ نے شکر ادا کیا تھا کہ اس کی بھابھی یا امی کو یہ شک نہیں ہو سکا کہ وہ اسجد سے نہیں کسی اور سے

بات کر رہی تھی۔

"یہ شادی تمہارے بابا اور اعظم بھائی نے مل کر طے کی ہے۔ تمہارے یا اسجد کے کہنے پر وہ اسے ملتوی نہیں کریں گے۔" سلمیٰ نے اس بار قدرے نرم لہجے میں کہا۔

"امی! میں مارکیٹ تک جا رہی ہوں، مجھے کچھ ضروری چیزیں لینی ہیں۔" امامہ نے ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

"فون کی بات دوسری ہے مگر میں تمہیں گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ تمہارے بابا نہ صرف مجھے بلکہ چوکیدار کو بھی ہدایت کر گئے ہیں کہ تمہیں باہر جانے نہ دے۔"

"امی! آپ لوگ میرے ساتھ آخر اس طرح کیوں کر رہے ہیں؟" امامہ نے کچھ بے بسی کے عالم میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں نے آپ کو اپنی شادی سے تو منع نہیں کیا۔ میری ہاؤس جاب تک انتظار کر لیں، اس کے بعد میری شادی کر دیں۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تم شادی سے انکار کیوں کر رہی ہو۔ تمہاری شادی جلدی ہو رہی ہے مگر تمہاری مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہی۔" اس بار اس کی بھابھی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"خواہ مخواہ کل رات سے پورا گھر ٹینشن کا شکار ہے اور میں تو تمہیں دیکھ کر حیران ہوں تم تو کبھی بھی اس طرح ضد نہیں کرتی تھیں پھر اب کیا ہو گیا ہے تمہیں جب سے تم لاہور گئی ہو بہت عجیب ہو گئی ہو تم۔"

"اور ہمارے چاہنے سے ویسے بھی کچھ نہیں ہو گا۔ میں نے تمہیں بتایا ہے، تمہارے بابا نے طے کیا ہے یہ سب کچھ۔"

"آپ انہیں سمجھا تو سکتی تھیں۔" امامہ نے سلمیٰ کی بات پر احتجاج کیا۔

"کس بات پر؟ سمجھاتی تو تب اگر مجھے کوئی بات قابلِ اعتراض لگتی اور مجھے کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں لگی۔" سلمیٰ نے بڑے آرام سے کہا۔ امامہ غصے کے عالم میں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆......☆......☆

سالار صبح خلافِ معمول دیر سے اٹھا۔ گھڑی دیکھتے ہوئے اس نے کالج نہ جانے کا فیصلہ کیا۔ سکندر اور طیبہ کراچی گئے ہوئے تھے اور وہ گھر پر اکیلا ہی تھا۔ ملازم جس وقت ناشتہ لے کر آیا وہ ٹی وی آن کئے بیٹھا تھا۔

"ذرا ناصرہ کو اندر بھیجنا۔" اسے ملازم کو دیکھ کر کچھ یاد آیا۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد ناصرہ اندر داخل ہوئی۔

"صاحب جی! آپ نے بلایا ہے؟" ادھیڑ عمر ملازمہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میں نے بلایا ہے — تم سے ایک کام کروانا ہے۔" سالار نے ٹی وی کا چینل بدلتے ہوئے کہا۔

"ناصرہ! تمہاری بیٹی وسیم کے گھر کام کرتی ہے نا؟" سالار اب ریموٹ رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاشم صاحب کے گھر؟" ناصرہ نے کہا۔

"ہاں، ان ہی کے گھر۔"

"ہاں جی کرتی ہے۔" وہ کچھ حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"کس وقت جاتی ہے وہ ان کے گھر؟"

"اس وقت ان کے گھر پر ہی ہے — کیا ہوا ہے سالار صاحب؟" ناصرہ اب کچھ پریشان نظر آنے لگی۔

"کچھ نہیں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کے پاس جاؤ۔ یہ موبائل اسے دو اور اس سے کہو کہ یہ امامہ کو دے دے۔" سالار نے بڑے لاپروا انداز میں اپنا موبائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

ناصرہ ہکابکا رہ گئی۔ میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔

"یہ موبائل اپنی بیٹی کو دو اور اس سے کہو کسی کو بتائے بغیر یہ امامہ تک پہنچا دے۔"

"مگر کیوں؟"

"یہ جاننا تمہارے لئے ضروری نہیں ہے، تمہیں جو کہا ہے وہی کرو۔" سالار نے ناگواری کے عالم میں اسے جھڑکا۔

"لیکن اگر کسی کو وہاں پتا چل گیا تو —" ناصرہ کی بات کو اس نے درشتی سے کاٹ دیا۔

"کسی کو پتا تب چلے گا جب تم اپنا منہ کھولو گی..... اور تم اپنا منہ کھولو گی تو صرف تمہیں اور تمہاری بیٹی کو نقصان ہوگا اور کسی کو نہیں لیکن اگر تم اپنا منہ بند رکھو گی تو نہ صرف کسی کو پتا نہیں چلے گا بلکہ تمہیں بھی خاصا فائدہ ہوگا۔"

ناصرہ نے اس بار کچھ کہے بغیر خاموشی سے وہ موبائل پکڑ لیا۔ "میں پھر کہہ رہا ہوں کسی کو اس موبائل کے بارے میں پتا نہیں چلنا چاہئے۔" وہ اپنا والٹ نکال رہا تھا۔

ناصرہ سر ہلاتے ہوئے جانے لگی۔ "ایک منٹ ٹھہرو۔" سالار نے اسے روکا۔ وہ اب اپنے والٹ سے کچھ کرنسی نوٹ نکال رہا تھا۔

"یہ لو۔" اس نے انہیں ناصرہ کی طرف بڑھا دیے۔ ناصرہ نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ نوٹ پکڑ لئے۔ وہ جن گھروں میں کام کرتی رہی تھی وہاں کے بچوں کے ایسے بہت سے رازوں سے واقف تھی، اسے بھی پیسے کمانے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے فوری اندازہ بھی لگایا تھا کہ امامہ اور سالار

کا چکر چل رہا تھا اور یہ موبائل وہ تحفہ تھا جو اسے امامہ کو دینا تھا، مگر اسے حیرانی اس بات پر ہو رہی تھی کہ اس سب کا اسے پہلے پتا کیوں نہیں چلا — اور پھر امامہ — اس کی تو شادی ہو رہی تھی...... پھر وہ کیوں اس طرح کی حرکتیں کر رہی تھی۔

"اور دیکھو ذرا مجھے، میں امامہ بی بی کو کتنا سیدھا سمجھتی رہی۔" ناصرہ کو اب اپنی بے خبری پر افسوس ہو رہا تھا۔

☆......☆-☆

"ابو! میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔" جلال رات کو اپنے والد کے کمرے میں چلا آیا۔ اس کے والد اس وقت اپنی ایک فائل دیکھنے میں مصروف تھے۔

"ہاں آؤ، کیا بات ہے۔" انہوں نے جلال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ان کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا، اس کے والد نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ "کیا بات ہے جلال؟" انہیں یک دم تشویش ہونے لگی۔

"ابو! میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" جلال نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

"کیا؟" انصر جاوید کو اس کے منہ سے اس جملے کی توقع نہیں تھی۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ فیصلہ تم نے یک دم کیسے کر لیا، کل تک تو تم باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اب آج تم شادی کا ذکر لے بیٹھے ہو۔" انصر جاوید مسکرائے۔

"بس..... معاملہ ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ مجھے آپ سے بات کرنی پڑ رہی ہے۔"

انصر جاوید سنجیدہ ہو گئے۔

"آپ نے زینب کی دوست امامہ کو دیکھا ہے۔" اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"ہاں! تم اس میں انٹرسٹڈ ہو۔" انصر جاوید نے فوراً اندازہ لگایا۔

جلال نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "مگر وہ لوگ تو بہت امیر ہیں..... اس کا باپ بڑا صنعت کار ہے اور وہ مسلمان بھی نہیں ہے۔" انصر جاوید کا لہجہ بدل چکا تھا۔

"ابو! وہ اسلام قبول کر چکی ہے، اس کی فیملی قادیانی ہے۔" جلال نے وضاحت کی۔

"اس کے گھر والوں کو پتا ہے؟"

"نہیں۔"

"تمہارا خیال ہے وہ یہ پرپوزل قبول کر لیں گے؟" انصر جاوید نے چبھتے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

"ابو! اس کی فیملی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان لوگوں کی اجازت کے بغیر ہم شادی کرنا

چاہتے ہیں۔"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟" اس بار افسر جاوید نے بلند آواز میں کہا۔ "میں تمہیں کسی حالت میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

جلال کا چہرہ اتر گیا۔ "ابو! میری اس کے ساتھ کمٹمنٹ ہے۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"مجھ سے پوچھ کر کمٹمنٹ نہیں کی تھی تم نے اور اس عمر میں بہت ساری کمٹمنٹس ہوتی رہتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بندہ اپنی زندگی خراب کر لے۔" "مجھے اس کے خاندان کے اثر و رسوخ کا پتا ہے انہیں اپنے پیچھے لگا کر ہم سب برباد ہو جائیں گے۔"

"ابو! میں خفیہ طور پر شادی کر لیتا ہوں کسی کو بتائیں گے نہیں تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔"

"اور اگر پتا چل گیا تو میں ویسے بھی تمہاری تعلیم کے مکمل ہونے تک تمہاری شادی کرنا نہیں چاہتا۔ ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔"

ابو! پلیز میں اس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتا۔" جلال نے مدھم آواز میں اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا ایسا ہے تو تم اس سے کہو کہ وہ اپنے والدین سے اس سلسلے میں بات کرے۔ اگر اس کے والدین مان جاتے ہیں تو میں تم دونوں کی شادی کر دوں گا۔" انہوں نے تیز مگر دھیمے لہجے میں کہا۔ "مگر میں تمہاری شادی کسی ایسی لڑکی سے قطعی نہیں کروں گا جو اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف تم سے شادی کرنا چاہے۔"

"ابو! آپ اس کا مسئلہ سمجھیں، وہ بری لڑکی نہیں ہے...... وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بس وہ کسی مسلمان سے شادی کرنا چاہتی ہے جس پر اس کے گھر والے راضی نہیں ہوں گے۔" جلال نے دانستہ طور پر اسجد اور اس کی منگنی کا ذکر گول کر دیا۔

"مجھے کسی دوسرے کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تمہیں بھی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ امامہ کا مسئلہ ہے، وہ جانے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچو۔" افسر جاوید نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"ابو! پلیز میری بات سمجھیں۔ اس کو مدد کی ضرورت ہے"

"بہت سے لوگوں کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے تم کس کس کی مدد کرو گے...... اور ویسے بھی ہمارے اور ان کے اسٹیٹس میں اتنا فرق ہے کہ ان سے کوئی دشمنی یا مخالفت مول لینا ہمارے بس کی بات نہیں، مجھے تم اور پھر میں ایک غیر مسلم لڑکی سے شادی کر کے اپنے خاندان والوں کا سامنا کیسے کروں گا۔"

"ابو! وہ مسلمان ہو چکی ہے ... میں نے آپ کو بتایا ہے۔" جلال نے جھنجھلا کر کہا۔

"چار ماہ ملاقاتوں میں وہ تم سے اتنی متاثر ہو گئی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔"

"ابو! اس نے مجھ سے ملنے سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔"

"تم نے اسلام قبول کرتے دیکھا تھا اسے؟"

"میں اس سے مذہب کے بارے میں تفصیلاً بات کرتا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔"

"بالفرض وہ ایسا کر بھی چکی ہے...... تو پھر اسے اپنے مسائل سے خود نمٹنا چاہئے۔ تمہیں بیچ میں نہیں گھسنا چاہئے۔ اپنے والدین سے دوٹوک بات کرے، انہیں بتائے کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہے پھر میں اور تمہاری امی دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں دیکھو جلال اگر اس کا خاندان اپنی مرضی اور خوشی سے اس کی شادی تمہارے ساتھ کرنے پر تیار ہو جائے تو میں اسے بخوشی قبول کر لوں گا مگر کسی بے نام و نشان لڑکی سے میں تمہاری شادی نہیں کروں گا مجھے اس معاشرہ میں رہنا ہے لوگوں کو منہ دکھانا ہے بہو کے خاندان کے بارے میں کیا کہوں گا کہیں کی ہے یہ کہ وہ گھر چھوڑ کر آئی ہے اور اس نے اپنی مرضی سے میرے بیٹے سے شادی کر لی ہے۔"

"ابو! یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے کہ ہم اس کی مدد کریں اور " افسر جاوید نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"مذہب کو بیچ میں مت لے کر آؤ، ہر چیز میں مذہب کی شرکت ضروری نہیں ہوتی۔ صرف تم ہی یہ مذہبی فریضہ ادا کرنے والے رہ گئے ہو، باقی سارے مسلمان مر گئے ہیں۔"

"ابو! اس نے مجھ سے مدد مانگی ہے، میں اس لئے کہہ رہا ہوں۔"

"بیٹا! یہاں بات مدد کی یا مذہب کی نہیں ہے، یہاں صرف زمینی حقائق کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بہت اچھی بات ہے کہ تم میں مدد کا جذبہ ہے اور تمہیں اپنے مذہبی فرائض کا احساس ہے مگر انسان پر کچھ حق اس کے والدین کا بھی ہوتا ہے اور یہ حق بھی مذہب نے ہی فرض کیا ہے اور اس حق کے تحت میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے خاندان کی مرضی کے بغیر اس سے شادی نہ کرو فرض کرو تم اس سے شادی کر بھی لیتے ہو ... تو کیا ہو گا تم تو چند ماہ میں امریکہ ہو گے اور وہ یہاں گھر بیٹھی ہو گی میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ میں تم چاروں کی تعلیم پر بھی خرچ کروں اور اس کی تعلیم پر بھی تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم پر میرا کتنا پیسہ خرچ ہو رہا ہے تو وہ ڈاکٹر تو نہیں بنے گی یہاں گھر میں کتنے سال تم اسے بٹھا سکتے ہو اور اگر اس کے خاندان نے تم پر یا ہم پر کیس کر دیا تو اس صورت میں تم بھی پابند ہو کر رہ جاؤ گے اور میں بھی.... تم کو اپنی بہن کا احساس ہونا چاہئے، تم یہ چاہتے ہو کہ اس عمر میں، میں جیل چلا جاؤں ...اور شاید تم بھی "

جلال کچھ بول نہیں سکا۔

"ان چیزوں کے بارے میں اتنا جذباتی ہو کر نہیں سوچنا چاہئے۔ میں نے تمہیں راستہ بتا دیا ہے اس سے کہو اپنے والدین سے بات کر کے انہیں رضامند کرے... ہو سکتا ہے وہ رضامند ہو جائیں پھر مجھے کیا اعتراض ہو گا تم دونوں کی شادی پر لیکن اگر وہ یہ نہیں کرتی تو پھر اس سے کہو کہ وہ کسی اور سے شادی کر لے اور تم ٹھنڈے دل سے سوچو۔ تمہیں خود پتا چل جائے گا کہ تمہارا فیصلہ کتنا نقصان دہ ہے۔"

اظہر جاوید نے آخری کیل ٹھونکی۔

☆ ☆ ☆

"باجی! میں آپ کا کمرہ صاف کر دوں؟" ملازمہ نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے امامہ سے پوچھا۔

"نہیں، تم جاؤ۔" امامہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کے لئے کہا۔ ملازمہ باہر جانے کے بجائے دروازہ بند کر کے اس کے پاس آ گئی۔

"میں نے تم سے کہا ہے ناکہ تم..." امامہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر پھر اس کی بات حلق میں ہی رہ گئی۔ ملازمہ نے اپنی چادر کے اندر سے ایک موبائل نکالا تھا۔ امامہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"باجی! یہ میری ماں نے دیا ہے، وہ کہہ رہی تھی کہ ساتھ والے سالار صاحب نے آپ کے لئے دیا ہے۔" اس نے امامہ کی طرف نجات کے عالم میں وہ موبائل بڑھایا۔ امامہ نے تیزی سے موبائل کو جھپٹ لیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"دیکھو، تم کسی کو بتانا مت کہ تم نے مجھے کوئی موبائل لا کر دیا ہے۔" امامہ نے اسے تاکید کی۔

"نہیں باجی! آپ بے فکر رہیں، میں نہیں بتاؤں گی۔ اگر آپ کو بھی کوئی چیز سالار صاحب کے لئے دینی ہو تو مجھے دے دیں۔"

"نہیں، مجھے کچھ نہیں دینا، تم جاؤ۔" اس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

ملازمہ کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے کمرے کو لاک کر لیا۔ کانپتے ہاتھوں اور دل کی بے قابو ہوتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے دراز سے موبائل نکالا اور اس پر جلال کا نمبر ڈائل کرنا شروع کیا۔ وہ اسے تفصیل سے ساری بات بتانا چاہتی تھی۔ فون جلال کی امی نے اٹھایا۔

"بیٹا! جلال تو باہر گیا ہوا ہے، وہ تو رات کو ہی آئے گا۔ تم زینب سے بات کر لو۔ اسے بلا دوں؟" جلال کی امی نے کہا۔

"نہیں آنٹی! مجھے کچھ جلدی ہے، میں زینب سے پھر بات کر لوں گی۔ بس میں نے ان سے چند کتابوں کا کہا تھا، مجھے ان ہی کے بارے میں پوچھنا تھا۔ میں دوبارہ فون کر لوں گی۔" امامہ نے فون بند

کرتے ہوئے کہا۔

امامہ نے اس دن دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ صرف رات ہونے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ جلال گھر آ جائے اور وہ اس سے دوبارہ بات کر سکے۔ شام کے وقت ملازمہ نے اسے اسجد کے فون کی اطلاع دی۔

وہ جس وقت نیچے آئی اس وقت لاؤنج میں صرف وسیم بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے فون کی طرف چلی گئی۔ فون کا ریسیور اٹھاتے ہی دوسری طرف اسجد کی آواز سنائی دی تھی۔ بے اختیار امامہ کا خون کھولنے لگا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ اس شادی کو طے کرنے میں اسجد سے زیادہ خود ہاشم مبین کا ہاتھ تھا۔ امامہ کو اس پر غصہ آ رہا تھا۔

وہ اس کا حال احوال دریافت کر رہا تھا۔

"اسجد! تم نے اس طرح میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا ہے؟"

"کیسا دھوکہ امامہ!"

"شادی کی تاریخ طے کرنا... تم نے اس سلسلے میں مجھ سے بات کیوں نہیں کی۔" وہ کھولتے ہوئے بولی۔

"کیا انکل نے تم سے بات نہیں کی۔"

"انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا اور میں نے ان سے کہا تھا کہ میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔"

"بہرحال اب تو کچھ نہیں ہو سکتا... اور پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ شادی اب ہو یا کچھ سالوں کے بعد۔" اسجد نے قدرے لاپروائی سے کہا۔

"اسجد! تمہیں فرق پڑتا ہو یا نہیں، مجھے پڑتا ہے۔ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے تک شادی نہیں کرنا چاہتی ...اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے تھے۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں مگر اس سارے معاملے میں، میں تو کہیں بھی انوالو نہیں ہوں۔ تمہیں بتا رہا ہوں، شادی انکل کے اصرار پر ہو رہی ہے۔"

"تم اسے رکوا دو۔"

"تم کیسی باتیں کر رہی ہو امامہ! میں اسے کیسے رکوا دوں۔" اسجد نے کچھ حیرانی سے کہا۔

"اسجد پلیز!"

"امامہ! میں ایسا نہیں کر سکتا، تم میری پوزیشن سمجھو۔ اب تو ویسے بھی کارڈ چھپ چکے ہیں، دونوں طرف شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور —"

امامہ نے اس کی بات سنے بغیر ریسیور کو پٹخ دیا۔ وسیم نے اس پوری گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کی

تھی۔ وہ خاموشی سے اسجد کے ساتھ ہونے والی اس کی گفتگو سنتا رہا تھا جب امامہ نے فون بند کر دیا تو وسیم نے اس سے کہا۔

"تم خوامخواہ ایک فضول بات پر اتنا ہنگامہ کھڑا کر رہی ہو۔ کل بھی تو تمہیں شادی اسجد کے ساتھ ہی کرنی ہے پھر اس طرح کر کے تم خود اپنے لئے مسائل پیدا کر رہی ہو۔ بابا تم سے بہت ناراض ہیں۔"

"میں نے تم سے تمہاری رائے نہیں مانگی، تم اپنے کام سے کام رکھو۔ جو کچھ تم میرے ساتھ کر چکے ہو وہ کافی ہے۔"

امامہ اس پر غرائی اور پھر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆......☆......☆

وہ رات کو بھی اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی مگر ملازم کے کھانا لانے پر اس نے کھانا کھا لیا۔ رات کو گیارہ بجے کے قریب اس نے جلال کو فون کیا۔ فون جلال نے ہی اٹھایا تھا۔ شاید وہ امامہ کے فون کی توقع کر رہا تھا۔ مختصر سی تمہید کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

"امامہ! میں نے ابو سے کچھ دیر پہلے بات کی ہے۔" اس نے امامہ سے کہا۔

"پھر؟" وہ اس کے استفسار پر چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"ابو اس شادی پر رضامند نہیں ہیں۔"

امامہ کا دل ڈوب گیا۔ "مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ انہیں اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ہاں، میرا یہی خیال تھا مگر انہیں بہت ساری باتوں پر اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہارے اور ہمارے گھرانے کے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے اور وہ تمہارے خاندان کے بارے میں بھی جانتے ہیں، اور انہیں سب سے بڑا اعتراض اس بات پر ہے کہ تم اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ انہیں یہ خوف ہے کہ اس صورت میں تمہارے گھر والے ہمیں تنگ کریں گے۔"

وہ ساکت بیٹھی موبائل کان سے لگائے اس کی آواز سنتی رہی۔ "آپ نے انہیں رضامند کرنے کی کوشش نہیں کی۔" ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

"میں نے بہت کوشش کی۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر تمہارے گھر والے اس شادی پر تیار ہو جاتے ہیں تو پھر وہ بھی راضی ہو جائیں گے۔ اس بات کی پروا کئے بغیر کہ تمہارا خاندان کیا ہے لیکن تمہارے گھر والوں کی مرضی کے بغیر وہ میری اور تمہاری شادی کو تسلیم نہیں کریں گے۔" جلال نے اس سے کہا۔

"اور آپ ..... آپ کیا کہتے ہیں؟"

"امامہ! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" جلال نے کچھ بے بسی کے عالم میں کہا۔

"جلال! میرے پیرنٹس کبھی آپ سے میری شادی پر تیار نہیں ہوں گے۔ بصورت دیگر ہماری پوری کمیونٹی ان کا بائیکاٹ کر دے گی اور وہ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے اور پھر آپ اسجد سے میری منگنی کو کیوں بھول رہے ہیں۔"

"امامہ! تم پھر بھی اپنے والدین سے بات تو کرو، ہو سکتا ہے کوئی راستہ نکل آئے۔"

"میں کل بابا سے تھپڑ کھا چکی ہوں۔ صرف یہ بتا کر کہ میں کسی دوسرے میں انٹرسٹڈ ہوں۔" امامہ کی آواز بھرّانے لگی۔ "اگر انہیں یہ پتا چل گیا کہ میں جسے پسند کرتی ہوں وہ ان کے مذہب کا نہیں ہے تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ پلیز آپ انکل سے بات کریں۔ آپ انہیں میرا پرابلم بتائیں۔" اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"میں ابو سے کل دوبارہ بات کروں گا اور امی سے بھی ..... پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔" جلال پریشان تھا۔

امامہ نے جس وقت اس سے بات کرنے کے بعد فون بند کیا وہ بے حد دل گرفتہ تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ جلال کے والدین کو اس شادی پر اعتراض ہوگا۔

موبائل ہاتھ میں لئے وہ بہت دیر تک خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھی رہی۔

☆ ☆ ☆

"تمہارے ابو مجھ سے پہلے ہی اس سلسلے میں بات کر چکے ہیں اور جو وہ کہہ رہے ہیں وہ بالکل ٹھیک ہے۔ تم کو اس طرح کے خطروں میں کودنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" جلال کی امی نے قطعی لہجے میں اس سے کہا۔ وہ امامہ کے کہنے پر ان سے بات کر رہا تھا۔

"مگر امی! اس میں خطرے والی کیا بات ہے ..... کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آپ خوامخواہ خوف زدہ ہو رہی ہیں۔" جلال نے کچھ احتجاجی انداز میں کہا۔

"تم حماقت کی حد تک بے وقوف ہو۔" اس کی امی نے اس کی بات پر اسے جھڑکا۔ "امامہ کے خاندان اور اس کے والد کو تمہارے ابو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے ساتھ شادی ہونے کی صورت میں وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دیں گے یا ہمیں کچھ نہیں کہیں گے ....."

"امی! ہم اس شادی کو خفیہ رکھیں گے، کسی کو بھی نہیں بتائیں گے۔ میں اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جانے کے کچھ عرصہ کے بعد اسے بھی وہاں بلوا لوں گا۔ سب کچھ خفیہ ہی رہے گا کسی کو بھی پتا نہیں چلے گا۔"

"ہم آخر امامہ کے لئے کیوں اتنا بڑا خطرہ مول لیں اور تمہیں ویسے بھی یہ پتا ہونا چاہئے کہ ہمارے یہاں اپنی فیملی میں ہی شادی ہوتی ہے۔ ہمیں امامہ یا کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔" امی نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"مجھے اگر یہ اندازہ ہوتا کہ تم اس طرح اس لڑکی میں دلچسپی لینا شروع کر دو گے تو میں اس سے پہلے ہی تمہاری کہیں نسبت طے کر دیتی۔" اس کی امی نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"امی! میں امامہ کو پسند کرتا ہوں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم اسے پسند کرتے ہو یا نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اس بارے میں، میں اور تمہارے ابو کیا سوچتے ہیں اور ہم دونوں کو نہ تو وہ پسند ہے اور نہ ہی اس کا خاندان۔" امی نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"امی! وہ بہت اچھی لڑکی ہے، آپ اسے اچھی طرح جانتی ہیں، وہ یہاں آتی رہی ہے اور تب تو آپ اس کی بہت زیادہ تعریف کرتی تھیں۔" جلال نے انہیں یاد دلایا۔

"تعریف کرنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں اسے اپنی بہو بنا لوں۔" وہ خفگی سے بولیں۔

"امی! کم از کم آپ تو ابو جیسی باتیں نہ کریں۔ تھوڑا سا ہمدردی سے سوچیں۔" اس بار جلال نے لجاجت آمیز انداز میں کہا۔

"جلال! تمہیں احساس ہونا چاہئے کہ تمہاری اس ضد اور فیصلے سے ہمارے پورے خاندان پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوں گے۔ ہمارا ابھی خواب ہے کہ ہم تمہاری شادی کسی اچھے اور اونچے خاندان میں کریں۔ تمہارے ابو اگر تمہیں اس شادی کی اجازت دے بھی دیں تو بھی میں کبھی نہیں دوں گی۔ نہ ہی میں امامہ کو اپنی بہو کے طور پر قبول کروں گی۔"

"امی! آپ اس کی صورت حال کو سمجھیں، وہ کتنا بڑا قدم اٹھا رہی ہے۔ اس وقت اسے مدد کی ضرورت ہے۔"

"اگر وہ اتنا بڑا قدم اٹھا رہی ہے تو پھر اسے کم از کم دوسرے کے لئے کوئی پریشانی کھڑی نہیں کرنی چاہئے۔ میں اسے برا نہیں کہہ رہی۔ وہ بہت اچھا فیصلہ کر رہی ہے مگر ہم لوگوں کی اپنی کچھ مجبوریاں ہیں۔ تم کچھ عقل سے کام لو۔ تمہیں اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جانا ہے۔ اپنا ہاسپٹل بنانا ہے۔" اس کی امی نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ "بیٹا! اچھے خاندان میں شادی ہو تو انسان کو آگے بڑھنے کے لئے بہت سے مواقع ملتے ہیں اور تمہارے لئے تو پہلے ہی بہت سے خاندانوں کی طرف سے پیغام آ رہے ہیں۔ جب اسپیشلائزیشن کر لو گے تو کتنے اونچے خاندان میں تمہاری شادی ہو سکتی ہے۔ تمہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہے۔ خود سوچو، صرف امامہ سے شادی کر کے تمہیں کیا ملے گا...... خاندان اس کا بائیکاٹ کر چکا ہوگا معاشرے میں جو بدنامی ہوگی، وہ الگ اور تم سے شادی ہو بھی جائے تو کل کو تمہارے بچے تمہارے اور امامہ کے بارے میں کیا سوچیں گے...... یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں ہے ساری عمر کی بات ہے۔"

امی اسے سنجیدہ لہجے میں سمجھا رہی تھیں۔ جلال کسی اعتراض یا احتجاج کے بغیر خاموشی سے ان کی باتیں

سن رہا تھا۔

اس کے چہرے سے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ قائل ہوا ہے یا نہیں۔

☆......☆......☆

امامہ نے اگلی رات جلال کو پھر فون کیا۔ فون جلال نے ہی اٹھایا تھا۔

"امامہ! میں نے امی سے بھی بات کی ہے۔ وہ ابو سے زیادہ ناراض ہوئی ہیں میری بات پر۔"

امامہ کا دل گویا مکمل ڈوب گیا۔

"وہ کہہ رہی ہیں کہ مجھے ایک فضول معاملے میں خود کو انوالو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" جلال نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ "میں نے انہیں تمہارے پرابلم کے بارے میں بھی بتایا ہے مگر ان کا کہنا ہے کہ یہ تمہارا پرابلم ہے، ہمارا نہیں۔"

امامہ کو اس کے لفظوں سے شدید تکلیف ہوئی تھی۔

"میں نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ رضامند نہیں ہیں اور نہ ہی ہوں گی۔" جلال کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے جلال!" اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ کسی موہوم سی امید پر کہا۔

"میں جانتا ہوں امامہ! مگر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میرے والدین اس پرپوزل پر رضامند نہیں ہیں۔"

"کیا تم ان کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟"

"نہیں، یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ مجھے ان سے اتنی محبت ہے کہ میں انہیں ناراض کر کے تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"پلیز جلال!" وہ گڑگڑائی۔ "تمہارے علاوہ میرے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

"میں اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کر سکتا، تم مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو۔"

"میں آپ کو نافرمانی کے لئے نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں تو آپ سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہی ہوں۔"

اس کے اعصاب چٹخ رہے تھے۔ اسے یاد نہیں تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی کسی سے اتنے التجائیہ اور منت بھرے انداز میں بات کی ہو۔

"آپ مجھ سے صرف نکاح کر لیں، اپنے والدین کو اس کے بارے میں نہ بتائیں۔ بے شک آپ بعد میں ان کی مرضی سے بھی شادی کر لیں، میں اعتراض نہیں کروں گی۔"

"تم اب بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ خود سوچو کہ اگر ایسے کسی نکاح کے بارے میں ابھی میرے والدین کو پتا چل جاتا ہے تو وہ کیا کریں گے وہ تو مجھے گھر سے نکال دیں گے اور پھر تم اور میں کیا

کریں گے۔"

"ہم محنت کر لیں گے، کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔"

"تمہارے اس کچھ نہ کچھ سے میں باہر پڑھنے جاسکوں گا؟" اس بار جلال کا لہجہ چبھتا ہوا تھا، وہ بول نہیں سکی۔

"نہیں امامہ! میرے اتنے خواب اور خواہشات ہیں کہ میں انہیں تمہارے لئے یا کسی کے لئے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے تم سے محبت ہے اس میں کوئی شک نہیں مگر میں اس جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا جس کا مظاہرہ تم کر رہی ہو۔ تم دوبارہ مجھے فون مت کرنا کیونکہ میں اب اس سارے معاملے کو یہیں ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے مگر تم اپنے اس مسئلے کا حل خود نکالو، میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا، خدا حافظ۔"

جلال نے فون بند کر دیا۔

رات دس بج کر پچاس منٹ پر اسے اپنے اردگرد کی پوری دنیا دھوئیں میں تحلیل ہوتی نظر آئی۔ کسی چیز کے مٹھی میں ہونے اور پھر دور دور تک کہیں نہ ہونے کا فرق کوئی امامہ سے بہتر نہیں بتا سکتا تھا۔ ماؤف ذہن اور شل ہوتے ہوئے اعصاب کے ساتھ وہ بہت دیر تک کسی بت کی طرح اپنے بیڈ پر ٹانگیں ٹکائے بیٹھی رہی۔

مجھے بتا دینا چاہئے اب بابا کو سب کچھ اس کے سوا اب اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے شاید وہ خود ہی مجھے اپنے گھر سے نکال دیں کم از کم مجھے اس گھر سے تو رہائی مل جائے گی۔

☆......☆......☆

"میں اسجد سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تو شاپنگ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" امامہ نے محکم لہجے میں ان سے کہا۔ سلمیٰ اسے اگلے روز اپنے ساتھ مارکیٹ جانے کا کہنے کے لئے آئی تھیں۔

"پہلے تمہیں شادی پر اعتراض تھا، اب تمہیں اسجد سے شادی پر اعتراض ہے، آخر تم چاہتی کیا ہو۔" سلمیٰ اس کی بات پر مشتعل ہو گئیں۔

"صرف یہ کہ آپ اسجد سے میری شادی نہ کریں۔"

"تو پھر کس سے کرنا چاہتی ہو تم۔" ہاشم مبین اچانک کھلے دروازے سے اندر آ گئے تھے۔ یقیناً انہوں نے باہر کوریڈور میں امامہ اور سلمیٰ کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی اور وہ اپنے غصہ پر قابو نہیں رکھ پائے تھے۔ امامہ یک دم چپ ہو گئی۔

"بولو، کس سے کرنا چاہتی ہو اب منہ بند کیوں ہو گیا ہے، آخر تم اسجد سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی کیا تکلیف ہے تمہیں۔" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

"بابا! شادی ایک بار ہوتی ہے اور وہ میں اپنی پسند سے کروں گی۔" وہ ہمت کر کے بولی۔

"کل تک اسجد تمہاری پسند تھا۔" ہاشم مبین نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کل تھا، اب نہیں ہے۔"

"کیوں، اب کیوں نہیں ہے؟" امامہ کچھ کہے بغیر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"بولو، اب کیوں پسند نہیں ہے وہ تمہیں۔" ہاشم مبین نے بلند آواز میں پوچھا۔

"بابا! میں کسی مسلمان سے شادی کروں گی۔" ہاشم مبین کو لگا آسمان ان کے سر پر گر پڑا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟" انہوں نے بے یقینی سے کہا۔

"میں کسی غیر مسلم سے شادی نہیں کروں گی کیونکہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔"

کمرے میں اگلے کئی منٹ تک مکمل خاموشی رہی۔ سلمیٰ کو جیسے سکتہ ہو گیا تھا اور ہاشم مبین وہ ایک پتھر کے مجسمے کی طرح اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کا منہ کھلا ہوا تھا وہ جیسے سانس لینا بھول گئے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی انہیں زندگی میں اپنی اولاد اور وہ بھی اپنی سب سے لاڈلی بیٹی کے سامنے اس طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کے چالیس سال مکمل طور پر بھنور کی زد میں آ گئے تھے۔

"تم کیا بکواس کر رہی ہو۔" ہاشم مبین کے اندر اشتعال کی ایک لہر اٹھی تھی۔

"بابا! آپ جانتے ہیں میں کیا کہہ رہی ہوں۔ آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو۔" انہوں نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔ امامہ نے کچھ کہنے کے بجائے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ ہاشم مبین کی ذہنی کیفیت کو سمجھ سکتی تھی۔ "اس لئے تمہیں پیدا کیا تمہاری پرورش کی کہ تم تم" ہاشم مبین کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہیں۔ "صرف اسجد سے شادی نہ کرنے کے لئے تم یہ سب کر رہی ہو، صرف اس لئے کہ تمہاری شادی اس آدمی سے کر دیں جس سے تم چاہتی ہو۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے تم بے وقوف سمجھتی ہو مجھے۔" ان کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔

"آپ میری شادی کسی بھی آدمی سے کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس وہ آپ کی کمیونٹی سے نہ ہو پھر آپ کم از کم یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ میں کسی خاص آدمی کے لئے یہ سب کر رہی ہوں۔"

ہاشم مبین اس کی بات پر دانت پیسنے لگے۔

"تم جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیداوار، تمہیں پتا کیا ہے"

"میں سب جانتی ہوں بابا! میری عمر بیس سال ہے، میں آپ کی انگلی پکڑ کر چلنے والی ننھی بچی نہیں

ہوں میں جانتی ہوں آپ کے اس مذہب کی وجہ سے ہمارے خاندان پر بڑی برکات نازل کی گئی ہیں۔"

وہ بڑے مستحکم اور ہموار انداز میں کہتی گئی۔ "تم تم بخشش نہیں ہوگی تمہاری۔ تم "

ہاشم مبین غصے کے عالم میں انگلی اُٹھا کر بولنے لگے۔ امامہ کو ان پر ترس آنے لگا۔ اسے دوزخ میں کھڑے ہو کر دوزخ سے ڈرانے والے شخص پر ترس آیا، اسے آنکھوں پر پٹی باندھ کر پھرنے والے شخص پر ترس آیا، اسے مہر شدہ دل والے آدمی پر ترس آیا، اسے نفس زدہ آدمی پر ترس آیا، اسے گمراہی کی سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑے آدمی پر ترس آیا۔

"تم گمراہی کے رستے پر چل پڑی ہو چند کتابیں پڑھ کر تم " امامہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ اس بارے میں مجھ سے بحث نہیں کر سکیں گے۔ میں سب کچھ جانتی ہوں، تحقیق کر چکی ہوں، تصدیق کر چکی ہوں۔ آپ مجھے کیا بتائیں گے، کیا سمجھائیں گے۔ آپ نے اپنی مرضی کا راستہ چن لیا ہے میں نے اپنی مرضی کا راستہ چن لیا۔ آپ وہ کر رہے ہیں جو آپ صحیح سمجھتے ہیں میں وہ کر رہی ہوں جو میں صحیح سمجھتی ہوں۔" "آپ کا عقیدہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میرا عقیدہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ کیا اب یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ میرے اس فیصلے کو قبول کر لیں، جذباتی حماقت کے بجائے بہت سوچ سمجھ کر اٹھایا جانے والا قدم سمجھ کر۔"

اس نے بڑی رسانیت اور سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ ہاشم مبین کی ناراضی میں اور اضافہ ہوا۔

"میں میں اپنی بیٹی کو مذہب بدلنے دوں تاکہ پوری کمیونٹی میرا بائیکاٹ کر دے میں فٹ پاتھ پر آ جاؤں نہیں امامہ! یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارا اگر دماغ بھی خراب ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا دماغ بھی خراب ہو جائے۔ کوئی بھی مذہب اختیار کرو مگر تمہاری شادی میں اسجد سے ہی کروں گا، تمہیں اسی کے گھر جانا ہوگا اس کے گھر چلی جاؤ اور پھر وہیں جا کر طے کرنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ ہو سکتا ہے تمہیں عقل آ جائے۔"

وہ غصے کے عالم میں کمرے سے نکل گئے۔

"مجھے پتا ہوتا کہ تمہاری وجہ سے ہمیں اتنی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا تو میں پیدا ہوتے ہی تمہارا گلا دبا دیتی۔" ہاشم مبین کے جاتے ہی سلمیٰ نے کھڑے ہوتے ہوئے دانت پیس کر کہا۔ "تم نے ہماری عزت خاک میں ملانے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

امامہ کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ کچھ دیر اسی طرح بولتی رہیں پھر کمرے سے چلی گئیں۔

انہیں اس کے کمرے سے گئے ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا جب دروازے پر دستک دے کر اسجد اندر

داخل ہوا۔ امامہ کو اس کے اس وقت وہاں آنے کی توقع نہیں تھی۔ اسجد کے چہرے پر پریشانی بہت نمایاں تھی۔ یقیناً اسے ہاشم مبین نے بلوایا تھا اور وہ اسے سب کچھ بتا چکے تھے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے امامہ؟" اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

"تم کیوں کر رہی ہو یہ سب کچھ۔"

"اسجد! تمہیں اگر یہ بتا دیا گیا ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں تو پھر یہ بھی بتا دیا گیا ہوگا کہ میں کیوں کر رہی ہوں۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کیا کر رہی ہو۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے اندازہ ہے۔"

"اس عمر میں جذبات میں آ کر انسان بہت سے غلط فیصلے کر لیتا ہے "

امامہ نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "جذبات میں آ کر ؟ کوئی جذبات میں آ کر مذہب تبدیل کرتا ہے؟ کبھی نہیں میں چار سال سے اسلام کے بارے میں پڑھ رہی ہوں، چار سال کم نہیں ہوتے۔"

"تم لوگوں کی باتوں میں آ گئی ہو۔ تم......"

"نہیں، میں کسی کی باتوں میں نہیں آئی۔ میں نے جس چیز کو غلط سمجھا اسے چھوڑ دیا اور بس۔"

وہ کچھ دیر بے چارگی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹکتے ہوئے اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے ان سب باتوں کو چھوڑو، شادی پر کیوں اعتراض ہے تمہیں تمہارے عقائد میں جو تبدیلی آئی ہے وہ ایک طرف۔ کم از کم شادی تو ہونے دو۔"

"میری اور تمہاری شادی جائز نہیں۔"

وہ اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔ "کیا میں غیر مسلم ہوں؟"

"ہاں، تم ہو "

"بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے کسی نے واقعی تمہارا برین واش کر دیا ہے۔" اس نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھر تم ایک ایسی لڑکی سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو۔ بہتر ہے تم کسی اور سے شادی کر لو۔" اس نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی زندگی برباد کر لو۔" وہ اس کی بات پر عجیب سے انداز میں ہنسی۔

"زندگی برباد کون سی زندگی یہ زندگی جو میں تم جیسے لوگوں کے ساتھ گزار رہی ہوں۔ جنہوں نے پیسے کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا "

"Believe yourself تم بات کرنے کے تمام مینرز بھول گئی ہو۔ کس کے بارے میں کیا کہنا چاہئے اور کیا نہیں، تم نے سرے سے ہی فراموش کر دیا ہے۔" اسجد اسے ڈانٹنے لگا۔

"میں ایسے کسی شخص کا احترام نہیں کر سکتی جو لوگوں کو گمراہ کر رہا ہو۔" امامہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"جس عمر میں تم ہو اس عمر میں ہر کوئی اسی طرح کنفیوز ہو جاتا ہے جس طرح تم کنفیوز ہو رہی ہو۔ جب تم اس عمر سے نکلو گی تو تمہیں احساس ہو گا کہ ہم لوگ صحیح تھے یا غلط۔" اسجد نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اگر تم لوگوں کو یہ لگتا ہے کہ میں غلط ہوں، تب بھی تم لوگ مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ اس طرح مجھے گھر میں قید کر کے کیوں رکھا ہوا ہے اگر تم لوگوں کو اپنے مذہب کی صداقت پر اتنا یقین ہے تو مجھے اس گھر سے چلے جانے دو حقیقت کو جاننے دو"

"اگر کوئی اپنا، اپنے آپ کو نقصان پہنچانے پر تل جائے تو اسے اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا اور وہ بھی ایک لڑکی کو امامہ! تم اس مسئلے کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھو، اپنی فیملی کا خیال کرو، تمہاری وجہ سے سب کچھ داؤ پر لگ گیا ہے۔"

"میری وجہ سے کچھ بھی داؤ پر نہیں لگا کچھ بھی نہیں..... اور اگر کچھ داؤ پر لگا بھی ہے تو میں اس کی پروا کیوں کروں۔ میں تم لوگوں کے لئے دوزخ میں کیوں جاؤں، صرف خاندان کے نام کی خاطر اپنا ایمان کیوں گنواؤں۔ نہیں اسجد! میں تم لوگوں کے ساتھ گمراہی کے اس راستے پر نہیں چل سکتی۔ مجھے وہ کرنے دو جو میں کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے تلخی لہجے میں کہا۔

"مجھ سے اگر تم نے زبردستی شادی کر بھی لی تو بھی تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میں تمہاری بیوی نہیں ہوں گی، میں تم سے وفا نہیں کروں گی۔ مجھے جب بھی موقع ملے گا، میں بھاگ جاؤں گی۔ تم آخر کتنے سال مجھے اس طرح قید کر کے رکھ سکو گے، کتنے سال مجھ پر پہرے بٹھاؤ گے مجھے صرف چند منٹ چاہئیں ہوں گے تمہارے گھر، تمہاری قید سے بھاگ جانے کے لئے اور میں تمہارے بچوں کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔ تم ساری عمر انہیں دوبارہ دیکھ نہیں سکو گے۔"

وہ اسے مستقبل کا نقشہ دکھا کر خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اگر میں تمہاری جگہ پر ہوتی تو میں کبھی امامہ ہاشم جیسی لڑکی سے شادی نہ کروں یہ سراسر خسارے کا سودا ہو گا حماقت اور بے وقوفی کی انتہا ہو گی..... تم اب بھی سوچ لو اب بھی پیچھے ہٹ جاؤ تمہارے سامنے تمہاری ساری زندگی پڑی ہے تم کسی بھی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے پرسکون زندگی گزار سکتے ہو کسی پریشانی..... کسی بے سکونی کے بغیر مگر میرے ساتھ نہیں۔ میں تمہارے لئے بدترین بیوی ثابت ہوں گی، تم اس سارے معاملے سے الگ ہو جاؤ، شادی سے انکار کر دو،

انکل اعظم سے کہہ دو کہ تم مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتے یا کچھ عرصے کے لئے گھر سے غائب ہو جاؤ۔ جب تمام معاملہ ختم ہو جائے تو پھر آ جانا۔"

"تم مجھے اس طرح کے احمقانہ مشورے مت دو، میں کسی بھی قیمت پر تم سے دستبردار نہیں ہو سکتا کسی بھی قیمت پر۔ نہ میں انکار کروں گا، نہ اس معاملے سے الگ ہوں گا، نہ ہی گھر سے کہیں جاؤں گا میں تم سے ہی شادی کروں گا امامہ! اب یہ ہمارے خاندان کی عزت اور ساکھ کا معاملہ ہے۔ یہ شادی نہ ہونے اور تمہارے گھر سے چلے جانے سے ہمارے پورے خاندان کو جتنا نقصان اٹھانا پڑے گا اس کا تمہیں بالکل اندازہ نہیں ورنہ تم مجھے کبھی یہ مشورہ نہ دیتیں۔ جہاں تک بری بیوی ثابت ہونے یا گھر سے بھاگ جانے کا تعلق ہے تو یہ سب بعد کا مسئلہ ہے۔ میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں، تم اس طرح کے ٹمپرامنٹ کی مالک نہیں ہو کہ دوسروں کو بے جا پریشان کرتی رہو اور وہ بھی مجھے، جس سے تمہیں محبت ہے۔" اسجد بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہے، مجھے کبھی بھی تم سے محبت نہیں رہی کبھی بھی میں ذہنی طور پر تمہارے ساتھ اپنے تعلق اور رشتے کو اس وقت سے ذہن سے نکال چکی ہوں جب میں نے اپنا مذہب چھوڑا تھا۔ تم میری زندگی میں اب کہیں نہیں ہو، کہیں بھی نہیں اگر میں اپنے گھر والوں کے لئے مسائل کھڑے کر سکتی ہوں تو کل تمہارے لئے کتنے مسائل کھڑے کروں گی تمہیں اس کا احساس ہونا چاہئے اور اس غلط فہمی سے باہر نکل آنا چاہئے ہم دونوں کبھی بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ میں تم لوگوں کے خاندان کا حصہ کبھی نہیں ہوں گی۔

نہیں اسجد! تمہارے اور میرے درمیان بہت فاصلہ ہے، اتنا فاصلہ کہ میں تمہیں دیکھ تک نہیں سکتی اور میں اس فاصلے کو کبھی ختم نہیں ہونے دوں گی۔ میں کبھی بھی تم سے شادی کے لئے تیار نہیں ہوں گی۔"

اسجد بدلتی ہوئی رنگت کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

☆.....☆.....☆

"کیا تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟"

"تمہارا کیا خیال ہے اب تک میں اس کے علاوہ اور کیا کر رہا ہوں۔" سالار نے پوچھا۔

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی، پھر اس نے کہا۔ "کیا تم لاہور جا کر جلال سے مل سکتے ہو۔"

سالار نے ایک لمحہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کیں۔

"کس لئے۔" اسے امامہ کی آواز بہت بھاری لگ رہی تھی۔ یوں جیسے اسے فلو تھا پھر اچانک اس کو خیال آیا کہ وہ یقیناً روتی رہی ہو گی۔ یہ اسی کا اثر تھا۔

"تم میری طرف سے اس سے ریکویسٹ کرو کہ وہ مجھ سے شادی کر لے ہمیشہ کے لئے نہیں

تو کچھ دنوں کے لئے ہی ..... میں اس گھر سے نکلنا چاہتی ہوں اور میں کسی کی مدد کے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکتی بس وہ مجھ سے نکاح کر لے۔"

"تمہارا تو فون پر اس سے رابطہ ہے پھر تم یہ سب خود اس سے فون پر کیوں نہیں کہہ دیتیں۔" سالار نے چپس کھاتے ہوئے بڑے اطمینان سے اسے مشورہ دیا۔

"میں کہہ چکی ہوں۔" اسے امامہ کی آواز پہلے سے زیادہ بھرائی ہوئی لگی۔

"پھر؟"

"اس نے انکار کر دیا ہے۔"

"ویری سیڈ۔" سالار نے افسوس کا اظہار کیا۔

"تو یہ ون سائیڈڈ لو افیئر تھا۔" اس نے کچھ تجسس کے عالم میں پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر اس نے انکار کیوں کر دیا؟"

"تم یہ جان کر کیا کرو گے۔" وہ کچھ چڑ کر بولی۔ سالار نے ایک اور چپس اپنے منہ میں ڈالا۔

"میرے وہاں جا کر اس سے بات کرنے سے کیا ہو گا۔ بہتر ہے تم ہی دوبارہ اس سے بات کر لو۔"

"وہ مجھ سے بات نہیں کر رہا، وہ فون نہیں اٹھاتا۔ ہاسپٹل میں بھی کوئی اسے فون پر نہیں بلا رہا۔ وہ جان بوجھ کر کترا رہا ہے۔" امامہ نے کہا۔

"تو پھر تم اس کے پیچھے کیوں پڑی ہو، جانے دو اسے۔ وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔"

"تم یہ سب کچھ نہیں سمجھ سکتے، تم صرف میری مدد کرو، ایک بار جا کر اسے میری صورت حال کے بارے میں بتاؤ، وہ مجھ سے اس طرح نہیں کر سکتا۔"

"اور اگر اس نے مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا تو۔"

"پھر بھی تم اس سے بات کرنا، شاید شاید کوئی صورت نکل آئے، میرا مسئلہ حل ہو جائے۔"

سالار کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی، اسے امامہ کے حال پر ہنسی آ رہی تھی۔

فون بند کرنے کے بعد چپس کھاتے ہوئے بھی وہ اس سارے معاملے کے بارے میں سوچتا رہا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ اس سارے معاملے میں زیادہ سے زیادہ انوالو ہوتا جا رہا تھا۔ یہ اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا ایڈونچر محسوس ہو رہا تھا۔ پہلے امامہ تک فون پہنچانا اور اب جلال سے رابطہ امامہ کا بوائے فرینڈ ..... اس نے چپس کھاتے ہوئے زیر لب دہرایا۔ امامہ نے اسے اس کے ہاسپٹل اور گھر کے تمام کوائف سے آگاہ کر دیا تھا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے جلال انصر سے مل کر کیا کہنا ہے۔

☆ ... ☆ ☆

سالار نے اس شخص کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور وہ خاصا مایوس ہوا۔ سامنے کھڑا لڑکا بڑی عام سی شکل و صورت کا تھا۔ سالار کے لمبے قد اور خوبصورت جسم نے اسے صنف مخالف کے لئے کسی حد تک پرکشش بنا دیا تھا مگر سامنے کھڑا ہوا وہ شخص ان دونوں چیزوں سے محروم تھا۔ وہ نارمل قد و قامت کا مالک تھا۔ اس کے چہرے پر ڈاڑھی نہ ہوتی تو وہ پھر بھی قدرے بہتر نظر آتا۔ سالار سکندر کو جلال انصر سے مل کر مایوسی ہوئی تھی۔ امامہ اب اسے پہلے سے زیادہ بے وقوف لگی۔

"میں جلال انصر ہوں، آپ ملنا چاہتے ہیں مجھ سے؟"

"میرا نام سالار سکندر ہے۔" سالار نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"معاف کیجئے گا مگر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"ظاہر ہے آپ پہچان بھی کیسے سکتے ہیں۔ میں پہلی بار آپ سے مل رہا ہوں۔"

سالار اس وقت جلال کے ہاسپٹل میں اسے ڈھونڈتے ہوئے آیا۔ چند لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کرنے پر وہ اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس وقت وہ ڈیوٹی روم کے باہر کھڑے تھے۔

"کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟" جلال اب کچھ حیران نظر آیا۔

"بیٹھ کر بات مگر کس سلسلے میں۔"

"امامہ کے سلسلے میں۔"

جلال کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "آپ کون ہیں؟"

"میں اس کا دوست ہوں۔" جلال کے چہرے کا رنگ ایک بار پھر بدل گیا۔ وہ چپ چاپ ایک طرف چلنے لگا۔ سالار اس کے ساتھ تھا۔

"پارکنگ میں میری گاڑی کھڑی ہے، وہاں چلتے ہیں۔" سالار نے کہا۔

گاڑی تک پہنچنے اور اس کے اندر بیٹھنے تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔

"میں اسلام آباد سے آیا ہوں۔" سالار نے کہنا شروع کیا۔

"امامہ چاہتی تھی کہ میں آپ سے بات کروں۔"

"امامہ نے کبھی مجھ سے آپ کا ذکر نہیں کیا۔" جلال نے کچھ عجیب سے انداز میں کہا۔

"آپ امامہ کو کب سے جانتے ہیں؟"

"تقریباً بچپن سے ہم دونوں کے گھر ساتھ ساتھ ہیں۔ بڑی گہری دوستی ہے ہماری۔"

سالار نہیں جانتا اس نے آخری جملہ کیوں کہا۔ شاید یہ جلال کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ تھے جن سے وہ کچھ اور محظوظ ہونا چاہتا تھا۔ وہ جلال کے چہرے پر نمودار ہونے والی ناپسندیدگی دیکھ چکا تھا۔

"امامہ سے میری بہت تفصیلی بات ہو چکی ہے، اتنی تفصیلی بات کے بعد اور کیا بات ہو سکتی ہے۔"

جلال نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"امامہ چاہتی ہے کہ آپ اس سے شادی کرلیں۔" سالار نے جیسے نیوز بلیٹن پڑھتے ہوئے کہا۔

"میں اپنا جواب اسے بتا چکا ہوں۔"

"وہ چاہتی ہے آپ اپنے فیصلے پر نظرثانی کریں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"وہ اس گھر میں اپنے والدین اور گھر والوں کی قید میں ہے۔ وہ چاہتی ہے آپ اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو وقتی طور پر اس سے نکاح کریں اور پھر پولیس کی مدد سے اسے چھڑا لیں۔"

"یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ ان کی قید میں ہے تو نکاح ہو ہی کیسے سکتا ہے۔"

"فون پر۔"

"نہیں، میں اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا۔ میں ایسے معاملات میں انوالو ہونا نہیں چاہتا۔" جلال نے کہا۔ "میرے والدین مجھے اس شادی کی اجازت نہیں دیں گے اور پھر وہ امامہ کو قبول کرنے پر تیار بھی نہیں ہیں۔"

جلال کی نظریں اب سالار کے بالوں کی پونی پر جمی ہوئی تھیں، یقیناً سالار کی طرح اس نے بھی اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہوگا۔

"اس نے کہا کہ آپ وقتی طور پر اس سے صرف نکاح کرلیں تاکہ وہ اپنے گھر سے نکل سکے، بعد میں آپ چاہیں تو اسے طلاق دے دیں۔"

"میں نے کہا نا میں اس کی مدد نہیں کرسکتا اور پھر اس طرح کے معاملات ..... آپ خود اس سے شادی کیوں نہیں کرلیتے   اگر وقتی شادی کی بات ہے تو آپ کرلیں۔ آخر آپ اس کے دوست ہیں۔" جلال نے کچھ چبھتے ہوئے انداز میں سالار سے کہا۔ "آپ اسلام آباد سے لاہور اس کی مدد کے لئے آسکتے ہیں تو پھر یہ کام بھی کرسکتے ہیں۔"

"اس نے مجھ سے شادی کا نہیں کہا، اس لئے میں نے اس بارے میں نہیں سوچا۔" سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا۔ "ویسے بھی وہ آپ سے محبت کرتی ہے، مجھ سے نہیں۔"

"مگر عارضی شادی یا نکاح میں تو محبت کا ہونا ضروری نہیں۔ بعد میں آپ بھی اسے طلاق دے دیں۔" جلال نے مسئلے کا حل نکال لیا تھا۔

"آپ کا مشورہ میں اسے پہنچا دوں گا۔" سالار نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر امامہ سے کہیں کہ وہ کوئی اور طریقہ اپنائے..... بلکہ آپ کسی نیوز پیپر کے آفس میں چلے جائیں اور انہیں امامہ کے بارے میں بتائیں کہ کس طرح اس کے خاندان نے

اسے زبردستی قید کر رکھا ہے۔ جب میڈیا اس معاملے کو ہائی لائٹ کرے گا تو خود ہی وہ امامہ کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے یا پھر آپ پولیس کو اس معاملے کی اطلاع دیں۔"

سالار کو حیرانی ہوئی۔ جلال کی تجویز بری نہیں تھی، واقعی امامہ اس بارے میں کیوں نہیں سوچ رہی تھی۔ یہ راستہ زیادہ محفوظ تھا۔

"میں آپ کا یہ مشورہ بھی اسے پہنچا دوں گا۔"

"آپ دوبارہ میرے پاس نہ آئیں بلکہ امامہ سے بھی یہ کہہ دیں کہ وہ مجھ سے کسی بھی طریقے یا ذریعے سے دوبارہ رابطہ نہ کرے۔ میرے والدین ایسے بھی میری منگنی کرنے والے ہیں۔" جلال نے جیسے انکشاف کیا۔

"ٹھیک ہے، میں یہ ساری باتیں اس تک پہنچا دوں گا۔" سالار نے لاپروائی سے کہا۔ جلال مزید کچھ کہے بغیر گاڑی سے اتر گیا۔

اگر امامہ کو یہ توقع تھی کہ سالار جلال کو اس سے شادی کرنے کے لئے قائل کرے گا تو یہ اس کی سب سے بڑی بھول تھی۔ وہ امامہ سے کوئی ہمدردی رکھتا تھا نہ ہی کسی خوف خدا کے تحت اس سارے معاملے میں کودا تھا   اس کے لئے یہ سب کچھ ایک ایڈونچر تھا اور ایڈونچر میں یقیناً جلال سے امامہ کی شادی شامل نہیں تھی۔ اگر جلال سے اس کی شادی کے لئے دلائل دینے بھی پڑتے تو وہ کیا دیتا۔ اس کے پاس صرف ایک دلیل کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں تھی کہ جلال اور امامہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور یہ وہ دلیل تھی جسے جلال پہلے ہی رد کر چکا تھا۔ وہ مذہبی یا اخلاقی حوالوں سے جلال کو قائل نہیں کرسکتا تھا کیونکہ وہ خود ان دونوں چیزوں سے نابلد تھا۔ مذہب اور اخلاقیات سے اس کا دور دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آخر وہ امامہ کے لئے ایک دوسرے آدمی سے اتنی لمبی بحث کرتا کیوں۔ وہ بھی ایسا آدمی جسے دیکھتے ہی اس نے ناپسند کر دیا تھا۔

اور یہ تمام وہ باتیں تھیں جو وہ اسلام آباد سے لاہور آتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ وہ آیا اس لئے تھا کیونکہ وہ جلال سے ملنا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ امامہ کے پیغام پر اس کا ردعمل کیا رہتا تھا۔ اس نے امامہ کا پیغام اسی کے لفظوں میں کسی اضافے یا ترمیم کے بغیر پہنچا دیا تھا اور اب وہ جلال کا جواب لے کر واپس جا رہا تھا اور خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔ آخر اس پیغام کے جواب میں وہ کیا کرے گی۔ کہے گی۔ اکیلے شادی تو وہ نہیں کرے گی، جلال اس سے شادی کرنے پر تیار نہیں، گھر سے وہ نکل نہیں سکتی، کوئی اور ایسا آدمی نہیں جو اس کی مدد کے لئے آسکے پھر آخر وہ اب آگے کیا کرے گی۔ عام طور پر لڑکیاں ان حالات میں خودکشی کرلیتی ہیں۔ اوہ یس   وہ یقیناً اب مجھ سے زہر یا ریوالور پہنچانے کی خواہش کرے گی۔

سالار متوقع صورت حال کے بارے میں سوچ کر پرجوش ہو رہا تھا۔ "خودکشی   ویری ایکسائٹنگ۔"

آخر اس کے علاوہ وہ اور کر بھی کیا سکتی ہے۔"

☆......☆......☆

"تم مجھ سے شادی کرو گے؟" سالار کو جیسے شاک لگا۔ "فون پر نکاح؟" وہ کچھ دیر کے لئے بول نہیں سکا۔

لاہور سے واپس آنے کے بعد اس نے امامہ کو جلال کا جواب بالکل اسی طرح سے پہنچا دیا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ اب رونا دھونا شروع کرے گی اور پھر اس سے کسی ہتھیار کی فرمائش کرے گی۔ مگر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش رہی پھر اس نے سالار سے جو کہا تھا اس نے چند ثانیوں کے لئے سالار کے ہوش گم کر دیئے تھے۔

"مجھے صرف کچھ دیر کے لئے تمہارا ساتھ چاہئے تاکہ میرے والدین اسجد کے ساتھ میری شادی نہ کر سکیں اور پھر تم بیلف کے ذریعے مجھے یہاں سے نکال لو۔ اس کے بعد مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہے گی اور میں کبھی بھی اپنے والدین کو تمہارا نام نہیں بتاؤں گی۔" وہ اب کہہ رہی تھی۔

"او کے کر لیتا ہوں ... مگر یہ بیلف والا کام تھوڑا مشکل ہے۔ اس میں بہت سی legalities انوالو ہو جاتی ہیں۔ وکیل کو ہائر کرنا ... اور ......" امامہ نے دوسری طرف سے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم اپنے فرینڈز سے اس سلسلے میں مدد لے سکتے ہو۔ تمہارے فرینڈز تو اس طرح کے کاموں میں ماہر ہوں گے۔"

سالار کے ماتھے پر کچھ بل نمودار ہوئے۔ "کس طرح کے کاموں میں۔"

"اسی طرح کے کاموں میں۔"

"تم کیسے جانتی ہو۔"

"وسیم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری کمپنی اچھی نہیں ہے۔"

امامہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔ یہ جملہ مناسب نہیں تھا۔

"میری کمپنی بہت اچھی ہے، کم از کم جلال انصر کی کمپنی سے بہتر ہے۔" سالار نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ اس بار بھی خاموش رہی۔

"بہرحال میں دیکھتا ہوں، میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔" سالار کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد بولا۔ "مگر تمہیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ یہ کام بہت رسکی ہے۔"

"میں جانتی ہوں مگر ہو سکتا ہے میرے والدین صرف یہ پتا چلنے پر ہی مجھے گھر سے نکال دیں کہ میں شادی کر چکی ہوں اور مجھے بیلف کی مدد لینی نہ پڑے یا ہو سکتا ہے وہ میری شادی کو قبول کر لیں اور پھر میں تم سے طلاق لے کر جلال سے شادی کر سکوں۔"

سالار نے سر کو قدرے افسوس کے عالم میں جھٹکا۔ "اس نے دنیا میں اس طرح کا احمق پہلے کبھی

نہیں دیکھا۔ وہ احمقوں کی جنت کی ملکہ تھی یا شاید ہونے والی تھی۔

"چلو دیکھتا ہوں، کیا ہوتا ہے۔" سالار نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

"میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔" حسن نے سالار کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر بے اختیار ہنسا۔

"یہ اس سال کا نیا ایڈونچر ہے یا آخری ایڈونچر۔"

"آخری ایڈونچر۔" سالار نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ تبصرہ کیا۔ "یعنی تم شادی کر رہے ہو۔" حسن نے برگر کھاتے ہوئے کہا۔

"شادی کا کون کہہ رہا ہے۔" سالار نے اسے دیکھا۔

"تو پھر؟"

"میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہ رہا ہوں۔ اس کو مدد کی ضرورت ہے، میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔" حسن اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"آج تم مذاق کے موڈ میں ہو؟"

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔" میں نے تمہیں یہاں مذاق کرنے کے لئے تو نہیں بلوایا۔"

"پھر کیا فضول باتیں کر رہے ہو...... نکاح...... لڑکی کی مدد ... وغیرہ وغیرہ۔" اس بار حسن نے قدرے ناگواری سے کہا۔ "محبت وغیرہ ہو گئی ہے تمہیں کسی سے؟"

"مائی فٹ ... میرا دماغ خراب ہے کہ میں کسی سے محبت کروں گا اور وہ بھی اس عمر میں۔" سالار نے تحقیر آمیز انداز میں کہا۔

"یہی تو ...... میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ پھر تم کیا کر رہے ہو۔"

سالار نے اس بار اسے تفصیل سے امامہ اور اس کے مسئلے کے بارے میں بتایا۔ اس نے حسن کو صرف یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی وسیم کی بہن ہے کیونکہ حسن وسیم سے بہت اچھی طرح واقف تھا لیکن اس سے تفصیلات سننے کے بعد حسن نے پہلا سوال ہی یہ کیا تھا۔

"وہ لڑکی کون ہے؟" سالار نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

"وسیم کی بہن۔"

"واٹ۔" حسن بے اختیار اچھلا۔ "وسیم کی بہن...... وہ جو میڈیکل کالج میں پڑھتی ہے۔"

"ہاں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا، تم کیوں خوامخواہ اس طرح کی حماقت کر رہے ہو۔ وسیم کو بتا دو اس

سارے معاملے کے بارے میں۔"

"میں تم سے مدد مانگنے آیا ہوں، مشورہ مانگنے نہیں۔" سالار نے ناگواری سے کہا۔

"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" حسن نے کچھ اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"تم نکاح خواں اور کچھ گواہوں کا انتظام کرو، تاکہ میں اس سے فون پر نکاح کر سکوں۔" سالار نے فوراً ہی کام کی بات کی۔

"مگر تمہیں یہ نکاح کر کے فائدہ کیا ہو گا۔"

"کچھ بھی نہیں، مگر میں کسی فائدے کے بارے میں سوچ بھی کب رہا ہوں۔"

"دفع کرو سالار! اس سب کو تم کیوں کسی دوسرے کے معاملے میں کود رہے ہو اور وہ بھی وسیم کی بہن کے معاملے میں بہتر "

سالار نے اس بار درشتی سے اس کی بات کاٹی۔ "تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ میری مدد کرو گے یا نہیں باقی چیزوں کے بارے میں پریشان ہونا تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہاری مدد کر دوں گا۔ میں مدد کرنے سے انکار نہیں کر رہا ہوں، مگر تم یہ سوچ لو کہ یہ سب بہت خطرناک ہے۔" حسن نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں کہا۔

"میں سوچ چکا ہوں، تم مجھے تفصیلات بتاؤ۔" سالار نے اس بار فرنچ فرائیز کھاتے ہوئے کچھ مطمئن انداز میں کہا۔

"بس ایک بات اگر انکل اور آنٹی کو پتا چل گیا تو کیا ہو گا۔"

"انہیں پتا نہیں چلے گا، وہ یہاں نہیں ہیں، کراچی گئے ہوئے ہیں اور ابھی کچھ دن وہیں رُکیں گے۔ وہ یہاں ہوتے پھر میرے لئے یہ سب کچھ کرنا بہت مشکل ہوتا۔" سالار نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ وہ اپنا برگر تقریباً ختم کر چکا تھا۔ حسن اب اپنا برگر کھاتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا مگر سالار اس کے تاثرات کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حسن اس وقت اپنا لائحہ عمل طے کرنے میں مصروف ہے۔ اسے حسن سے کسی قسم کا کوئی خوف یا خطرہ نہیں تھا۔ وہ اس کا بہترین دوست تھا۔

☆ ☆ ☆

حسن نے نکاح کے انتظامات بہت آسانی سے کر لئے تھے۔ سالار نے اسے کچھ رقم دی تھی جس سے اس نے تین گواہوں کا انتظام کر لیا تھا۔ چوتھے گواہ کے طور پر وہ خود موجود تھا۔ نکاح خواں کو اندازہ تو کہ اس نکاح میں کوئی غیر معمولی کہانی تھی۔ مگر اسے بھاری رقم کے ساتھ اتنی دھمکیاں بھی دے دی گئی تھیں کہ وہ خاموش ہو گیا۔

حسن سہ پہر کے وقت اس نکاح خواں اور تینوں گواہوں کو لے آیا تھا۔ وہ سب سالار کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہیں بیٹھ کر نکاح نامہ بھرا گیا تھا۔ سالار امامہ کو پہلے ہی اس بارے میں انفارم کر چکا تھا۔ مقررہ وقت پر فون پر نکاح خواں نے ان دونوں کا نکاح پڑھا دیا تھا۔ سالار نے ملازمہ کے ذریعے امامہ کو پیپرز بھجوا دیئے تھے۔ امامہ نے پیپرز لیتے ہی برق رفتاری سے ان پر سائن کر کے ملازمہ کو واپس دے دیئے تھے۔ ملازمہ ان پیپرز کو واپس سالار کے پاس لے آئی تھی، مگر وہ بری طرح تجسس کا شکار تھی۔ آخر وہ لوگ کون تھے جو سالار کے کمرے میں تھے اور یہ پیپرز کیسے تھے جن پر امامہ نے سائن کیا تھا۔ اس کا ماتھا ٹھنک رہا تھا اور اسے شبہ ہو رہا تھا کہ ہو نہ ہو وہ دونوں آپس میں شادی کر رہے تھے۔ سالار کو پیپرز واپس دیتے ہوئے وہ پوچھے بغیر رہ نہیں سکی تھی۔

"یہ کس چیز کے کاغذ ہیں سالار صاحب؟" اس نے بظاہر بڑی سادگی اور معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں اس سے کیا جیسے بھی پیپرز ہوں تم اپنے کام سے کام رکھو۔" سالار نے درشتی سے اسے جھڑک دیا۔

"اور ایک بات تم کان کھول کر سن لو، اس سارے معاملے کے بارے میں اگر تم اپنا منہ بند رکھو گی تو یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا بلکہ بہت بہتر ہو گا۔ "

"مجھے کیا ضرورت ہے جی کسی سے بھی اس بارے میں بات کرنے کی۔ میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا۔ آپ اطمینان رکھیں صاحب جی! میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

ملازمہ فوراً گھبرا گئی تھی۔ سالار ویسے بھی اتنا اکھڑ مزاج تھا کہ اسے اس سے بات کرتے ہوئے خوف آیا کرتا تھا۔ سالار نے کچھ نخوت بھرے انداز میں سر کو جھٹکا۔ اسے اس بات کا کوئی خوف نہیں تھا کہ ملازمہ یہ سب کسی کو بتا سکتی تھی۔ اگر بتا بھی دیتی تو اسے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

☆ ☆......☆

"تم ایک بار پھر جلال سے ملو، ایک بار پھر پلیز " وہ اس دن فون پر اس سے کہہ رہی تھی۔

سالار اس کی بات پر چڑ گیا۔ "وہ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا امامہ! وہ کتنی بار کہہ چکا ہے۔ آخر تم سمجھتی کیوں نہیں ہو کہ دوبارہ بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کے ماں باپ اس کی کوئی منگنی وغیرہ کرنا چاہ رہے ہیں "

"وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" امامہ نے بے اختیار اس کی بات کاٹ دی۔ "صرف اس لئے کہ میں اس سے دوبارہ کانٹیکٹ نہ کروں، ورنہ اس کے پیرنٹس اتنی جلدی اس کی منگنی کر ہی نہیں سکتے۔"

"تو جب وہ نہیں چاہتا تم سے شادی کرنا اور کانٹیکٹ کرنا تو تم کیوں خوار ہو رہی ہو اس کے پیچھے۔"

"کیونکہ میری قسمت میں خواری ہے۔" اس نے دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس کا کیا مطلب ہے۔" وہ اُلجھا۔

"کوئی مطلب نہیں ہے۔ نہ تم سمجھ سکتے ہو ـــــ تم بس اس سے جا کر کہو کہ میری مدد کرے، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت کرتا ہے ۔ اس سے کہو کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی مجھ سے شادی کر لے۔" وہ بات کرتے کرتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" وہ اس کے آنسوؤں سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔ "کیا یہ بات کہنے سے وہ تم سے شادی کر لے گا۔"

امامہ نے جواب نہیں دیا، وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ وہ بیزار ہو گیا۔

"تم یا تو رو لو ... یا پھر مجھ سے بات کر لو۔"

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ سالار نے فوراً کال کی۔ کال ریسیو نہیں کی گئی۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد امامہ نے اسے دوبارہ کال کی۔ "اگر تم یہ وعدہ کرتی ہو کہ تم روؤ گی نہیں تو مجھ سے بات کرو، ورنہ فون بند کر دو۔" سالار نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"پھر تم لاہور جا رہے ہو۔" اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے اس سے پوچھا۔ سالار کو اس کی مستقل مزاجی پر حیرانی ہوئی۔ وہ واقعی ڈھیٹ تھی۔ وہ اب بھی اپنی ہی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔

"اچھا، میں چلا جاؤں گا۔ تم نے اپنے گھر والوں کو شادی کے بارے میں بتایا ہے۔" سالار نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"نہیں، ابھی نہیں بتایا۔" وہ اب خود پر قابو پا چکی تھی۔

"کب بتاؤ گی؟" سالار کو جیسے ڈرامے کے اگلے سین کا انتظار تھا۔

"پتا نہیں۔" وہ کچھ اُلجھی۔ "تم کب لاہور جاؤ گے؟"

"بس جلد ہی چلا جاؤں گا۔ ابھی یہاں مجھے کچھ کام ہے ورنہ فوراً ہی چلا جاتا۔"

اس بار سالار نے جھوٹ بولا تھا۔ نہ تو اسے کوئی کام تھا اور نہ ہی وہ اس بار لاہور جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"جب تم نکاح کے ذریعے اپنے گھر سے نکل آؤ گی تو اس کے بعد تم کیا کرو گی۔ آئی مین! کہاں جاؤ گی؟" سالار نے ایک بار پھر اسے اس موضوع سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "اس صورت میں جب جلال بھی تمہاری مدد کرنے پر تیار نہ ہوا تو ..."

"میں ابھی ایسا کچھ فرض نہیں کر رہی، وہ ضرور میری مدد کرے گا۔" امامہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پرزور انداز میں کہا۔ سالار نے کندھے اچکائے۔

"تم کچھ بھی فرض کرنے پر تیار نہیں ہو، ورنہ میں تم سے ضرور کہتا کہ شاید وہ نہ ہو جو تم چاہتی ہو پھر تم کیا کرو گی تمہیں دوبارہ اپنے پیرنٹس کی مدد کی ضرورت پڑے گی...... تو زیادہ بہتر یہی ہے کہ تم ابھی یہاں سے نہ جانے کا سوچو ... نہ ہی بیاف اور کورٹ کی مدد لو۔ بعد میں بھی تو تمہیں یہاں ہی آنا پڑے گا۔"

"میں دوبارہ کبھی یہاں نہیں آؤں گی، کسی صورت میں نہیں۔"

"یہ جذباتیت ہے۔" سالار نے تبصرہ کیا۔

"تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے۔" امامہ نے ہمیشہ کی طرح اپنا مخصوص جملہ دہرایا۔ سالار کچھ جز بز ہوا۔

"او کے کرو جو کرنا چاہتی ہو۔" اس نے لاپروائی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"کل شام کو ہم لوگ اسجد کے ساتھ تمہارا نکاح کر رہے ہیں۔ تمہاری رخصتی بھی ساتھ ہی کر دیں گے۔"

ہاشم مبین نے رات کو اس کے کمرے میں آ کر اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بابا! میں انکار کر دوں گی آپ کے لئے بہتر ہے آپ اس طرح زبردستی میری شادی نہ کریں۔"

"تم انکار کرو گی تو میں تمہیں اسی وقت شوٹ کر دوں گا، یہ بات تم یاد رکھنا۔" وہ سر اٹھائے انہیں دیکھتی رہی۔

"بابا! میں شادی کر چکی ہوں۔" ہاشم مبین کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ "میں اسی لئے اس شادی سے انکار کر رہی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"نہیں، میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ میں چھ ماہ پہلے شادی کر چکی ہوں۔"

"کس کے ساتھ۔"

"میں یہ آپ کو نہیں بتا سکتی۔"

ہاشم مبین کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس اولاد کے ہاتھوں اتنا خوار ہوں گے۔ آگ بگولہ ہو کر وہ امامہ پر لپکے اور انہوں نے یکے بعد دیگرے اس کے چہرے پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے۔ وہ چہرے کے سامنے دونوں ہاتھ کرتے ہوئے خود کو بچانے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ اس میں بری طرح ناکام رہی۔ کمرے میں ہونے والا شور سن کر وسیم سب سے پہلے وہاں آیا تھا اور اسی نے ہاشم مبین کو پکڑ کر زبردستی امامہ سے دور کیا۔ وہ دیوار کے ساتھ پشت لگائے روتی رہی۔

"بابا! آپ کیا کر رہے ہیں، سارا معاملہ آرام سے حل کیا جا سکتا ہے۔" وسیم کے پیچھے گھر کے باقی لوگ بھی اندر چلے آئے تھے۔

"اس نے اس نے شادی کر لی ہے کسی سے۔" ہاشم مبین نے غم و غصہ کے عالم میں کہا۔

"بابا! جھوٹ بول رہی ہے، شادی کیسے کر سکتی ہے۔ ایک بار بھی گھر سے نہیں نکلی۔" یہ وسیم تھا۔

"تمہیں ماہ پہلے شادی کرنی ہے اس نے۔" امامہ نے سر نہیں اٹھایا۔

"نہیں، میں نہیں مانتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسا کر ہی نہیں سکتی۔" وسیم اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ امامہ نے دھندلائی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا اور کہا۔

"ایسا ہو چکا ہے۔"

"کیا ثبوت ہے نکاح نامہ ہے تمہارے پاس؟" وسیم نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"یہاں نہیں ہے، لاہور میں ہے، میرے سامان میں۔"

"بابا! میں کل لاہور سے اس کا سامان لے آتا ہوں۔ دیکھ لیتے ہیں۔" وسیم نے ہاشم مبین سے کہا۔ امامہ بے اختیار پچھتائی۔ سامان سے کیا مل سکتا تھا۔

"شادی کر بھی لی ہے تو کوئی بات نہیں، طلاق دلوا کر تمہاری شادی اسجد سے کرواؤں گا اور اس آدمی نے طلاق نہ دی تو پھر اسے قتل کروا دوں گا۔" ہاشم مبین نے سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے جاتے ہوئے کہا۔ کمرہ آہستہ آہستہ خالی ہو گیا۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ جال میں پھنسنے کے بعد کے احساسات کیا ہوتے ہیں۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ نکاح نامے کی کاپی سالار نے اس کو نہیں بھجوائی تھی۔ اگر اس کے پاس ہوتی بھی تو تب بھی وہ اسے ہاشم مبین کو نہیں دے سکتی تھی ورنہ سالار سکندر کا نام نکاح نامے پر دیکھنے کے بعد ان کے لئے اس تک پہنچنا اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا منٹوں کا کام تھا اور اس کے سامان سے نکاح نامہ نہیں ملے گا تو اس کے اس بیان پر کسی کو یقین نہ آسکا۔ وہ نکاح کر چکی تھی۔

اس نے کمرے کے دروازے کو لاک کر دیا اور موبائل پر سالار کو کال کرنے لگی۔ اس نے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔

"تم ایک بار پھر لاہور جاؤ اور جلال کو میرے بارے میں بتاؤ میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ مجھے یہیں سے نکلنا ہے اور اس کے علاوہ میں کہیں نہیں جا سکتی۔ تم میرے لئے ایک وکیل کو ہائر کرو اور اس سے کہو کہ وہ میرے پیرنٹس کو میرے شوہر کی طرف سے مجھے حبس بے جا میں رکھنے کے خلاف ایک کورٹ نوٹس بھجوائے۔"

"تمہارے شوہر، یعنی میری طرف سے۔"

"تم وکیل کو اپنا نام مت بتانا بلکہ یہ بہتر ہے کہ اپنے کسی دوست کے ذریعے وکیل ہائر کرو اور

میرے شوہر کا کوئی بھی فرضی نام دے سکتے ہو۔ تمہارا نام وکیل کے ذریعے انہیں پتا چلے گا تو وہ تم تک پہنچ جائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتی۔"

امامہ نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اسے کیا خدشہ ہے اور نہ ہی سالار نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

اس سے بات کرنے کے بعد امامہ نے فون بند کر دیا۔ اگلے روز دس گیارہ بجے کے قریب کسی وکیل نے فون کر کے ہاشم مبین سے امامہ کے سلسلے میں بات کی اور انہیں امامہ کو زبردستی اپنے گھر رکھنے کے بارے میں اس کے شوہر کی طرف سے کئے جانے والے کیس کے بارے میں بتایا۔ ہاشم مبین کو مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ غصے میں پھنکارتے ہوئے اس کے کمرے میں گئے اور اسے بری طرح مارا۔

"تم دیکھنا امامہ! تم کس طرح برباد ہو گی...... ایک ایک شے کے لئے ترسو گی تم .. جو لڑکیاں تمہاری طرح اپنے ماں باپ کی عزت کو نیلام کرتی ہیں ان کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ تم نہیں کورٹ تک لے گئی ہو تم نے وہ سارے احسان فراموش کر دیئے، جو ہم نے تم پر کئے۔ تمہارے جیسی بیٹیوں کو واقعی پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دینا چاہئے۔"

وہ بڑی خاموشی سے پٹتی رہی۔ اپنے باپ کی کیفیات کو سمجھ سکتی تھی مگر وہ اپنی کیفیات اور اپنے احساسات انہیں نہیں سمجھا سکتی تھی۔

"تم نے ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا، کسی کو نہیں۔ ہمیں زندہ درگور کر دیا ہے تم نے۔"

سلمیٰ اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھیں مگر انہوں نے ہاشم مبین احمد کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خود بھی بری طرح مشتعل تھیں، وہ جانتی تھیں کہ امامہ کا یہ قدم کس طرح ان کے پورے خاندان کو متاثر کرنے والا تھا اور خاص طور پر ان کے شوہر کو۔

"تم نے ہمارے اعتماد کا خون کیا ہے۔ کاش تم میری اولاد نہ ہوتیں۔ کبھی میرے خاندان میں پیدا نہ ہوئی ہوتیں۔ پیدا ہو ہی گئی تھی تو تب ہی مر جاتی۔ یا میں ہی تمہیں مار دیتا۔" امامہ آج ان کی باتوں اور پٹائی پر نہیں رو رہی تھی۔ اس نے مدافعت کی کوئی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ صرف خاموشی کے ساتھ پٹتی رہی پھر ہاشم مبین احمد جیسے تھک سے گئے اور اسے مارتے مارتے رک گئے۔ ان کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ بالکل خاموشی سے ان کے سامنے دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔

"تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے، سب کچھ چھوڑ دو۔ اس لڑکے سے طلاق لے لو اور اسجد سے شادی کر لو۔ ہم اس سب کو معاف کر دیں گے، بھلا دیں گے۔" اس بار سلمیٰ نے تیز لہجے میں اس سے کہا۔

"نہیں، واپس آنے کے لئے اسلام قبول نہیں کیا مجھے واپس نہیں آنا۔" امامہ نے مدھم مگر مستحکم

آواز میں کہا۔ "آپ مجھے اس گھر سے چلے جانے دیں، مجھے آزاد کر دیں۔"

"اس گھر سے نکل جاؤ گی تو دنیا تمہیں بہت ٹھوکریں مارے گی۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ باہر کی دنیا میں کیسے مگرمچھ تمہیں ہڑپ کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ جس لڑکے سے شادی کر کے تم نے ہمیں ذلیل کیا ہے وہ تمہیں بہت خوار کرے گا۔ ہمارے خاندان کو دیکھ کر اس نے تمہارے ساتھ اس طرح چوری چھپے رشتہ جوڑا ہے، جب ہم تمہیں اپنے خاندان سے نکال دیں گے اور تم پائی پائی کی محتاج ہو جاؤ گی تو وہ بھی تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائے گا، تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی، کوئی ٹھکانہ نہیں ملے گا۔" سلمٰی اب اسے ڈرا رہی تھیں۔ "ابھی بھی وقت ہے امامہ! تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے۔"

"نہیں امی! میرے پاس کوئی وقت نہیں ہے، میں سب کچھ طے کر چکی ہوں۔ میں اپنا فیصلہ آپ کو بتا چکی ہوں۔ مجھے یہ سب قبول نہیں۔ آپ مجھے جانے دیں، اپنے خاندان سے الگ کرنا چاہتے ہیں، کر دیں۔ جائیداد سے محروم کرنا چاہتے ہیں، کر دیں۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی مگر میں کروں گی وہی جو میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ میں اپنی زندگی کے راستے کا انتخاب کر چکی ہوں۔ آپ یا کوئی بھی اسے بدل نہیں سکتا۔"

"ایسی بات ہے تو تم اس گھر سے نکل کر دکھاؤ، میں تمہیں جان سے مار دوں گا لیکن اس گھر سے تمہیں جانے نہیں دوں گا اور اس وکیل کو تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گا۔ تمہیں اگر یہ خوش فہمی ہے کہ کوئی کورٹ یا عدالت تمہیں میری تحویل سے نکال سکتی ہے تو یہ تمہاری بھول ہے، میں تمہیں کبھی بھی کہیں بھی جانے نہیں دوں گا۔ میں وسیم کے آنے سے پہلے اس گھر سے کہیں اور منتقل کر دوں گا پھر میں دیکھوں گا کہ تم کس طرح اپنے فیصلے کو تبدیل نہیں کرتیں اور مجھے اگر وہ لڑکا نہ ملا جس سے تم نے شادی کی ہے تو پھر میں اس بات کی پروا کئے بغیر کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے اسجد سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ میں اس شادی کو سرے سے ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ تمہاری شادی صرف وہ ہوگی جو میری مرضی سے ہوگی، اس کے علاوہ نہیں۔" وہ مشتعل انداز میں کہتے ہوئے سلمٰی کے ساتھ باہر نکل گئے۔ وہ وہیں دیوار کے ساتھ کھڑی خوفزدہ اور پریشان نظروں سے دروازے کو دیکھتی رہی۔ اس نے جس مقصد کے لئے شادی کی تھی اس کا کوئی فائدہ ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہاشم مبین احمد اپنی بات پر چٹان کی طرح اڑے ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"بے چاری امامہ بی بی!" ناصرہ نے سالار کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے اچانک بلند آواز میں افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ سالار نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی اسٹڈی ٹیبل پر پڑی ہوئی کتابوں کو سمیٹ رہا تھا۔ ناصرہ اسے متوجہ دیکھ کر تیزی سے بولی۔

"بڑی مار پڑی ہے جی کل رات کو۔"

"کس کو مار پڑی ہے؟" سالار نے کتابیں ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

"امامہ بی بی کو جی! اور کسے۔" وہ کتابیں ایک طرف کرتے کرتے رک گیا اور ناصرہ کو دیکھا جو کمرے میں موجود ایک شیلف کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی۔

"ہاشم مبین نے کل بہت مارا ہے اسے۔"

سالار بے حد محظوظ ہوا۔ "واقعی؟"

"ہاں جی، بہت زیادہ پٹائی کی ہے، میری بیٹی بتا رہی تھی۔" ناصرہ نے کہا۔

"ویری نائس۔" سالار نے بے اختیار تبصرہ کیا۔

"جی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ناصرہ نے اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں مارا کس لئے؟" سالار نے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ ناصرہ کو عجیب لگی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اس خبر پر مسکرائے گا۔ اس کے ذاتی "قیافوں" اور "اندازوں" کے مطابق ان دونوں کے درمیان جیسے تعلقات تھے اس پر سالار کو بہت زیادہ افسردہ ہونا چاہئے تھا مگر یہاں صورت حال بالکل برعکس تھی۔

"بے چاری امامہ بی بی کو پتا چل جائے کہ سالار صاحب اس خبر پر مسکرا رہے تھے تو وہ تو صدمے سے ہی مر جائیں۔" ناصرہ نے دل میں سوچا۔

"کس بات پر مارا ہے جی!" سنا ہے وہ اسجد صاحب سے شادی پر تیار نہیں ہیں کسی اور "لڑکے" سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔" ناصرہ نے لڑکے پر زور دیتے ہوئے معنی خیز انداز میں سالار کو دیکھا۔

"بس اس بات پر۔" سالار نے لاپروائی سے کہا۔

"یہ کوئی چھوٹی بات تھوڑی ہے جی، ان کے پورے گھر میں طوفان مچا ہوا ہے۔ شادی کی تاریخ طے ہو چکی ہے، کارڈ آ چکے ہیں اور اب امامہ بی بی بضد ہیں کہ وہ اسجد صاحب سے شادی نہیں کریں گی۔ بس اسی بات پر ہاشم صاحب نے ان کی پٹائی کی۔"

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ اس پر کسی کو مارا جائے۔" وہ اپنی کتابوں میں مصروف تھا۔

"یہ تو آپ کہہ رہے ہیں نا..... ان لوگوں کے لئے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔" ناصرہ نے اسی طرح صفائی کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "میں تو بڑی دکھی ہوں امامہ بی بی کے لئے۔ بڑی اچھی ہیں، ادب لحاظ والی اور اب دیکھیں کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے ان پر۔ ہاشم صاحب نے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی ہے۔ میری بیٹی روز ان کا کمرہ صاف کرتی ہے اور وہ بتاتی ہے کہ ان کا تو چہرہ ہی اتر کر رہ گیا ہے۔"

ناصرہ اسی طرح بول رہی تھی۔ شاید وہ شعوری طور پر یہ کوشش کر رہی تھی کہ سالار اسے اپنا اور

امامہ کا حمایتی اور طرف دار سمجھتے ہوئے کوئی راز کہہ دے مگر سالار احمق نہیں تھا اور اسے ناصرہ کی اس نام نہاد ہمدردی سے کوئی دلچسپی تھی بھی نہیں۔ اگر امامہ کی پٹائی ہو رہی تھی اور اسے کچھ تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تو اس سے اس کا کیا تعلق تھا، مگر اسے اس صورت حال پر ہنسی ضرور آ رہی تھی۔ کیا اس دور میں بھی کوئی اس عمر کی اولاد پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے اور وہ بھی ہاشم مبین احمد جیسے امیر طبقے کا آدمی حیرانی کی بات تھی "

سوچ کی ایک ہی رو میں بہت سے متضاد خیالات بہہ رہے تھے۔

ناصرہ تو ویسے ہی اسی طرح بولتی اپنا کام کرتی رہی مگر پھر جب اس نے دیکھا کہ سالار اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا اور اپنے کام میں مصروف ہو چکا ہے تو وہ قدرے مایوس ہو کر خاموش ہو گئی۔ " یہ پہلے محبت کرنے والے تھے، جن کا رویہ بے حد عجیب تھا کوئی اضطراب بے چینی اور پریشانی تو ان دونوں کے درمیان نظر ہی نہیں آ رہی تھی ... ایک دوسرے کی تکلیف کا بھی سن کر شاید امامہ بی بی بھی ان کے بارے میں اس طرح کی کوئی بات سن کر اسی طرح مسکرائیں، کون جانتا ہے۔"

ناصرہ نے شیلف پر پڑی ایک تصویر اٹھا کر صاف کی۔

☆ ... ☆ ☆

گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ اس کی زندگی کے سب سے مشکل اور تکلیف دہ فیصلوں میں سے ایک تھا مگر اس کے علاوہ اس کے پاس اب دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہاشم مبین احمد اسے کہاں لے جاتے اور پھر کس طرح اسے طلاق دلوا کر اس کی شادی اسجد سے کرتے، وہ نہیں جانتی تھی۔ واحد چیز جو وہ جانتی تھی وہ یہ حقیقت تھی کہ ایک بار وہ اسے کہیں اور لے گئے تو پھر اس کے پاس رہائی اور فرار کا کوئی راستہ نہیں بچے گا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اسے جان سے کبھی نہیں ماریں گے مگر زندہ رہ کر اس طرح کی زندگی گزارنا زیادہ مشکل ہو جاتا، جیسی زندگی کی وہ اس وقت توقع اور تصور کر رہی تھی۔

ہاشم مبین احمد کے چلے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک بیٹھ کر روتی رہی اور پھر اس نے پہلی بار اپنے حالات پر غور کرنا شروع کیا۔ اسے گھر سے صبح ہونے سے پہلے پہلے نکلنا تھا اور نکل کر کسی محفوظ جگہ پر پہنچنا تھا۔ محفوظ جگہ ؟ اس کے ذہن میں ایک بار پھر جلال انصر کا خیال آیا، اس وقت صرف وہی شخص تھا جو اسے صحیح معنوں میں تحفظ دے سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے مجھے اپنے سامنے دیکھ کر اس کا فیصلہ اور رویہ بدل جائے، وہ اپنے فیصلے پر غور کرنے پر مجبور ہو جائے، ہو سکتا ہے وہ مجھے سہارا اور تحفظ دینے پر تیار ہو جائے۔ اس کے والدین کو مجھ پر ترس آ جائے۔

ایک موہوم سی امید اس کے دل میں ابھر رہی تھی۔ وہ مدد نہیں بھی کرتے تب بھی کم از کم میں آزاد تو ہوں گی۔ اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے گزار تو سکوں گی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں یہاں سے

کیسے نکلوں گی اور جاؤں گی کہاں ؟

وہ بہت دیر تک پریشانی کے عالم میں بیٹھی رہی، اسے ایک بار پھر سالار کا خیال آیا۔

"اگر میں کسی طرح اس کے گھر پہنچ جاؤں تو وہ میری مدد کر سکتا ہے۔"

اس نے سالار کے موبائل پر اس کا نمبر ملایا۔ موبائل آف تھا، کئی بار کال ملائی لیکن اس سے رابطہ نہ ہو سکا۔ امامہ نے موبائل بند کر دیا۔ اس نے ایک بیگ میں اپنے چند جوڑے، کپڑے اور دوسری چیزیں رکھ لیں۔ اس کے پاس کچھ زیورات اور رقم بھی تھی، اس نے انہیں بھی اپنے بیگ میں رکھ لیا پھر جتنی بھی قیمتی چیزیں اس کے پاس تھیں، جنہیں وہ آسانی سے ساتھ لے جا سکتی تھی اور بعد میں بیچ کر پیسے حاصل کر سکتی تھی وہ انہیں اپنے بیگ میں رکھتی گئی۔ بیگ بند کرنے کے بعد اس نے اپنے کپڑے تبدیل کئے اور پھر دو نفل ادا کئے۔

اس کا دل بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ بے سکونی اور اضطراب نے اس کے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ آنسو بہا کر بھی اس کے دل کا بوجھ کم نہیں ہوا تھا۔ نوافل ادا کرنے کے بعد جتنی آیات اور سورتیں اسے زبانی یاد تھیں اس نے وہ ساری پڑھ لیں۔

بیگ لے کر اپنے کمرے کی لائٹ بند کر کے وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ لاؤنج کی ایک لائٹ کے علاوہ ساری لائٹیں آف تھیں، وہاں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ وہ محتاط انداز میں چلتے ہوئے سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی اور پھر کچن کی طرف چلی گئی۔ کچن تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ محتاط انداز میں چیزوں کو ٹٹولتے ہوئے کچن کے اس دروازے کی طرف بڑھ گئی جو باہر لان میں کھلتا تھا۔ پچھلے لان کے اس حصے میں کچھ سبزیاں اگائی گئی تھیں اور اس گھر میں کچن کا وہ دروازہ واحد دروازہ تھا جسے لاک نہیں کیا جاتا تھا، صرف چٹخنی لگا دی جاتی تھی۔ دروازہ اس رات بھی لاک نہیں تھا۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ کچھ فاصلے پر سرونٹ کوارٹرز تھے، وہ بے حد محتاط انداز میں چلتے ہوئے لان عبور کر کے اپنے اور سالار کے گھر کی درمیانی دیوار تک پہنچ گئی۔ دیوار بہت زیادہ بلند نہیں تھی، اس نے آہستگی سے بیگ دوسری طرف پھینک دیا اور پھر کچھ جدوجہد کے بعد خود بھی دیوار پھلانگنے میں کامیاب ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

گہری نیند کے عالم میں سالار نے کھٹکے کی آواز سنی تھی پھر وہ آواز دستک کی آواز میں تبدیل ہو گئی تھی۔ رک رک کر مگر مسلسل کی جانے والی دستک کی آواز وہ اوندھے منہ پیٹ کے بل سو رہا تھا۔ دستک کی اس آواز نے اس کی نیند توڑ دی تھی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بیڈ پر بیٹھے بیٹھے اس نے تاریکی میں اپنے چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ خوف کی ایک لہر اس کے اندر سرایت کر گئی۔ وہ آواز کھڑکیوں کی طرف سے آ رہی تھی۔ یوں جیسے کوئی

ان کھڑکیوں کو بجا رہا تھا مگر بہت آہستہ آہستہ یا پھر شاید کوئی ان کھڑکیوں کو ٹٹولتے ہوئے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سالار کے ذہن میں پہلا خیال کسی چور کا آیا تھا، وہ سلائیڈنگ ونڈوز تھیں اور بدقسمتی سے وہاں کوئی گرل نہیں تھی۔ اس کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں کی گئی تھی کیونکہ وہ امپورٹڈ گلاس کی بنی ہوئی تھیں جنہیں آسانی سے توڑا یا کاٹا نہیں جا سکتا تھا اور انہیں صرف اندر سے کھولا جا سکتا تھا۔ گھر کے چاروں طرف موجود لان میں ویسے بھی رات کو کتے کھلے ہوتے تھے اور ان کے ساتھ تین گارڈز بھی ہوتے تھے مگر ان تمام حفاظتی اقدامات کے باوجود اس وقت اس کھڑکی کے دوسری طرف موجود چھوٹے سے برآمدے میں کوئی موجود تھا جو اس کھڑکی کو کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

اپنے بیڈ سے دبے قدموں اٹھ کر وہ تاریکی میں ہی کھڑکی کی طرف آیا جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔ وہ اس کے بالکل مخالف سمت گیا اور بہت احتیاط کے ساتھ اس نے پردے کے ایک سرے کو تھوڑا سا اٹھاتے ہوئے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ لان میں لگی روشنیوں میں اس نے اپنی کھڑکی کے سامنے جسے کھڑا دیکھا تھا اس نے اسے ہکا بکا کر دیا تھا۔

"یہ پاگل ہے۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اس وقت اگر لان میں پھرتے چار غیر ملکی نسل کے کتے اسے دیکھ لیتے تو سالار یا کسی بھی دوسرے کے پہنچنے سے پہلے وہ اسے چیر پھاڑ چکے ہوتے اور اگر کہیں گارڈز میں سے کسی نے اسے وہاں دیکھا ہوتا تو بھی وہ تفتیش یا تحقیق پر وقت ضائع کرنے سے پہلے اسے شوٹ کر چکے ہوتے مگر وہ اس وقت بالکل محفوظ وہاں کھڑی تھی اور یقیناً اپنے گھر کی دیوار پھلانگ کر یہاں آئی تھی۔

ہونٹ بھینچے اس نے کمرے کی لائٹ آن کی۔ لائٹ آن ہوتے ہی دستک کی آواز رک گئی۔ کتے کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی۔ پردے کھینچتے ہی اس نے سلائیڈنگ ونڈو کو ہٹا دیا۔

"اندر آؤ جلدی۔" سالار نے تیزی سے امامہ سے کہا۔ وہ کچھ نروس ہو کر کھڑکی سے اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیگ بھی تھا۔

پردے برابر کرتے ہی سالار نے مڑ کر اس سے کہا۔

"فار گاڈ سیک امامہ! تم پاگل ہو۔" امامہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنا بیگ اپنے پیروں میں رکھ رہی تھی۔

"تم دیوار کراس کر کے آئی ہو؟"

"ہاں۔"

"تمہیں گارڈز یا کتوں میں سے کوئی دیکھ لیتا تو...... اس وقت باہر تمہاری لاش پڑی ہوتی۔"

"میں نے تمہیں بہت دفعہ رنگ کیا، تمہارا موبائل آف تھا، کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا میرے پاس۔"

سالار نے پہلی بار اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ ستا ہوا تھا۔ وہ بڑی سی سفید چادر لپیٹے ہوئے تھی مگر اس چادر اور اس کے کپڑوں پر جگہ جگہ مٹی کے دھبے تھے۔

"تم مجھے لاہور چھوڑ کر آ سکتے ہو؟" وہ کمرے کے وسط میں کھڑی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"اس وقت؟" اس نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں، ابھی اسی وقت۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

سالار نے تعجب کے عالم میں وال کلاک پر ایک نظر ڈالی۔ "وکیل نے تمہارے گھر فون کیا تھا، تمہارا مسئلہ حل نہیں ہوا؟"

امامہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، وہ لوگ مجھے صبح کہیں بھجوا رہے ہیں۔ میں تمہیں اسی لئے سارا دن فون کرتی رہی مگر تم نے موبائل آن نہیں کیا۔ میں چاہتی تھی تم وکیل کو کہو کہ وہ پولیس کے ساتھ آ کر مجھے وہاں سے آزاد کروائے مگر تم سے کانٹیکٹ نہیں ہوا اور کل اگر تم سے کانٹیکٹ ہوتا بھی تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ لوگ اس سے پہلے ہی مجھے کہیں شفٹ کر دیتے اور یہ ضروری تو نہیں کہ مجھے یہ پتا ہوتا کہ وہ مجھے کہاں شفٹ کر رہے ہیں۔"

سالار نے جماہی لی۔ اسے نیند آ رہی تھی۔ "تم بیٹھ جاؤ۔" اس نے امامہ سے کہا۔ وہ ابھی تک کھڑی تھی۔

"تم اگر مجھے لاہور نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم بس اسٹینڈ تک پہنچا دو، میں وہاں سے خود لاہور چلی جاؤں گی۔" اس نے سالار کو نیند میں دیکھ کر کہا۔ "میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تو کوئی گاڑی لاہور نہیں جا رہی ہو گی۔"

"میں تمہیں صبح......" امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"نہیں، صبح نہیں۔ میں صبح تک یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔ اگر لاہور کی گاڑی نہیں ملی تو میں کسی اور شہر کی گاڑی میں بیٹھ جاؤں گی پھر وہاں سے لاہور چلی جاؤں گی۔"

"تم بیٹھو تو سہی۔" سالار نے اس سے ایک بار پھر کہا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ہچکچائی پھر صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ سالار خود بھی اپنے بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گیا۔

"لاہور تم کہاں جاؤ گی؟" اس نے پوچھا۔

"جلال کے پاس۔"

"مگر وہ تو تم سے شادی سے انکار کر چکا ہے۔"

"میں پھر بھی اس کے پاس جاؤں گی، اسے مجھ سے محبت ہے۔ وہ مجھ کو اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس سے اور اس کے گھر والوں سے ریکویسٹ کروں گی۔ میں جانتی ہوں وہ میری

بات مان لیں گے، وہ میری صورت حال کو سمجھ لیں گے۔"

"مگر تم تو مجھ سے شادی کر چکی ہو۔" امامہ چونک کر سالار کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"پیپر میرج ہے وہ ... میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں مجبوراً نکاح کر رہی ہوں، شادی تو نہیں ہے یہ۔" وہ اسے پلکیں جھپکائے بغیر گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ "تم جانتی ہو، میں آج لاہور گیا تھا جلال کے پاس۔"

امامہ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ "تم نے اسے میری پریشانی اور صورت حال کے بارے میں بتایا؟"

"نہیں۔" سالار نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"جلال نے شادی کر لی ہے۔" سالار نے لاپروائی سے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ وہ سانس لینا بھول گئی۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ کسی بت کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

"تین دن ہو گئے ہیں اس کی شادی کو۔ کل پرسوں تک وہ میرو تفریح کے لئے ناردرن ایریاز کی طرف جا رہا ہے۔ اس نے میری کوئی بات سننے سے پہلے ہی مجھے یہ سب کچھ بتانا شروع کر دیا تھا۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ میں اب تمہارے بارے میں بات نہ کروں۔ اس کی بیوی بھی ڈاکٹر ہے۔" سالار بات کرتے کرتے رُک گیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے گھر والوں نے تمہارے مسئلے کی وجہ سے ہی اس کی اس طرح اچانک شادی کی ہے۔" وہ کے بعد دیگرے جھوٹ پر جھوٹ بولتا جا رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔" جیسے کسی خلا سے آواز آئی تھی۔

"ہاں، مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ تمہیں بھی یقین نہیں آئے گا مگر یہ سچ ہے۔ تم فون کر کے اس سے بات کر سکتی ہو اس بارے میں۔" سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

امامہ کو لگا وہ پہلی بار صحیح معنوں میں گھپ اندھیرے میں آ کھڑی ہوئی ہے۔ روشنی کی وہ کرن جس کے تعاقب میں وہ اتنا عرصہ چلتی آئی ہے، یک دم گل ہو گئی ہے۔ راستہ تو ایک طرف، وہ اپنے وجود کو بھی نہیں دیکھ پا رہی تھی۔

"اب تم خود سوچ لو کہ لاہور جا کر تم کیا کرو گی۔ وہ تو اب تم سے شادی کر سکتا ہے، نہ اس کے گھر والے تمہیں پناہ دے سکتے ہیں۔ بہتر ہے تم واپس چلی جاؤ، ابھی تمہارے گھر والوں کو پتا نہیں چلا ہو گا۔"

امامہ نے کہیں بہت دور سے سالار کی آواز آتی سنی۔ وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"مجھے لاہور چھوڑ آؤ۔" وہ بڑبڑائی۔

"جلال کے پاس جاؤ گی؟"

"نہیں۔ اس کے پاس نہیں جاؤں گی مگر میں اپنے گھر نہیں رہ سکتی۔"

وہ یک دم صوفے سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سالار نے ایک سانس لے کر اُلجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"یا پھر مجھے گیٹ تک چھوڑ آؤ، میں خود چلی جاتی ہوں۔ تم چوکیدار سے کہو، وہ مجھے باہر جانے دے۔" اس نے بیگ اُٹھا لیا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ یہاں سے بس اسٹینڈ کتنی دور ہے۔ اتنی دھند اور سردی میں تم پیدل وہاں تک جا سکو گی۔"

"جب اور کچھ نہیں رہا میرے پاس تو دھند اور سردی سے مجھے کیا ہو گا۔" سالار نے اسے گیلی آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں کو رگڑ رہی تھی۔ سالار اس کے ساتھ کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ لاہور تو بہت دور کی بات تھی، اسے ابھی بھی نیند آ رہی تھی اور وہ سامنے کھڑی لڑکی کو ناپسند کرتا تھا۔

"ٹھہرو، میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" وہ نہیں جانتا اس کی زبان سے یہ جملہ کیوں اور کیسے نکلا۔

امامہ نے اسے ڈریسنگ روم کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ کچھ دیر بعد باہر نکلا تو شب خوابی کے لباس کے بجائے ایک جینز اور سویٹر میں ملبوس تھا۔ اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اس نے کی چین اور گھڑی کے ساتھ ساتھ اپنا والٹ بھی اُٹھایا۔ امامہ کے قریب آ کر اس نے بیگ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں، میں خود اُٹھا لوں گی۔"

"اُٹھا لیتا ہوں۔" اس نے بیگ لے کر کندھے پر ڈال لیا۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے پورچ میں آ گئے۔ سالار نے اس کے لئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور بیگ کو پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔

گاڑی گیٹ کی طرف آتے دیکھ کر چوکیدار نے خود ہی گیٹ کھول دیا تھا مگر اس کے قریب سے گزرتے ہوئے سالار نے اس کی آنکھوں میں اس حیرت کو دیکھ لیا تھا جو اس کی نظروں میں رات کے اس وقت فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی امامہ کو دیکھ کر آئی تھی۔ یقیناً وہ حیران ہوا ہو گا کہ وہ لڑکی اس وقت اس گھر میں کہاں سے آئی تھی۔

"تم مجھے بس اسٹینڈ پر چھوڑو گے؟" مین روڈ پر آتے ہی امامہ نے اس سے پوچھا۔ سالار نے ایک نظر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"نہیں، میں تمہیں لاہور لے جا رہا ہوں۔" اس کی نظریں سڑک پر مرکوز تھیں۔

☆ ☆ ☆

گاڑی اس بڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی جو تقریباً سنسان تھی۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

اسٹیئرنگ پر دایاں ہاتھ رکھے اس نے بائیں ہاتھ کو منہ کے سامنے رکھ کر جمائی روکی اور نیند کے غلبے کو بھگانے کی کوشش کی۔ اس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی امامہ بے آواز رو رہی تھی اور سالار اس بات سے باخبر تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنے ہاتھ میں پکڑے رومال سے اپنی آنکھیں پونچھتی اور ناک رگڑ لیتی اور پھر سامنے ونڈ اسکرین سے باہر سڑک پر نظریں جما کر رونا شروع کر دیتی۔

سالار وقفے وقفے سے اس پر اچٹتی نظر ڈالتا رہا۔ اس نے امامہ کو کوئی تسلی دینے یا چپ کروانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی کچھ دیر آنسو بہا کر خاموش ہو جائے گی، مگر جب آدھ گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی وہ اسی رفتار سے روتی رہی تو وہ کچھ اکتانے لگا۔

"اگر تمہیں گھر سے اس طرح بھاگ آنے پر اتنا پچھتاوا ہو رہا تھا تو پھر تمہیں گھر سے بھاگنا ہی نہیں چاہئے تھا۔"

سالار نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ امامہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، ابھی تو شاید تمہارے گھر میں کسی کو تمہاری غیر موجودگی کا پتا بھی نہیں چلا ہوگا۔" اس نے کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد اسے مشورہ دیا۔

"مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔" اس بار اس نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد قدرے بھرائی ہوئی مگر مستحکم آواز میں کہا۔

"تو پھر تم رو کیوں رہی ہو؟" سالار نے فوراً پوچھا۔

"تمہیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" وہ ایک بار پھر آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔ سالار نے گردن موڑ کر اسے غور سے دیکھا اور پھر گردن سیدھی کر لی۔

"لاہور میں کس کے پاس جاؤ گی؟"

"پتہ نہیں۔" امامہ کے جواب پر سالار نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب تمہیں پتہ نہیں ہے کہ تم کہاں جا رہی ہو؟"

"فی الحال تو نہیں۔"

"تو پھر تم آخر لاہور جا ہی کیوں رہی ہو؟"

"تو پھر اور کہاں جاؤں؟"

"تم اسلام آباد میں ہی رہ سکتی تھیں۔"

"کس کے پاس؟"

"لاہور میں بھی تو کوئی نہیں ہے جس کے پاس تم رہ سکو اور وہ بھی مستقل جلال کے

علاوہ۔" سالار نے آخری تین لفظوں پر زور دیتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"اس کے پاس جا رہی ہو تم۔" کچھ دیر بعد اس نے قدرے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں، جلال میری زندگی سے نکل چکا ہے۔" سالار اندازہ نہیں کر سکا کہ اس کی آواز میں مایوسی زیادہ تھی یا افسردگی۔ "اس کے پاس کیسے جا سکتی ہوں میں۔"

"تو پھر اور کہاں جاؤ گی؟" سالار نے ایک بار پھر تجسس کے عالم میں پوچھا۔

"یہ تو میں لاہور جانے پر ہی طے کروں گی کہ مجھے کہاں جانا ہے، کس کے پاس جانا ہے۔" امامہ نے کہا۔

سالار نے کچھ بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھا۔ کیا واقعی وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کہاں جانا تھا یا پھر وہ اسے بتانا نہیں چاہتی تھی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"تمہارا فیانسی کیا نام ہے اس کا ہاں اسجد کافی اچھا، ہینڈسم آدمی ہے۔" ایک بار پھر سالار نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔ "اور یہ جو دوسرا آدمی تھا جلال اس کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں ہے کچھ زیادتی نہیں کر دی تم نے اسجد کے ساتھ؟"

امامہ نے اس کے سوال کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف سامنے سڑک کو دیکھتی رہی۔ سالار کچھ دیر گردن موڑ کر اس کے جواب کے انتظار میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا مگر پھر اسے احساس ہو گیا کہ وہ جواب دینا نہیں چاہتی۔

"میں تمہیں سمجھ نہیں پایا جو کچھ تم کر رہی ہو، اسے بھی نہیں تمہاری حرکتیں بہت بہت عجیب ہیں اور تم اپنی حرکتوں سے زیادہ عجیب ہو۔" سالار نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

اس بار امامہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا تمہاری حرکتوں سے زیادہ عجیب ہیں میری حرکتیں اور کیا میں تم سے زیادہ عجیب ہوں" بڑے دھیمے مگر مستحکم لہجے میں پوچھے گئے اس سوال نے چند لمحوں کے لئے سالار کو لاجواب کر دیا تھا۔

"میری کون سی حرکتیں عجیب ہیں اور میں کس طرح عجیب ہوں؟" چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سالار نے کہا۔

"تم جانتے ہو، تمہاری کون سی حرکتیں عجیب ہیں۔" امامہ نے واپس ونڈ اسکرین کی طرف گردن موڑتے ہوئے کہا۔

"یقیناً میری خودکشی کی ہی بات کر رہی ہو تم۔" سالار نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ میں خودکشی نہیں کرنا چاہتا، نہ ہی میں خودکشی کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں تو صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا۔"

"کیسا تجربہ۔"

"میں ہمیشہ لوگوں سے ایک سوال پوچھتا ہوں، مگر کوئی بھی مجھے اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا، اس لئے میں اس سوال کا جواب خود ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ بولتا رہا۔

"کیا پوچھتے ہو تم لوگوں سے؟"

"بہت آسان سا سوال ہے مگر ہر ایک کو مشکل لگتا ہے۔" "What is next to ecstasy?" اس نے گردن موڑ کر امامہ سے پوچھا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے مدھم آواز میں کہا۔ "Pain"

"And what is next to pain?" سالار نے بلاتوقف ایک اور سوال کیا۔

"Nothingness۔"

"What is next to nothingness?" سالار نے اسی انداز میں ایک اور سوال کیا۔

"Hell" امامہ نے کہا۔

"And what is next to hell?" اس بار امامہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"What is next to hell?" سالار نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"تمہیں خوف نہیں آتا۔" سالار نے امامہ کو قدرے عجیب سے انداز میں پوچھتے سنا۔

"کس چیز سے۔" سالار حیران ہوا۔

"Hell سے... اس جگہ سے جس کے آگے اور کچھ بھی نہیں ہوتا... سب کچھ اس کے پیچھے ہی رہ جاتا ہے... معتوب اور مغضوب ہو جانے کے بعد باقی بچتا کیا ہے جسے جاننے کا تمہیں تجسس ہے۔" امامہ نے قدرے افسوس سے کہا۔

"میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا... سب کچھ میرے سر کے اوپر سے گزرا ہے۔" سالار نے جیسے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"فکر مت کرو... آجائے گی... ایک وقت آئے گا... جب تمہیں ہر چیز کی سمجھ آجائے گی پھر تمہاری ہنسی ختم ہو جائے گی... تب تمہیں خوف آنے لگے گا... موت سے بھی اور دوزخ سے بھی..... اللہ تمہیں سب کچھ دکھا اور بتا دے گا... پھر تم کسی سے یہ کبھی نہیں پوچھا کرو گے۔" "What is next to ecstasy" امامہ نے بہت رسانیت سے کہا۔

"یہ تمہاری پیشن گوئی ہے؟" سالار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" امامہ نے اسی انداز میں کہا۔

"تجربہ؟" سالار نے گردن سیدھی کرلی۔

"ہاں، یہ تمہارا تجربہ ہی ہو سکتا ہے... کہ تو تم نے بھی خودکشی ہی ہے... میرا مطلب ہے کرنے کی کوشش کی ہے... میں نے اپنے طریقے سے یہ کوشش کی تھی... تم نے اپنے طریقے سے کی ہے۔" سالار نے سرد مہری سے کہا۔

امامہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو آگئے۔ گردن موڑ کر اس نے سالار کو دیکھا۔

"میں نے کوئی خودکشی نہیں کی ہے۔"

"کسی لڑکے کے لئے گھر سے بھاگنا ایک لڑکی کے لئے خودکشی ہی ہوتی ہے... وہ بھی اس صورت میں جب وہ لڑکا شادی پر تیار ہی نہ ہو..... دیکھو، میں خود ایک لڑکا ہوں..... بہت براڈ مائنڈڈ اور لبرل ہوں اور میں بالکل برا نہیں سمجھتا اگر ایک لڑکی گھر سے بھاگ کر کسی لڑکے کے ساتھ کورٹ میرج یا شادی کر لے..... مگر وہ لڑکا اس کا ساتھ تو دے، ایک ایسے لڑکے کے لئے گھر سے بھاگ جانا جو شادی کر چکا ہو... ٹچ ٹچ... میری سمجھ میں نہیں آتا اور پھر تمہاری عمر میں بھاگنا..... بالکل حماقت ہے۔"

"میں کسی لڑکے کے لئے نہیں بھاگی ہوں۔"

"جلال انصر!" سالار نے اس کی بات کاٹ کر اسے یاد دلایا۔

"میں اس کے لئے نہیں بھاگی ہوں۔" وہ بے اختیار بلند آواز میں چلائی۔ سالار کا پاؤں بے اختیار بریک پر جا پڑا۔ اس نے حیرانی سے امامہ کو دیکھا۔

"تو مجھ پر کیوں چلا رہی ہو، مجھ پر چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" سالار نے ناراضی سے کہا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"یہ جو تمہاری مذہب والی تھیوری یا فلاسفی یا پرابلم یا جو بھی ہے I don't get it کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر کوئی کسی اور پیغمبر کو ماننا شروع ہو گیا ہے... زندگی ان فضول بحثوں کے علاوہ بھی کچھ ہے مذہب، عقیدے یا فرقے پر لڑنا - What rubbish"

امامہ نے گردن موڑ کر ناراضی کے عالم میں اسے دیکھا۔ "جو چیزیں تمہارے لئے فضول ہیں، ضروری نہیں وہ ہر ایک کے لئے فضول ہوں۔ میں اپنے مذہب پر قائم رہنا نہیں چاہتی اور نہ ہی اس مذہب کے کسی شخص سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ تو یہ میرا حق ہے کہ میں ایسا کروں، میں تم سے ایسی چیزوں کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتی جنہیں تم نہیں سمجھتے... اس لئے تم ان معاملات کے بارے میں اس طرح کے تبصرے مت کرو۔"

"مجھے حق ہے کہ میں جو چاہے کہوں Freedom of expression (اظہار کی آزادی)" سالار نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ امامہ نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ سالار بھی خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

"یہ جلال انصر میں اس کی بات کر رہا تھا۔" وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ایک بار پھر اپنے اسی موضوع کی طرف آگیا۔

"اس میں کیا خاص بات ہے؟" اس نے گردن موڑ کر امامہ کو دیکھا۔ وہ اب ونڈ اسکرین سے باہر سڑک کو دیکھ رہی تھی۔

"جلال انصر اور تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے وہ بالکل بھی ہینڈسم نہیں ہے۔ تم ایک خوب صورت لڑکی ہو، میں حیران ہوں تم اس میں کیسے دلچسپی لینے لگیں کیا وہ بہت زیادہ... intelligent ہے؟" اس نے امامہ سے پوچھا۔

امامہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "intelligent ..... کیا مطلب؟"

"دیکھو یا تو کسی کی شکل اچھی لگتی ہے میں نہیں سمجھتا تمہیں جلال کی شکل اچھی لگی ہوگی یا پھر کسی کا فیملی بیک گراؤنڈ پیسہ وغیرہ کسی میں دلچسپی کا باعث بنتا ہے اب جلال کا فیملی بیک گراؤنڈ یا مالی حالت کے بارے میں، میں نہیں جانتا مگر خود تمہارا فیملی بیک گراؤنڈ جتنا ساؤنڈ ہے، یہ بھی تمہارے لئے اس میں دلچسپی کا باعث نہیں بن سکتا ..... واحد بچ جانے والی وجہ کسی کی ذہانت، قابلیت وغیرہ ہے اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ کیا وہ بہت intelligent ہے .... کیا بہت آؤٹ اسٹینڈنگ اور brilliant ہے؟"

"نہیں۔" امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔

سالار کو مایوسی ہوئی۔ "تو پھر تم اس کی طرف متوجہ کیسے ہوئیں امامہ؟" ونڈ اسکرین سے باہر ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نظر آنے والی سڑک دیکھتی رہی۔ سالار نے اپنا سوال دوبارہ نہیں دہرایا۔ صرف کندھے اچکاتے ہوئے وہ دوبارہ ڈرائیونگ پر توجہ دینے لگا۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"وہ نعت بہت اچھی پڑھتا ہے۔" تقریباً پانچ منٹ بعد خاموشی ٹوٹی تھی۔ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں امامہ یوں بڑبڑائی تھی جیسے خود کلامی کر رہی ہو۔ سالار نے اس کا جملہ سن لیا تھا مگر اسے وہ ناقابل یقین لگا۔

"کیا؟" اس نے جیسے تصدیق چاہی۔

"جلال نعت بہت اچھی پڑھتا ہے۔" اسی طرح ونڈ اسکرین سے باہر جھانکتے ہوئے کہا مگر اس بار اس کی آواز کچھ بلند تھی۔

"بس آواز کی وجہ سے سنگر ہے؟" سالار نے تبصرہ کیا۔

امامہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر؟"

"بس وہ نعت ہی پڑھتا ہے اور بہت خوب صورت پڑھتا ہے۔"

سالار ہنسا۔ "تم صرف اس کے نعت پڑھنے کی وجہ سے اس کی محبت میں گرفتار ہو گئیں۔ میں کم از کم اس پر یقین نہیں کر سکتا۔"

امامہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "تو مت کرو...... تمہارے یقین کی کس کو ضرورت ہے۔" اس کی آواز میں سرد مہری تھی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"فرض کرو یہ مان لیا جائے کہ تم واقعی اس کے نعت پڑھنے سے کچھ متاثر ہو کر اتنا آگے بڑھ گئیں..... تو یہ تو کوئی زیادہ پریکٹیکل بات نہیں ہے۔ باربرا کارٹ لینڈ کے ناولز والا رومانس ہی ہو گیا یہ تو اور تم ایک میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو کر اتنا امیچیور ذہن رکھتی ہو۔" سالار نے بے رحمی سے تبصرہ کیا۔

امامہ نے ایک بار پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "میں بہت میچیور ہوں..... بہت زیادہ پچھلے دو چار سالوں میں مجھ سے زیادہ پریکٹیکل ہو کر کسی نے چیزوں کو نہیں دیکھا ہوگا۔"

"میری رائے محفوظ ہے ہو سکتا ہے تمہارا پریکٹیکل ہونا میرے پریکٹیکل ہونے سے مختلف ہو۔ اینی وے میں جلال کی بات کر رہا تھا..... وہ جو تم نعت وغیرہ کا ذکر کر رہی تھیں اس کی بات۔"

"بعض چیزوں پر اپنا اختیار نہیں ہوتا ... میرا بھی نہیں ہے۔" اس بار امامہ کی آواز میں شکستگی تھی۔

"میں پھر تم سے اتفاق نہیں کرتا۔ ہر چیز اپنے اختیار میں ہوتی ہے کم از کم اپنی فیلنگز، ایموشنز اور ایکشن پر انسان کو کنٹرول ہوتا ہے ... ہمیں پتا ہوتا ہے کہ ہم کس شخص کے لئے کس طرح کی فیلنگز ڈویلپ کر رہے ہیں کیوں کر رہے ہیں، اس کا بھی پتا ہوتا ہے..... اور جب تک ہم باقاعدہ ہوش و حواس میں رہتے ہوئے ان فیلنگز کو ڈویلپ نہیں ہونے دیتے...... وہ نہیں ہوتیں ...اس لئے یہ نہیں مان سکتا کہ ایسی چیزوں پر اپنا کنٹرول ہی نہ رہے۔"

اس نے بات کرتے ہوئے دوسری بار امامہ کو دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ وہ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر ونڈ اسکرین کو دیکھ رہی تھی یا شاید ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں اور اس وقت بھی ان میں نمی نظر آ رہی تھی..... وہ ذہنی طور پر کہیں دور تھی..... کہاں یہ وہ نہیں جان سکتا تھا۔ اسے وہ ایک بار پھر ابنارمل لگی۔

بہت دیر تک خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتے رہنے کے بعد سالار نے قدرے اکتا کر ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

"نعت پڑھنے کے علاوہ اس میں اور کون سی کوالٹی ہے؟" اس کی آواز بلند تھی۔ امامہ بے اختیار چونک گئی۔

"نعت پڑھنے کے علاوہ اس میں اور کیا کوالٹی ہے؟" سالار نے اپنے سوال کو دہرایا۔

"ہر وہ کوالٹی جو ایک اچھے انسان - اچھے مسلمان میں ہوتی ہے۔" امامہ نے کہا۔

"مثلاً۔" سالار نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"اور اگر نہ بھی ہوتیں تو بھی وہ شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ میں اسے اسی ایک کوالٹی کی خاطر کسی بھی دوسرے شخص پر ترجیح دیتی۔"

سالار عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ "what a logic ایسی باتوں کو میں واقعی ہی نہیں سمجھ سکتا۔" اس نے گردن کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم اپنی پسند سے شادی کرو گے یا اپنے پیرنٹس کی پسند سے؟" امامہ نے اچانک اس سے پوچھا۔ وہ حیران ہوا۔

"آف کورس اپنی پسند سے پیرنٹس کی پسند سے شادی والا زمانہ تو نہیں ہے یہ۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"تم بھی تو کسی کوالٹی کی وجہ سے ہی کوئی لڑکی پسند کرو گے شکل و صورت کی وجہ سے ! پھر جس سے تمہاری انڈراسٹینڈنگ ہو جائے گی اس سے ایسا ہی ہو گا نا۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"یقیناً۔" سالار نے کہا۔

"میں بھی تو یہی کر رہی ہوں۔ اپنی اپنی ترجیحات کی بات ہوتی ہے۔ تم ان چیزوں کی بنا پر کسی سے شادی کرو گے، میں بھی ایسی ہی ایک وجہ کی بنا پر شادی کرنا چاہتی تھی جلال انصر سے" وہ رکی۔

"میری خواہش ہے، میری شادی اس سے ہو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے زیادہ محبت رکھتا ہو۔ جلال انصر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے زیادہ محبت کرتا تھا مجھے لگا، مجھے اسی شخص سے شادی کرنی چاہئے میں نے تم سے کہا بعض چیزوں پر اختیار نہیں ہوتا ..... بعض خواہشات بس ان سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں ہوتا۔" اس نے افسردگی سے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اور اب جب وہ شادی کر چکا ہے تو اب تم کیا کرو گی؟"

"پتا نہیں۔"

"تم ایسا کرو - کہ تم کسی اور نعت پڑھنے والے کو ڈھونڈ لو، تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

امامہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔ وہ سنگدلی کی حد تک بے حس تھا۔ "اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو تم ..... میں مذاق کر رہا ہوں۔" وہ اب اپنی ہنسی پر قابو پا چکا تھا۔ امامہ نے کچھ کہنے کے بجائے گردن موڑ لی۔

"تمہیں تمہارے فادر نے مارا ہے۔" سالار نے پہلے کی طرح کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولنے کا معمول جاری رکھا۔

"تمہیں کس نے بتایا۔" امامہ نے اسے دیکھے بغیر کہا۔

"ملازمہ نے۔" سالار نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بے چاری یہ سمجھ رہی ہے کہ تم جو شادی سے انکار کر رہی ہو وہ میری وجہ سے کر رہی ہو۔ اس لئے اس نے مجھ تک تمہاری "حالت زار" بڑے دردناک انداز میں پہنچائی تھی مارا ہے تمہارے فادر نے؟"

"ہاں۔" اس نے بے تاثر انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے پوچھا نہیں... شاید وہ ناراض تھے اس لئے۔"

"تم نے کیوں مارنے دیا۔"

امامہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "وہ میرے بابا ہیں، انہیں حق ہے، وہ مار سکتے ہیں مجھے۔"

سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا، وہ اس صورت حال میں یہی کرتا مجھے یہ قابل اعتراض نہیں لگا۔" وہ بڑے ہموار لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اگر مارنے کا حق ہے انہیں تو پھر تمہاری شادی کرنے کا بھی حق ہے اس پر اتنا ہنگامہ کیوں کھڑا کر رہی ہو تم۔" سالار نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کسی مسلمان سے کرتے ..... اور چاہے جہاں مرضی کر دیتے ..... میں کر والیتی۔"

"چاہے وہ جلال انصر نہ ہوتا۔" استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ہاں ..... اب بھی آخر کون سا ہو گئی ہے اس سے۔" اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی جھلملا رہی تھی۔

"تو تم ان سے یہ کہہ دیتیں۔"

"کہا تھا تم سمجھتے ہو میں نے نہیں کہا ہو گا۔"

"مجھے ایک بات پر بہت حیرانی ہے۔" سالار نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ "آخر تم نے مجھ سے مدد لینے کا فیصلہ کیوں کیا بلکہ کیسے کر لیا، تم مجھے خاصا ناپسند کرتی تھیں۔" اس نے امامہ کے جواب کا انتظار کئے بغیر بات جاری رکھی۔

"میرے پاس تمہارے علاوہ دوسرا کوئی آپشن تھا ہی نہیں۔" امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔ "میری اپنی کوئی فرینڈ اس طرح میری مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی جس طرح کوئی لڑکا کر سکتا تھا۔ اسجد کے علاوہ میں صرف جلال اور تم سے واقف تھی ..... اور سب سے قریب ترین صرف تم تھے جس سے میں فوری رابطہ کر سکتی تھی، اس لئے میں نے تم سے رابطہ کیا۔" وہ مدھم آواز میں رک رک کر بولتی رہی۔

"تمہیں یقین تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا؟"

نہیں ..... میں نے صرف ایک رسک لیا تھا۔ یقین کیسے ہو سکتا تھا مجھے کہ تم میری مدد کرو گے۔ میں نے تمہیں بتایا نا! میرے پاس تمہارے علاوہ اور کوئی آپشن تھا ہی نہیں۔"

"یعنی تم نے ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنا لیا ہے۔" اس کے بے حد عجیب لہجے میں کہے گئے تبصرے نے امامہ کو یک دم خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ بات منہ پر مارنے میں ماہر تھا مگر اس نے غلط بھی نہیں کہا تھا۔

"ویری انٹرسٹنگ۔" اس نے امامہ کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا وہ جیسے اپنے تبصرے پر خود ہی محظوظ ہوا تھا۔

☆ — ☆ ..... ☆

"میں گاڑی کچھ دیر کے لئے یہاں روکنا چاہ رہا ہوں۔" سالار نے سڑک کے کنارے بنے ہوئے ایک سستے قسم کے ہوٹل اور سروس اسٹیشن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ذرا ٹائر چیک کروانا چاہ رہا ہوں۔ گاڑی میں دوسرا ٹائر نہیں ہے، رستے میں اگر کہیں ٹائر فلیٹ ہو گیا تو بہت مسئلہ ہو گا۔"

امامہ نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ گاڑی موڑ کر اندر لے گیا۔ اس وقت دور کہیں فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ ہوٹل میں کام کرنے والے دو چار لوگوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ اسے گاڑی اندر لاتے دیکھ کر ایک آدمی باہر نکل آیا۔ شاید وہ گاڑی کی آواز سن کر آیا تھا۔ سالار گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

وہ کچھ دیر سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ اذان کی آواز کچھ زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ امامہ نے آنکھیں کھول دیں۔ کار کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر سالار نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"یہاں کتنی دیر رکنا ہے۔" وہ سالار سے پوچھ رہی تھی۔

"دس پندرہ منٹ میں انجن بھی ایک دفعہ چیک کروانا چاہتا ہوں۔"

"میں نماز پڑھنا چاہتی ہوں، مجھے وضو کرنا ہے۔" اس نے سالار سے کہا۔ اس سے پہلے کہ سالار کچھ کہتا۔

اس آدمی نے بلند آواز میں اسے پکارتے ہوئے کہا۔

"باجی! وضو کرنا ہے تو اس ڈرم سے پانی لے لیں۔"

"اور وہ نماز کہاں پڑھے گی؟" سالار نے اس آدمی سے پوچھا۔

"یہ سامنے والے کمرے میں میں جائے نماز دے دیتا ہوں۔" وہ اب پائپ اتار رہا تھا۔

"پہلے جائے نماز دے دوں پھر انجن آ کر چیک کرتا ہوں۔" اس آدمی نے اس کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

سالار نے دور سے امامہ کو اس ڈرم کے پاس کچھ تذبذب کی حالت میں کھڑے دیکھا۔ وہ لاشعوری طور پر آگے چلا آیا۔ وہ تارکول کا ایک بہت بڑا خالی ڈرم تھا جسے ایک ڈھکن سے کور کیا گیا تھا۔

"اس میں سے پانی کیسے لوں؟" امامہ نے قدموں کی چاپ پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سالار نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ کچھ فاصلے پر ایک بالٹی پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس بالٹی کو اٹھا لایا۔

"میرا خیال ہے یہ اسی بالٹی کو پانی نکالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔" اس نے امامہ سے کہتے ہوئے ڈرم کا ڈھکن اٹھایا اور اس میں سے پانی بالٹی میں بھر لیا۔

"میں کروا دیتا ہوں وضو۔" سالار کو اس کے چہرے پر تذبذب نظر آیا مگر پھر کچھ کہنے کے بجائے وہ اپنے سویٹر کی آستین اوپر کرنے لگی۔ اپنی گھڑی اتار کر اس نے سالار کی طرف بڑھا دی اور پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔ سالار نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں پر کچھ پانی ڈالا۔ امامہ کو بے اختیار جیسے کرنٹ لگا۔ اس نے یک دم اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے۔

"کیا ہوا؟" سالار نے کچھ حیرانی سے کہا۔

"کچھ نہیں، پانی بہت ٹھنڈا ہے تم پانی ڈالو۔" وہ ایک بار پھر ہاتھ پھیلا رہی تھی۔

سالار نے پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ وضو کرنے لگی۔ پہلی بار سالار نے اس کے ہاتھوں کو کہنیوں تک دیکھا۔ کچھ دیر کے لئے وہ اس کی کلائیوں سے نظر نہیں ہٹا سکا، پھر اس کی نظر اس کی کلائیوں سے اس کے چہرے پر چلی گئی۔ وہ اپنی چادر کو ہٹائے بغیر بڑی احتیاط کے ساتھ سر، کانوں اور گردن کا مسح کر رہی تھی اور سالار کی نظریں اس کے ہاتھوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھیں۔ اس کی گردن میں موجود سونے کی چین اور اس میں لٹکنے والے موتی کو بھی اس نے پہلی بار دریافت کیا تھا۔ سالار نے اسے جتنی بار دیکھا تھا اسی طرح کی چادر میں دیکھا تھا۔ چادر کا رنگ مختلف ہوتا مگر وہ ہمیشہ اسے ایک ہی انداز میں لپیٹے ہوتی۔ وہ کبھی اس کے خدوخال پر غور نہیں کر سکا۔

"پاؤں پر پانی میں خود ڈال لیتی ہوں۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے سالار کے ہاتھ سے اس بالٹی کو پکڑ لیا جو اب تقریباً خالی ہونے والی تھی۔ سالار چند قدم پیچھے ہٹ کر محویت سے دیکھنے لگا۔

وہ وضو کر چکی تو سالار کی محویت ختم ہوئی۔ اس نے گھڑی اس کی طرف بڑھا دی۔

آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ اس کمرے تک آئے جہاں وہ آدمی گیا تھا۔ وہ آدمی تب تک کمرے میں ایک طرف مصلیٰ بچھا چکا تھا۔ امامہ خاموشی سے جائے نماز کی طرف بڑھ گئی۔

کمرے میں چند کرسیاں اور ایک چھوٹی سی تپائی بھی پڑی ہوئی تھی۔ سالار فوری طور پر اس کمرے

باب ۴

لاہور کی حدود میں داخل ہوتے ہی اِمامہ نے اس سے کہا۔ ''اب تم مجھے کسی بھی اسٹاپ پر اُتار دو...... میں چلی جاؤں گی۔''

''تم جہاں جانا چاہتی ہو، میں تمہیں وہاں چھوڑ دیتا ہوں۔ اتنی دھند میں کسی ٹرانسپورٹ کا انتظار کرتے تمہیں بہت وقت لگے گا۔'' سڑکیں اس وقت تقریباً ویران تھیں، حالانکہ صبح ہو چکی تھی مگر دُھند نے ہر چیز کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

''مجھے نہیں پتا، مجھے کہاں جانا ہے پھر تمہیں میں کس جگہ کا پتا بتاؤں۔ ابھی تو شاید میں ہاسٹل جاؤں اور پھر وہاں......'' سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تو پھر میں تمہیں ہوسٹل چھوڑ دیتا ہوں۔'' کچھ فاصلہ اسی طرح خاموشی سے طے ہوا پھر ہاسٹل سے کچھ فاصلے پر امامہ نے اس سے کہا۔

"بس تم یہیں گاڑی روک دو، میں یہاں سے خود چلی جاؤں گی۔ میں تمہارے ساتھ ہاسٹل نہیں جانا چاہتی۔" سالار نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔

"پچھلے کچھ ہفتوں میں تم نے میری بہت مدد کی ہے، میں اس کے لئے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ تم میری مدد نہ کرتے تو آج میں یہاں نہ ہوتی۔" وہ ایک لمحہ کے لئے رُکی۔ "تمہارا موبائل ابھی میرے پاس ہے، مگر مجھے ابھی اس کی ضرورت ہے، میں کچھ عرصہ بعد اسے واپس بھجوا دوں گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں، تم اسے رکھ سکتی ہو۔"

"میں کچھ دنوں بعد تم سے دوبارہ رابطہ کروں گی پھر تم مجھے طلاق کے پیپرز بھجوا دینا۔" وہ رُکی۔ "میں امید کرتی ہوں کہ تم میرے پیرنٹس کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔"

"یہ کہنے کی ضرورت تھی؟" سالار نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔ "مجھے کچھ بتانا ہوتا تو میں بہت پہلے بتا چکا ہوتا۔" سالار نے قدرے سرد مہری سے کہا۔ "تم مجھے بہت برا لڑکا سمجھتی تھیں۔ کیا ابھی بھی تمہاری میرے بارے میں وہی رائے ہے یا تم نے اپنی رائے میں کچھ تبدیلی کی ہے۔" سالار نے اچانک تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ میں دراصل بہت اچھا لڑکا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔" امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔ سالار کو اس کی بات پر جیسے شاک لگا۔

"ہو سکتا ہے۔" وہ بے یقینی سے مسکرایا۔ "ابھی بھی ہو سکتا ہے۔ تم بہت ناشکری ہو امامہ، میں نے تمہارے لئے اتنا کچھ کیا ہے جو اس زمانے میں کوئی لڑکا نہیں کرے گا اور تم پھر بھی مجھے اچھا ماننے پر تیار نہیں۔"

"میں ناشکری نہیں ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ تم نے مجھ پر بہت احسان کئے ہیں اور شاید تمہاری جگہ کوئی دوسرا کبھی نہ کرتا "

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تو میں اچھا ہوا نا۔"

وہ کچھ نہیں بولی، صرف اسے دیکھتی رہی۔

"نہیں، مجھے پتا ہے تم یہی کہنا چاہتی ہو، حالانکہ مشرقی لڑکی کی خاموشی اس کا اقرار ہوتی ہے مگر تمہاری خاموشی تمہارا انکار ہوتی ہے۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔"

"ہم ایک فضول بحث کر رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔" سالار نے کندھے اچکائے۔ "مگر مجھے حیرانی ہے کہ تم "

اس بار امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے میرے لئے یقیناً بہت کچھ کیا ہے اور اگر میں تمہیں جانتی نہ ہوتی تو یقیناً میں تمہیں ایک بہت اچھا انسان سمجھتی اور کہہ بھی دیتی مگر میں تمہیں اتنی

اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ تم ایک اچھے انسان ہو ..."

وہ رُکی۔ سالار پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔

"جو آدمی خودکشی کی کوشش کرتا ہو، شراب پیتا ہو جس نے اپنا کمرہ عورتوں کی برہنہ تصویروں سے بھر رکھا ہو وہ اچھا آدمی تو نہیں ہو سکتا۔" امامہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تم کسی ایسے آدمی کے پاس جاتیں جو یہ تینوں کام نہ کرتا مگر تمہاری مدد بھی نہ کرتا تو کیا تمہارے لئے وہ اچھا آدمی ہوتا؟" سالار نے تیز آواز میں کہا۔ "جیسے جلال انصر؟"

امامہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "ہاں، اس نے میری مدد نہیں کی، مجھ سے شادی نہیں کی مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ برا ہو گیا ہے۔ وہ اچھا آدمی ہے...... ابھی بھی میرے نزدیک اچھا آدمی ہے۔"

"اور میں نے تمہاری مدد کی..... تم سے شادی کی مگر یقیناً اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اچھا ہو گیا ہوں، میں برا آدمی ہوں۔" وہ عجیب سے انداز میں کہتے ہوئے مسکرایا۔ "تمہارا خود اپنے بارے میں کیا خیال ہے امامہ..... کیا تم اچھی لڑکی ہو؟"

اس نے اچانک چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر کہنے لگا۔

"میرے نزدیک تم بھی اچھی لڑکی نہیں ہو، تم بھی ایک لڑکے کے لئے اپنے گھر سے بھاگی ہو... اپنے منگیتر کو دھوکہ دیا ہے تم نے اپنی فیملی کی عزت کو خراب کیا ہے تم نے....." سالار نے ہر لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

امامہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آ گئی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو، میں واقعی اچھی لڑکی نہیں ہوں۔ ابھی مجھے یہ جملہ بہت سے لوگوں سے سننا ہے۔"

"میں تمہیں بہت لمبی چوڑی وضاحت دے سکتی ہوں مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں، تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے۔"

"فرض کرو، میں تمہیں لاہور نہ لے کر آتا کہیں اور لے جاتا پھر...... مگر میں تمہیں بحفاظت یہاں لے آیا ... یہ میرا تم پر کتنا بڑا احسان ہے، تمہیں اندازہ ہے اس کا۔"

امامہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے یقین تھا تم مجھے کہیں اور نہیں لے جاؤ گے۔"

وہ اس کی بات پر ہنسا۔ "مجھ پر یقین تھا...... کیوں؟ میں تو ایک برا لڑکا ہوں۔"

"مجھے تم پر یقین نہیں تھا اللہ پر یقین تھا۔" سالار کے ماتھے پر کچھ بل پڑ گئے۔

"میں نے اللہ اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا ہے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے تمہارے جیسے آدمی کے ہاتھوں رسوا کرتے، یہ ممکن ہی نہیں تھا۔"

"فرض کرو ایسا ہو جاتا۔" سالار مصر ہوا۔ "میں ایسی بات کیوں فرض کروں جو نہیں ہو گی۔" وہ اپنی بات پر قائم تھی۔

"یعنی تم مجھے کسی قسم کا کوئی کریڈٹ نہیں دو گی۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

"اچھا فرض کرو میں اب تمہیں جانے نہیں دیتا تو تم کیا کرو گی۔ گاڑی کا دروازہ جب تک میں نہیں کھولوں گا، نہیں کھلے گا یہ تم جانتی ہو اب بتاؤ تم کیا کرو گی۔"

وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ "یا میں یہ کرتا ہوں۔" سالار نے ڈیش بورڈ پر پڑا ہوا اپنا موبائل اٹھایا اور اس پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ "کہ تمہارے گھر فون کر دیتا ہوں۔" اس نے موبائل کی اسکرین کو اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اس پر امامہ کے گھر کا نمبر تھا۔

"میں انہیں تمہارے بارے میں بتاتا ہوں کہ تم کہاں ہو، کس کے ساتھ ہو پھر یہاں سے تمہیں سیدھا پولیس اسٹیشن لے جا کر ان کی تحویل میں دے دیتا ہوں تو پھر تمہارے اعتقاد اور اعتبار کا کیا ہوا۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

امامہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ سالار کو بے حد خوشی محسوس ہوئی۔ سالار نے موبائل آف کرتے ہوئے ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"کتنا بڑا احسان کر رہا ہوں میں تم پر کہ ایسا نہیں کر رہا۔" اس نے موبائل کو دوبارہ ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ تم بے بس ہو، کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ اسی طرح رات کو میں تمہیں کہیں اور لے جاتا تو تم کیا کر لیتیں۔"

"میں تمہیں شوٹ کر دیتی۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔

"کیا کر دیتیں۔ میں تمہیں شوٹ .... کر دیتی۔"

اس نے اسی انداز میں رک رک کر اس سے کہا۔ وہ اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھلکھلا کر ہنسا۔

"کبھی زندگی میں پسٹل دیکھا بھی ہے تم نے۔" اس نے امامہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

سالار نے اسے جھکتے اور اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھا۔ جب وہ سیدھی ہوئی تو اس نے سالار سے کہا۔ "شاید اسے کہتے ہیں۔"

سالار ہنسنا بھول گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں چھوٹے سائز کا ایک بہت خوب صورت اور قیمتی لیڈیز پستول تھا۔ سالار پستول پر اس کے ہاتھ کی گرفت دیکھ کر جان گیا تھا کہ وہ کسی اناڑی کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اس نے بے یقینی سے امامہ کو دیکھا۔

"تم مجھے شوٹ کر سکتی تھیں؟"

"ہاں، میں تمہیں شوٹ کر سکتی تھی مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ تم نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا۔"

اس نے مستحکم آواز میں کہا۔ اس نے پستول سالار کی طرف نہیں کیا تھا، صرف اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔

"گاڑی کا لاک " اس نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے سالار سے کہا۔ سالار نے غیر ارادی طور پر اپنی طرف موجود بٹن دبا کر لاک کھول دیا۔ امامہ نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اب پستول اپنی گود میں موجود بیگ میں رکھ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ امامہ نے گاڑی سے باہر نکل کر اس کا دروازہ بند کر دیا۔ سالار نے اسے تیز قدموں کے ساتھ ایک قریب آتی ہوئی وین کی طرف جاتے اور پھر اس میں سوار ہوتے دیکھا۔

اس کی قوت مشاہدہ بہت تیز تھی وہ کسی بھی شخص کے چہرے کو پڑھ سکتا تھا اور اسے اس چیز پر بڑا زعم تھا مگر وہاں اس دھند آلود سڑک پر گاڑی پر بیٹھے ہوئے اس نے اعتراف کیا۔ وہ امامہ ہاشم کو نہیں پہچان سکا تھا وہ اگلے کئی منٹ اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ رکھے بے یقینی کے عالم میں وہیں بیٹھا رہا تھا۔ امامہ ہاشم کے لئے اس کی ناپسندیدگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ واپسی پر دھند کی پروا کئے بغیر پوری رفتار سے گاڑی چلا کر آیا تھا۔ پورا راستہ اس کا ذہن اسی ادھیڑ بن میں لگا ہوا تھا کہ اس نے پستول آخر کہاں سے نکالا تھا۔ وہ پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ جس وقت وہ وضو کے لئے پاؤں دھو رہی تھی اس وقت وہ پستول اس کی پنڈلی کے ساتھ نہیں تھا ورنہ وہ ضرور اسے دیکھ لیتا۔ بعد میں نماز پڑھنے کے دوران بھی وہ بغور اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا تھا، پستول تب بھی اس کی پنڈلی کے ساتھ بندھا ہوا نہیں تھا۔ وہ برگر کھانے اور چائے پینے کے بعد گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی تھی اور وہ کچھ دیر بعد گاڑی میں آیا تھا۔ یہ یقیناً گاڑی میں موجود اس کے بیگ میں ہی ہو گا۔ وہ اندازے لگاتا رہا۔

وہ جس وقت اپنے گھر پہنچا اس کا موڈ آف تھا۔ گیٹ سے گاڑی اندر لے جاتے ہوئے اس نے چوکیدار کو اپنی طرف بلایا۔ "رات کو میں جس لڑکی کے ساتھ یہاں سے گیا تھا تم اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ گے بلکہ میں رات کو کہیں نہیں گیا، سمجھ میں آیا۔" اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"جی میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" چوکیدار نے فرمانبرداری سے سر ہلایا۔ وہ احمق نہیں تھا کہ ایسی چیزوں کے بارے میں کسی کو بتاتا پھرتا۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ اطمینان کے ساتھ سو گیا۔ اس کا اس دن کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا۔

☆......☆ ☆

وہ اس وقت گہری نیند میں تھا جب اس نے اچانک کسی کو اپنے کمرے کے دروازے کو زور زور سے بجاتے سنا۔ وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دروازہ واقعی بج رہا تھا۔ اس نے مندی ہوئی نظروں سے وال کلاک کو دیکھا جو چار بجا رہا تھا۔ اپنی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وہ اپنے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے دروازہ

بجانے والے پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ اسی غصے کے عالم میں اس نے بڑبڑاتے ہوئے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ باہر ملازم کھڑا تھا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں --- کیوں اس طرح دروازہ بجا رہے ہو؟ دروازہ توڑنا چاہتے ہو تم؟" وہ دروازہ کھولتے ہی ملازم پر چلایا۔

"سالار صاحب باہر پولیس کھڑی ہے۔" ملازم نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ سالار کا غصہ اور نیند ایک منٹ میں غائب ہو گئے۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں وہ پولیس کے وہاں آنے کی وجہ جان گیا تھا اور رات ان کی اور امامہ کے گھر والوں کی اس مستعدی پر حیرت ہوئی تھی۔ آخر وہ چند گھنٹوں میں سیدھے اس تک کیسے پہنچ گئے تھے۔

"کس لئے آئی ہے پولیس؟" اس نے اپنی آواز کو پرسکون رکھتے ہوئے بے تاثر چہرے کے ساتھ پوچھا۔

"یہ تو نہیں پتا نہیں، وہ بس کہہ رہے ہیں کہ آپ سے ملنا ہے، مگر چوکیدار نے گیٹ نہیں کھولا۔ اس نے ان سے کہہ دیا ہے کہ آپ گھر پر نہیں ہیں مگر ان کے پاس آپ کے وارنٹ ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر انہیں اندر نہیں آنے دیا گیا تو وہ زبردستی اندر آ جائیں گے اور تمام لوگوں کو گرفتار کر کے لے جائیں گے۔"

سالار نے بے اختیار اطمینان بھرا سانس لیا۔ چوکیدار نے واقعی بڑی عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے یقیناً یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ پولیس رات والی لڑکی کے معاملے میں ہی تفتیش کے لئے وہاں آئی تھی اس لئے اس نے نہ تو پولیس کو اندر آنے دیا، نہ ہی انہیں یہ بتایا کہ سالار گھر پر موجود تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔" سالار نے ملازم سے کہا اور واپس اپنے بیڈ روم میں آ گیا، وہ کسی عام شہری کا گھر ہوتا تو پولیس شاید دیواریں پھلانگ کر بھی اندر موجود ہوتی مگر اس وقت وارنٹ ہونے کے باوجود اس گھر کا سائز اور جس علاقے میں وہ واقع تھا انہیں خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔ اگر امامہ کا خاندان بھی اثر و رسوخ والا نہیں ہوتا تو شاید اس وقت پولیس اس سیکٹر میں آنے اور خاص طور پر وارنٹ کے ساتھ آنے کی جرأت ہی نہ کرتی مگر اس وقت پولیس کے سامنے آگے کنواں پیچھے کھائی والی صورت تھی۔

سالار نے بیڈ روم کے اندر آتے ہی فون اٹھا کر اپنی سکندر عثمان کو فون کیا۔

"پاپا! ایک چھوٹا سا پرابلم ہو گیا ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"یہاں ہمارے گھر کے باہر پولیس کھڑی ہے اور ان کے پاس میرے گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔" سکندر عثمان کے ہاتھ سے موبائل گرتے گرتے بچا۔

"کیوں ؟"

"یہ تو پتا نہیں پاپا میں سو رہا تھا، ملازم نے جگا کر مجھے بتایا، کیا میں جا کر پولیس والوں سے پوچھوں کہ وہ کس سلسلے میں مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟" سالار نے بڑی فرمانبرداری اور معصومیت کے ساتھ سکندر عثمان سے پوچھا۔

"تمہیں باہر نکلنے یا پولیس کو اندر بلوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے کمرے میں تیار ہو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں رنگ کرتا ہوں۔" سکندر عثمان نے عجلت کے عالم میں موبائل بند کر دیا۔ سالار نے مطمئن ہو کر فون رکھ دیا، وہ جانتا تھا کہ اب کچھ دیر بعد پولیس وہاں نہیں ہو گی اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد ملازم نے آ کر اسے پولیس کے جانے کے بارے میں بتایا۔ ملازم ابھی اس سے بات کر ہی رہا تھا جب سکندر نے دوبارہ کال کی تھی۔

"پولیس چلی گئی ہے؟" سکندر نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"ہاں چلی گئی ہے۔" سالار نے بڑے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

"اب تم میری بات ٹھیک طرح سنو۔ میں اور تمہاری ممی رات کو کراچی سے اسلام آباد پہنچ رہے ہیں۔ تم تب تک گھر سے کہیں نہیں نکلو گے سنا تم نے۔" سالار کو ان کے بات کرنے کا انداز بہت عجیب سا لگا۔ انہوں نے بہت اکھڑ انداز اور سرد مہری سے اس سے بات کی تھی۔

"سن لیا" وہ دوسری طرف سے فون بند کر چکے تھے۔

سالار ابھی فون بند کر رہا تھا جب اس کی نظر اپنے کمرے کے کارپٹ پر پڑی۔ وہاں جوتے کے نشانات تھے اور اس نے دیکھا کہ ملازم بھی قدرے حیرانی کے عالم میں ان نشانات کو دیکھ رہا تھا جو کھڑکی سے قطار کی صورت میں موجود تھے۔

"جوتے کے ان نشانات کو صاف کر دو۔" سالار نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

ملازم کمرے سے باہر چلا گیا۔ سالار اٹھ کر کھڑکی کی طرف آ گیا اور اس نے وہ سلائیڈنگ ونڈو پوری طرح کھول دی۔ اس کا اندازہ ٹھیک تھا۔ جوتے کے وہ مٹی والے نشانات باہر برآمدے میں بھی موجود تھے۔ امامہ اپنی کیاریوں سے گزر کر دیوار پھلانگ کر ان کی کیاریوں میں کودی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کے جوتے کے تلے مٹی سے بھر گئے تھے۔ اور اس کی وجہ سے وہ مٹی نم اور کیچڑ زیادہ تھی اور اس کے برآمدے کے سفید ماربل پر وہ نشانات بالکل ایک قطار کی صورت میں آ رہے تھے۔ وہ ایک گہرا سانس لیتا ہوا اندر آ گیا، ملازم کمرے میں ان نشانات کو صاف کرنے میں مصروف تھا۔

"باہر برآمدے میں بھی پیروں کے کچھ نشانات ہیں انہیں بھی صاف کر دینا۔" سالار نے اس سے کہا۔

"یہ کس کے نشان ہیں۔" ملازم زیادہ دیر اپنے تجسس پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"میرے ....." سالار نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

☆......☆ ☆

وہ رات کو کھانا کھانے میں مصروف تھا جب سکندر عثمان اور طیبہ آ گئے تھے۔ ان دونوں کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ سالار اطمینان سے کھانا کھاتا رہا۔ وہ دونوں اسے مخاطب کئے بغیر اس کے پاس سے گزر کر چلے گئے تھے۔

"کھانا ختم کر کے میرے کمرے میں آؤ۔" سکندر عثمان نے جاتے جاتے اس سے کہا تھا۔ سالار نے جواب دینے کے بجائے فروٹ ٹرائفل اپنی پلیٹ میں نکال لی۔

پندرہ منٹ بعد وہ جب ان کے کمرے میں گیا تو اس نے سکندر کو کمرے میں ٹہلتے ہوئے پایا جب کہ طیبہ فکرمندی کے عالم میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"پاپا! آپ نے بلوایا تھا؟" سالار نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو پھر تمہیں بتاتا ہوں کیوں بلایا ہے۔" سکندر عثمان نے اسے دیکھتے ہی ٹہلنا بند کر دیا۔ وہ بڑے اطمینان سے طیبہ کے برابر بیٹھ گیا۔

"امامہ کہاں ہے؟" سکندر نے لمحہ ضائع کئے بغیر پوچھا۔

"کون امامہ؟" اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے چہرے پر تھوڑی بہت گھبراہٹ ضرور ہوتی، مگر وہ اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

سکندر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تمہاری بہن --- " وہ غرائے۔

"میری بہن کا نام انیتا ہے پاپا۔" سالار کے اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"مجھے تم صرف ایک بات بتاؤ۔ آخر تم مجھے اور کتنی بار اور کتنے طریقوں سے ذلیل کرواؤ گے۔" اس بار سکندر عثمان دوسرے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں، پاپا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" سالار نے حیرانی سے کہا۔ "حالانکہ تمہاری سمجھ میں سب کچھ آ رہا ہے۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "دیکھو، مجھے آرام سے بتا دو کہ امامہ کہاں ہے۔ یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

"پاپا! آپ کس امامہ کی بات کر رہے ہیں۔ میں کسی امامہ کو نہیں جانتا۔"

"میں وسیم کی بہن کی بات کر رہا ہوں۔" سکندر عثمان اس بار غرائے۔

"وسیم کی بہن؟" وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ "اچھا...... یاد آیا وہ جس نے مجھے ٹریٹمنٹ دیا تھا لاسٹ ایئر۔"

"بس وہی - ...... اب چونکہ تمہاری یادداشت واپس آ گئی ہے اس لئے مجھے یہ بھی بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔"

"پاپا! وہ اپنے گھر میں ہو گی یا میڈیکل کالج کے ہاسٹل میں۔ میرا اس سے کیا تعلق؟" اس نے حیرانی سے سکندر سے کہا۔ "اس کے باپ نے تمہارے خلاف اپنی بیٹی کے اغوا کا کیس کروا دیا ہے۔"

"میرے خلاف..... I don't believe it میرا امامہ سے کیا تعلق ہے؟" اس نے پرسکون لہجے اور بے تاثر چہرے کے ساتھ کہا۔

"یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟"

"پاپا! میں اس کو جانتا تک نہیں ہوں۔ ایک دو بار کے علاوہ میں اس سے ملا تک نہیں۔ پھر اس کے اغوا سے میرا کیا تعلق اور مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ وہ اغوا ہو گئی ہے۔"

"سالار! اب یہ ایکٹنگ بند کرو۔ مجھے بتا دو کہ وہ لڑکی کہاں ہے۔ میں نے ہاشم مبین سے وعدہ کیا ہے کہ میں ان کی بیٹی کو ان تک پہنچاؤں گا۔"

"تو آپ اپنا وعدہ پورا کریں اگر ان کی بیٹی کو ان تک پہنچا سکتے ہیں تو ضرور پہنچائیں، مگر مجھے کیوں ڈسٹرب کر رہے ہیں۔" اس بار سالار نے ناگواری سے کہا۔

"دیکھو سالار! تمہاری اور امامہ کے درمیان اگر کسی بھی قسم کی انڈر اسٹینڈنگ ہے تو ہم اس معاملے کو حل کر لیں گے۔ میں خود تمہاری اس کے ساتھ شادی کروا دوں گا۔ تم فی الحال یہ بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔" سکندر عثمان نے اس بار اپنے لب و لہجے میں تبدیلی لاتے ہوئے کہا۔

"فار گاڈز سیک پاپا اسٹاپ اٹ کون سی انڈر اسٹینڈنگ، کیسی شادی میری کسی کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ہوتی تو میں اسے اغوا کروں گا اور میں انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ کروں گا امامہ جیسی لڑکی کے ساتھ وہ میری ٹائپ ہے؟" اس بار سالار نے بلند آواز میں کہا۔

"تو پھر وہ تم پر اس کے اغواء کا الزام کیوں لگا رہے ہیں؟"

"یہ آپ ان سے پوچھیں۔ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے اسی ناگواری سے جواب دیا۔

"آج ہاشم مبین کہہ رہے ہیں کل کو کوئی اور آ کر کہے گا اور آپ پھر مجھ پر چلانا شروع کر دیں گے میں نے آپ کو بتایا ہے میں سو رہا تھا جب پولیس آ کر باہر کھڑی ہو گئی اور اب آپ آ گئے ہیں اور آتے ہی مجھ پر مجھے تو یہ تک نہیں پتا کہ وسیم کی بہن اغوا ہوئی ہے یا نہیں...... آخر وہ لوگ مجھ پر الزام کیوں لگا رہے ہیں۔ کیا ثبوت ہے ان کے پاس کہ میں نے ان کی بیٹی کو اغوا کیا ہے اور بالفرض میں نے اغوا کیا بھی ہے تو کیا میں یہاں اپنے گھر بیٹھا ہوں گا۔ مجھے اس وقت اس لڑکی کے ساتھ ہونا چاہئے۔" سالار تلخی سے بولتا رہا۔

"مجھے ایس پی سے تمہارے کیس کی تفصیلات کا پتا چلا ہے، پھر میں نے کراچی سے ہاشم مبین کو فون کیا، وہ مجھ سے بات کرنے پر تیار نہیں تھا۔ مجھے اس سے بات کرنے کے لئے منتیں کرنی پڑیں۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا ہے اس کی بیٹی رات کو غائب ہوئی ہے اور تم بھی رات کو گئے ہو اور صبح آئے ہو۔"

"تو پاپا! اس میں اغوا کہاں سے آ گیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں رات کو کہیں نہیں گیا اور دوسری بات یہ ہے کہ اغوا کرنے کے لئے کسی کے گھر جا کر لڑکی کو زبردستی لے جانا ضروری ہے اور میں کسی کے گھر نہیں گیا۔"

"ہاشم مبین کے چوکیدار نے رات کو تمہیں جاتے اور صبح آتے دیکھا ہے۔"

"اس کا چوکیدار جھوٹا ہے۔" سالار نے بلند آواز میں کہا۔

"میرے چوکیدار نے تمہیں رات کو ایک لڑکی کو کار میں لے جاتے دیکھا ہے۔" سکندر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ سالار چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔ سکندر یقیناً گھر آتے ہی چوکیدار سے بات کر چکے تھے۔

"وہ میری ایک فرینڈ تھی جسے میں گھر چھوڑنے گیا تھا۔" اس نے طیبہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون ہے وہ فرینڈ؟ اس کا نام اور پتہ بتاؤ۔"

"سوری پاپا میں نہیں بتا سکتا۔ it's personal۔"

"یہاں اسلام آباد چھوڑنے گئے تھے؟"

"ہاں ....."

"تم اسے لاہور چھوڑ کر آئے ہو۔ ایس پی نے مجھے خود بتایا ہے۔ تم چار ناکوں سے گزرے ہو۔ چاروں پر تمہارا نمبر نوٹ کیا گیا ہے۔ رستے میں تم نے اس سروس اسٹیشن پر رک کر گاڑی چیک کروائی ہے اس لڑکی کے ساتھ وہاں کھانا کھایا ہے۔" سکندر نے اس سروس اسٹیشن اور ہوٹل کا نام بتاتے ہوئے کہا۔ سالار کچھ دیر سکندر کو دیکھتا رہا مگر اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ "ایس پی نے مجھے یہ سب کچھ خود بتایا ہے۔ اس نے ابھی ہاشم مبین کو یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تم سے بات کروں اور خاموشی کے ساتھ لڑکی کو واپس پہنچا دوں یا اس کے گھر والوں کو اس لڑکی کا پتہ بتا دوں تا کہ یہ معاملہ خاموشی سے کسی مسئلے کے بغیر ختم ہو جائے مگر وہ کب تک ہاشم مبین کو نہیں بتائے گا۔ وہ دوستی کا لحاظ کر کے سب کچھ چھپا بھی گیا تب بھی ہاشم مبین کے اور بہت سے ذرائع ہیں۔ اسے وہاں سے پتا چل جائے گا اور پھر تمہاری پوری زندگی جیل میں گزرے گی۔"

سکندر نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔ وہ متاثر ہوئے بغیر انہیں دیکھتا رہا۔

"اب جھوٹ بولنا چھوڑ دو اور مجھے بتاؤ کہ وہ لڑکی کہاں ہے۔"

"وہ لڑکی ریڈ لائٹ ایریا میں ہے۔" سکندر کو اس کی بات پر کرنٹ لگا۔

"واٹ..... ؟"

"میں اسے وہیں سے لایا تھا، وہیں چھوڑ آیا ہوں۔"

وہ سفید چہرے کے ساتھ سالار کو دیکھتے رہے۔

"مگر وہ امامہ نہیں تھی، میں پرسوں لاہور گیا ہوا تھا وہاں سے میں رات گزارنے کے لئے اس لڑکی کو لایا تھا، آج میں اسے وہاں چھوڑ آیا۔ میرے پاس اس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر تو نہیں ہے، مگر آپ میرے ساتھ لاہور چلیں تو میں آپ کو اس لڑکی کے پاس لے جاتا ہوں یا پتا بتا دیتا ہوں آپ خود یا پولیس کو کہیں کہ وہ اس لڑکی سے تصدیق کر لیں۔"

کمرے میں یک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ طیبہ اور سکندر بے یقینی سے سالار کو دیکھ رہے تھے جب کہ وہ بڑے مطمئن انداز میں کھڑکیوں سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم تم اس طرح کی حرکت کر سکتے ہو۔ تم ایسی جگہ جا سکتے ہو؟" ایک لمبی خاموشی کے بعد سکندر نے کہا۔

"آئی ایم سوری پاپا! مگر میں جاتا ہوں اور اس بات کا امامہ کے بھائی وسیم کو بھی پتا ہے۔ میں کئی بار ویک اینڈ پر اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں جاتا رہا ہوں اور وسیم یہ بات جانتا ہے، آپ اس سے پوچھ لیں۔"

"ایڈریس دو اس لڑکی کا۔" وہ کچھ دیر بعد غرائے۔

"میں اپنے کمرے سے لے کر آتا ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے موبائل اٹھایا اور لاہور میں رہنے والے اپنے ایک دوست کو فون کرنے لگا۔ اسے ساری صورت حال بتانے کے بعد اس نے کہا۔

"اکمل! میں اپنے پاپا کو ریڈ لائٹ ایریا کے اس گھر کا پتا دے رہا ہوں جہاں ہم جاتے رہتے ہیں۔ تم وہاں کسی بھی ایسی لڑکی کو جو مجھے جانتی ہے اس کو اس بارے میں بتا دو، میں ابھی کچھ دیر تک تمہیں دوبارہ فون کرتا ہوں۔"

وہ کہتے ہوئے تیزی سے ایک چٹ پر ایک ایڈریس لکھنے لگا اور پھر اسے لے کر سکندر کے کمرے میں آ گیا۔ اس نے چٹ سکندر کے سامنے کر دی، جسے انہوں نے تقریباً چھین لیا۔ ایک نظر اس چٹ پر ڈال کر انہوں نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ اطمینان سے انداز میں وہاں سے آ گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے اکمل کو دوبارہ فون کیا۔

"میں تمہیں وہاں پہنچ کر فون کرتا ہوں۔" اکمل نے اس سے کہا وہ بیڈ پر لیٹ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ پندرہ منٹ کے بعد اکمل نے اسے فون کیا۔

"سالار! میں نے سعدیہ کو تیار کیا ہے۔ اسے میں نے سارا معاملہ سمجھا دیا ہے۔" اکمل نے اسے بتایا وہ سعدیہ کو جانتا تھا۔

"اکمل! اب تم ایک کاغذ اور پنسل لو اور میں کچھ چیزیں لکھوا رہا ہوں اسے لکھو۔" اس نے اکمل سے کہا اور پھر اسے اپنے گھر کے بیرونی منظر اور لوکیشن کی تفصیلات لکھوانے لگا۔

"یہ کیا، میں نے دیکھا ہوا ہے تمہارا گھر" اکمل نے کچھ حیرانی سے اس سے پوچھا۔

"تم نے دیکھا ہے سعدیہ نے تو نہیں دیکھا۔ یہ ساری تفصیلات میں سعدیہ کے لئے لکھوا رہا ہوں اگر پولیس اس کے پاس آئی تو وہ یہ ساری چیزیں اس سے پوچھے گی صرف یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ کیا وہ واقعی میرے ساتھ یہاں اسلام آباد میں تھی۔ وہ گاڑی میں چھپ کر آئی تھی اور رات کے وقت آئی تھی اس لئے اسے زیادہ تفصیل کا نہیں پتا۔ مگر گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے دائیں اور بائیں دونوں طرف لان ہے۔ میری گاڑی کا رنگ سرخ تھا۔ اسپورٹس کار اور نمبر ....." وہ اسے لکھواتا گیا۔

"ہم پولیس کے چار ناکوں سے گزرے تھے۔ اس نے سفید شلوار قمیص، سفید چادر اور سیاہ سوئٹر پہنا ہوا تھا، راستے میں ہم اس نام کے سروس اسٹیشن پر بھی رکے تھے۔" سالار نے نام بتایا، سروس اسٹیشن اور ہوٹل، وہ دھند کی وجہ سے صحیح طرح نہیں دیکھ سکی۔" سالار کے بعد دیگرے ہر چیز کی تفصیل لکھواتا گیا۔ سروس اسٹیشن پر گاڑی ٹھیک کرنے والے آدمی سے لے کر چائے بنانے والے لڑکے کے حلیے اور اس کمرے کی تفصیلات انہوں نے کیا کھایا تھا، سالار اور لڑکے کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے چھوٹی چھوٹی تفصیلات اسے لکھوائی تھیں۔ اس نے اپنے گھر کے پورچ سے لے کر اپنے کمرے تک کے راستے اور اپنے کمرے کا تمام حلیہ بھی اسے نوٹ کروادیا تھا۔

"سعدیہ سے کہو یہ سب یاد کر لے۔" اس نے اکمل کو آخری ہدایت دی اور فون بند کر دیا۔ فون بند کر کے وہ بیڈ پر بیٹھا ابھی کچھ سوچ رہا تھا جب سکندر عثمان اچانک دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آئے۔

"اس لڑکی کا کیا نام ہے؟!"

"سعدیہ!" سالار نے بے اختیار کہا۔ سکندر عثمان مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

ان کے جانے کے بعد سالار کو اس وکیل کا خیال آیا جس کے ذریعے انہوں نے ہاشم مبین احمد سے رابطہ کیا تھا۔ اس وکیل کو ہائر کرنے والا بھی حسن ہی تھا اور سالار سکندر کے نام سے وہ وکیل بھی واقف

نہیں تھا۔ مگر سالار کے لئے قابلِ تشویش بات اس میں حسن کا انوالو ہونا تھا، ہاشم مبین احمد اس وکیل سے حسن اور حسن سے اس تک بہت آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔

اس نے اگلا فون حسن کو کیا اور حسن کو سارے معاملے کی نوعیت سے آگاہ کیا۔

"میں تمہیں پہلے ہی اس سب سے منع کر رہا تھا۔" اس نے چھوٹتے ہی سالار سے کہا۔ "میں وسیم اور اس کی فیملی کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور ان کے اثر و رسوخ سے بھی بخوبی واقف ہوں۔" وہ بولتا جا رہا تھا۔

سالار نے کچھ اکتاہٹ بھرے لہجے میں اسے ٹوکا۔ "میں نے تمہیں فون اپنے مستقبل کا حال جاننے کے لئے نہیں کیا۔ میں صرف ایک خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کس خطرے سے؟" حسن چونکا۔ "تم نے جو وکیل ہائر کیا تھا وہ اس کے ذریعے تم تک اور پھر مجھ تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔" سالار نے اس سے کہا۔

"نہیں وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔" حسن نے اس کی بات پر قدرے لاپروائی سے کہا۔

"کیوں؟"

"کیوں کہ میں نے سارا کام پہلے ہی بہت محتاط ہو کر کیا ہے۔" وہ وکیل بھی میرے اصلی نام اور پتے سے واقف نہیں ہے۔ اسے جو ایڈریس اور فون نمبر میں نے دیا تھا وہ جعلی تھا۔

سالار بے اختیار مسکرایا۔ اسے حسن سے ایسی عقلمندی اور چالاکی کی توقع رکھنی چاہئے تھی۔ وہ ہر کام بڑی صفائی سے سرانجام دینے کا ماہر تھا۔

"میں صرف اس کے پاس ایک بار گیا تھا پھر فون پر ہی رابطہ کیا اور اس ملاقات میں بھی میرا حلیہ بالکل مختلف تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ صرف حلیے سے ہاشم مبین احمد مجھ تک پہنچ سکتے ہیں؟!"

"اور اگر وہ پہنچ گئے تو ؟"

"تو... پتا نہیں اس تو کے بارے میں، میں نے نہیں سوچا۔" حسن نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے کہیں غائب ہو جاؤ اور یوں ظاہر کرو کہ جیسے تمہاری یہ غیر موجودگی کچھ ضروری کاموں کے لئے تھی۔" سالار نے اسے مشورہ دیا۔

"اس سے بہتر مشورہ بھی میرے پاس ہے۔ میں اس وکیل کو کچھ روپے پہنچا کر یہ ہدایت دے دیتا ہوں کہ ہاشم مبین یا پولیس کے پہنچنے پر وہ انہیں میرا غلط حلیہ بتائے۔ کم از کم اس طرح فوری طور پر میں کسی پریشانی کا شکار نہیں ہوں گا اور ان ہی دنوں میں ویسے بھی چند ہفتوں کے لئے انگلینڈ جا رہا ہوں۔" حسن نے بتایا۔ "پولیس اگر پہنچ بھی گئی تو تب بھی میں ان کی پہنچ سے بہت دور رہوں گا، مگر مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ وہ مجھ تک پہنچ سکیں گے۔ اس لئے تم اطمینان رکھو۔"

"اگر تم واقعی اتنے بے فکر اور مطمئن ہو تو ٹھیک ہے، ہو سکتا ہے وہ تم تک نہ ہی آئیں، مگر میں نے پھر بھی سوچا کہ میں تمہیں بتا دوں۔" سالار نے فون بند کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"ویسے تم اس لڑکی کو اب لاہور میں کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

"لاہور کی ایک سڑک پر چھوڑ آیا ہوں اس کے علاوہ اور کہاں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے اپنے محل وقوع اور حدود اربعہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ وہ بس چلی گئی۔"

"عجیب بے وقوف ہو، کم از کم تم تو اس سے اس کا ٹھکانہ پوچھنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔"

"ہاں! مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑی۔" سالار نے دانستہ امامہ سے آخری بار ہونے والی اپنی گفتگو گول کر دی۔

"میں حیران ہوں کہ تم اب کس طرح کے معاملات میں انوالو ہونے لگے ہو۔ اپنی ٹائپ کی لڑکیوں کے ساتھ انوالو ہونا دوسری بات ہے مگر وسیم کی بہن جیسی لڑکیوں کے ساتھ انوالو ہو جانا — تمہارا ٹیسٹ بھی دن بہ دن گرتا جا رہا ہے۔"

"میں "انوالو" ہوا ہوں ؟ تم واقعی عقل سے پیدل ہو ورنہ کم از کم اس طرح کی بات مجھ سے نہ کرتے ایڈونچر اور انوالومنٹ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے حسن صاحب!" سالار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اور آپ نے یہ فیصلہ ایک ہی چھلانگ میں طے کر لیا ہے سالار صاحب!" حسن نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔"

"اور تمہارا دماغ مجھ سے زیادہ خراب ہے۔ ورنہ اس طرح کی حماقت کو ایڈونچر کبھی نہ کہتے۔" حسن بھی قدرے جھلایا ہوا تھا۔

"اگر تم نے میری مدد کی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہارے منہ میں جو آئے تم مجھے کہہ دو۔" سالار کو اس کی بات پر اچانک غصہ آ گیا۔

"ابھی میں نے تمہیں کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ تم کس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔ یہ ٹیسٹ والی بات کی طرف یا دماغ خراب ہونے والی بات کی طرف؟" حسن نے اسی انداز میں اس کے غصے سے متاثر ہوئے بغیر پوچھا۔

"اچھا اب منہ بند کر لو۔ فضول بحث مت کرو۔"

"اس وقت ان تمام باتوں کو کرنے کا مطلب گڑے مردے اکھاڑنا ہے۔" حسن اب سنجیدہ تھا۔

"فرض کرو پولیس کسی صورت ہم تک پہنچ جاتی ہے اور پھر وہ امامہ کا اتا پتا جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو تم

کیا بتائیں گے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ کبھی بھی اس بات پر یقین کریں گے کہ امامہ کے بارے میں تمہیں کچھ پتا نہیں ہے۔ اس وقت تم کیا کرو گے؟"

"کچھ بھی نہیں کروں گا۔ میں ان سے بھی وہی کہوں گا جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"بس اور سارا مسئلہ تمہارے اسی بیان سے ہی شروع ہوگا۔ میں امامہ کے بارے میں نہیں جانتا ہوں۔" حسن نے اس کا جملہ دہرایا۔ "تمہیں اچھی طرح اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ ہر قیمت پر امامہ تک پہنچنا چاہیں گے۔"

"یہ بہت بعد کی بات ہے، میں امکانات اور ممکنات پر غور کر کے پریشان نہیں ہوتا۔ جب وقت آئے گا، دیکھا جائے گا۔" سالار نے لاپروائی سے کہا۔

"تم سے مجھے صرف یہ مدد چاہیے کہ تم اس سارے معاملے کو راز ہی رکھو اور پولیس کے ہتھے نہ لگو۔"

"تمہارے کہے بغیر بھی میں یہی کرتا۔ ویسے بھی میں اگر پکڑا گیا تو وسیم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ اس بار تم نے مجھے واقعی بڑی embarrassing صورت حال سے دوچار کیا ہے۔"

"او کے میں فون بند کر رہا ہوں کیونکہ تم پر پھر وہی دورہ پڑنے والا ہے۔ وہی نصیحتیں اور پچھتاوا

you are acting like my father-"

"سالار نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ اس کا ذہن پچھلی رات کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کے ماتھے کی تیوریاں اور بل بہت نمایاں تھے۔

☆ ☆ ☆

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اس حد تک گر جائے گا۔"

"ریڈ لائٹ ایریا، مائی فٹ، کبھی میرے خاندان کی پچھلی سات نسلوں سے بھی کوئی وہاں نہیں گیا اور یہ لڑکا کیا ہے جو میں نے اسے نہیں دیا..... کیا ہے جس کی کمی رہنے دی ہے اور اسے دیکھو کبھی یہ خودکشی کی کوشش کرتا پھرتا ہے اور کبھی ریڈ لائٹ ایریا، میرے اللہ آخر کس حد تک جائے گا یہ!"

سکندر عثمان نے اپنا سر تھام لیا۔

"مجھے تو گھر کے ملازموں پر بھی بہت زیادہ اعتراض ہے۔ آخر کیوں اس لڑکی کو انہوں نے اندر آنے دیا۔ گھر کے معاملات پر نظر رکھنی چاہیے انہیں۔" طیبہ نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"گھر کے معاملات اور مالک کے معاملات پر نظر رکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہاں معاملہ گھر کا نہیں تھا، مالک کا تھا۔" سکندر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور پھر ان میں سے کسی نے بھی کسی لڑکی کو یہاں آتے نہیں دیکھا۔ وہ کہتا ہے وہ اسے اسی دن لایا تھا، چوکیدار کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہوا اس نے

اس کے ساتھ کسی لڑکی کو آتے نہیں دیکھا۔ ہاں! جاتے ضرور دیکھا ہے ملازموں کا بھی یہی کہنا ہے۔ انہوں نے تو نہ کسی لڑکی کو آتے دیکھا ہے نہ ہی جاتے دیکھا ہے۔" سکندر نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ یقیناً اس لڑکی کو اچھی طرح چھپا کر لایا ہو گا۔"

"شیطانی دماغ ہے اس کا ... یہ تم جانتی ہو تم صرف یہ دعا کرو کہ یہ سارا معاملہ ختم ہو جائے۔ ہاشم مبین کی بیٹی مل جائے اور ہماری جان چھوٹ جائے تاکہ ہم اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔" سکندر عثمان نے کہا۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مجھ سے ایسی کون سی غلطی ہو گئی ہے، جس کی مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟" وہ بے حد بے بس نظر آ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ اگلے روز صبح معمول کے مطابق اٹھا اور کالج جانے کے لئے تیار ہونے لگا۔ ناشتہ کرنے کے لئے وہ ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو اس نے خلافِ معمول وہاں سکندر عثمان کو موجود پایا۔ وہ عام طور پر اس وقت ناشتہ نہیں کیا کرتے تھے۔ ذرا دیر سے فیکٹری جایا کرتے تھے۔ سالار کو اس وقت انہیں وہاں موجود پا کر کچھ حیرت ہوئی، مگر ان کے ستے ہوئے چہرے اور سرخ آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ ساری رات نہیں سو سکے۔

سالار کو صبح صبح باہر نکلنے کے لئے تیار دیکھ کر انہوں نے قدرے درشتی سے اس سے کہا۔ "تم کہاں جا رہے ہو؟"

"کالج۔"

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا ... میرے گلے میں یہ مصیبت ڈال کر تم خود کالج جا رہے ہو۔ جب تک یہ معاملہ ختم نہیں ہو جاتا تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ تمہیں پتا ہے کہ تم کتنے خطرے میں ہو؟"

"کیسا خطرہ؟" وہ ٹھٹکا۔

"میں نہیں چاہتا ہاشم مبین تمہیں کوئی نقصان پہنچائے۔ اس لئے فی الحال تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم گھر پر رہو۔" سکندر عثمان نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "اس کی بیٹی مل جائے پھر تم دوبارہ کالج جانا شروع کر دینا۔"

"اس کی بیٹی اگر ایک سال نہیں ملے گی تو کیا میں ایک سال تک اندر بیٹھا رہوں گا۔ آپ نے اسے میرے بیان کے بارے میں بتایا نہیں ہے۔" سالار نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں اسے بتا چکا ہوں۔ سعیدہ نے بھی تمہاری بات کی تصدیق کر دی تھی۔" ان کے لہجے میں سعیدہ کا نام لیتے ہوئے تلخی تھی۔ "مگر ہاشم مبین ابھی بھی مصر ہے کہ اس کی بیٹی کو تم نے ہی اغوا کیا ہوا ہے۔"

"تو میں کیا کروں ... اسے یقین نہیں آتا تو نہ آئے۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔" سالار نے لاپروائی سے کہتے ہوئے ناشتہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"تمہیں فرق نہیں پڑتا، مجھے پڑتا ہے۔ تم ہاشم مبین احمد کو نہیں جانتے۔ وہ کتنے اثر و رسوخ والا آدمی ہے اور کس حد تک جا سکتا ہے اس کا اندازہ صرف مجھے ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے۔ اس لئے ابھی تم گھر پر ہی رہو۔"

سکندر عثمان نے اس بار کچھ نرم لہجے میں کہا۔ شاید انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی سختی کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ وہ ان کی بات نہیں مانے گا۔

"پاپا! میری اسٹڈیز کا حرج ہو گا۔ سوری! میں گھر پر نہیں بیٹھ سکتا۔" سالار سکندر عثمان کے لہجے کی نرمی سے متاثر نہیں ہوا تھا۔

"تمہارا حرج ہوتا ہے یا نہیں مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف تمہیں گھر پر چاہتا ہوں۔ سمجھے تم۔" اس بار انہوں نے اچانک بھڑک کر بلند آواز میں اس سے کہا۔

"کم از کم آج تو مجھے جانے دیں۔ آج مجھے بہت سے ضروری کام نپٹانے ہیں۔" سالار یک دم ان کے غصے پر کچھ پزل ہوا۔

"تم وہ کام ڈرائیور کو بتا دو، وہ کر دے گا یا پھر کسی دوست سے فون پر بات کر لو۔" سکندر نے حتمی انداز میں کہا۔

"مگر پاپا ... آپ مجھے اس طرح ..." سکندر عثمان نے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ ڈائننگ روم سے نکل رہے تھے۔ وہ کچھ دیر بلند آواز میں بڑبڑاتا پھر تنگ آکر خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سکندر عثمان اسے باہر نکلنے نہیں دیں گے مگر اسے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سعیدہ کو سامنے لانے پر اس کی اپنی فیملی کے ساتھ ہاشم مبین بھی مطمئن ہو جائیں گے اور کم از کم یہ مصیبت اس کے کندھوں سے اتر جائے گی، مگر اس کے لئے سکندر عثمان کا یہ انکشاف حیران کن تھا کہ ہاشم مبین نے ابھی بھی اس کے بیان پر یقین نہیں کیا تھا۔

سالار وہیں بیٹھا ناشتہ کرتے ہوئے کچھ دیر ان تمام معاملات کے بارے میں سوچتا رہا۔ کالج نہ جانے کا مطلب گھر میں بند ہو جانا تھا اور وہ گھر میں بند نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس کا موڈ یک دم آف ہو گیا۔ ناشتہ کرتے کرتے اس نے اسے ادھورا چھوڑ دیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

☆ ☆ ☆

"سکندر صاحب! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔" وہ لاؤنج میں بیٹھے تھے جب ملازمہ کچھ جھجکتے ہوئے ان کے پاس آئی۔

"ہاں کہو۔۔۔ پیسوں کی ضرورت ہے؟" سکندر عثمان نے اخبار پڑھتے ہوئے کہا۔ وہ اس معاملے میں خاصے فراخ دل تھے۔

"نہیں صاحب جی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کچھ اور کہنا چاہتی ہوں آپ سے۔"

"بولو۔۔۔" وہ ہنوز اخبار میں منہمک تھے۔ ملازمہ کچھ پریشان ہونے لگی۔ ناصرہ نے بہت سوچ سمجھ کر سالار اور امامہ کے بارے میں سکندر عثمان کو بتانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اسے یہ سب کچھ اب بہت پریشان کن لگ رہا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ جلد یا بدیر یہ پتا چل جائے کہ ان دونوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ وہ تھی اور پھر اسے اور اس کے پورے خاندان کو پولیس کا سامنا کرنا پڑے۔ اسی لئے اپنے شوہر سے مشورے کے بعد اس نے سکندر عثمان کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ کم از کم وہ دونوں گھرانوں میں سے کسی ایک کی ہمدردی اپنے ساتھ رکھے۔

"چپ کیوں ہو، بولو۔۔۔" سکندر عثمان نے اسے خاموش پا کر ایک بار پھر اس سے کہا۔ ان کی نظریں ابھی بھی اخبار پر جمی ہوئی تھیں۔

"سکندر صاحب! میں آپ کو سالار صاحب کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" ناصرہ نے بالآخر ایک طویل توقف کے بعد کہا۔

سکندر عثمان نے بے اختیار اخبار اپنے چہرے کے سامنے سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

"سالار کے بارے میں۔۔۔۔ ؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟" انہوں نے اخبار کو سامنے سینٹر ٹیبل پر پھینکتے ہوئے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"سالار صاحب اور امامہ بی بی کے بارے میں کچھ باتیں بتانا چاہتی ہوں۔" سکندر عثمان کا دل بے اختیار اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"کیا۔۔۔ ؟"

"بہت دن پہلے ایک دن سالار صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ان کا موبائل اپنی بیٹی کے ہاتھ امامہ بی بی کو پہنچا دوں۔" سکندر عثمان کو لگا وہ دوبارہ کبھی ہل نہیں سکیں گے۔ تو ہاشم مبین احمد کا خیال اور اصرار ٹھیک تھا۔ ان کے بدترین قیاس اور اندازے درست تھے۔

"پھر۔۔۔ ؟" انہیں اپنی آواز کسی کھائی سے آتی لگی۔ "میں نے انکار کر دیا کہ یہ کام میں نہیں کر سکتی مگر انہوں نے مجھے بہت دھمکایا۔ انہوں نے کہا کہ وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ جس پر مجبوراً میں وہ موبائل امامہ بی بی تک پہنچانے کے لئے تیار ہو گئی۔"

اپنی پوزیشن کو محفوظ رکھنے کے لئے ناصرہ نے اپنے بیان میں جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے کہا۔

"پھر اس کے کچھ دن بعد ایک دن سالار صاحب نے کہا کہ میں کچھ کاغذات امامہ بی بی تک پہنچاؤں اور پھر اسی وقت ان کاغذات کو واپس لے آؤں۔ میں نے اپنی بیٹی کے ذریعے وہ کاغذات بھی امامہ بی بی کے پاس پہنچا کر واپس منگوا لئے اور سالار صاحب کو دے دیئے۔ میں نے سالار صاحب سے ان کاغذات کے بارے میں پوچھا مگر انہوں نے نہیں بتایا مگر مجھے شک تھا کہ شاید وہ نکاح نامہ تھا کیونکہ اس وقت سالار صاحب کے کمرے میں پانچ لوگ موجود تھے۔ ان میں سے ایک کوئی مولوی بھی تھا۔"

سکندر عثمان کو وہاں بیٹھے بیٹھے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ "اور یہ کب کی بات ہے؟"

"امامہ بی بی کے جانے سے چند دن پہلے۔" ناصرہ نے کہا۔

"تم نے مجھے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" سکندر عثمان نے درشت لہجے میں کہا۔

"میں بہت خوفزدہ تھی صاحب جی...... سالار صاحب نے مجھے دھمکیاں دی تھیں کہ اگر میں نے آپ کو یا کسی اور کو اس سارے معاملے کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے یہاں سے باہر پھنکوا دیں گے۔" ناصرہ نے کہا۔

"وہ کون لوگ تھے، انہیں پہچانتی ہو؟" سکندر عثمان نے بے حد اضطراب کے عالم میں کہا۔

"بس ایک کو۔۔۔۔ حسن صاحب تھے۔" اس نے سالار کے ایک دوست کا نام لیا۔ "باقی اور کسی کو میں نہیں پہچانتی۔" ناصرہ نے کہا۔

"میں بہت پریشان تھی۔ آپ کو بتانا چاہتی تھی مگر ڈرتی تھی کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچیں گے مگر اب مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔"

"اور کون کون اس کے بارے میں جانتا ہے؟" سکندر عثمان نے کہا۔

"کوئی بھی نہیں۔ بس میں، میری بیٹی اور میرا شوہر۔" ناصرہ نے جلدی سے کہا۔

"ملازموں میں سے کسی اور کو کچھ پتا ہے؟"

"توبہ کریں جی! میں کیوں کسی کو کچھ بتاتی۔۔۔ میں نے کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"تم نے جو کچھ کیا اس کے بارے میں تو میں بعد میں طے کروں گا مگر فی الحال تم ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو تم کسی کو بھی اس سارے معاملے کے بارے میں نہیں بتاؤ گی۔ اپنا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر لو۔ ورنہ اس بار میں نہ صرف تمہیں واقعی اس گھر سے نکال دوں گا بلکہ میں ہاشم مبین اور پولیس سے کہہ دوں گا کہ یہ سب کچھ تم نے کروایا ہے۔ تم نے ہی ان دونوں کو گمراہ کیا تھا اور تم ہی ان دونوں کے پیغامات ایک دوسرے تک پہنچاتی رہیں، پھر پولیس تمہارے ساتھ اور تمہارے خاندان کے ساتھ کیا کرے گی تمہیں یاد رکھنا چاہئے۔ تمہاری ساری عمر جیل کے اندر ہی گزر جائے گی۔" وہ غصے کے عالم میں اسے دھمکا رہے تھے۔

"نہیں صاحب جی! میں کیوں کسی کو کچھ بتاؤں گی۔ آپ میری زبان کٹوا دیجئے گا۔ اگر میرے منہ

سے دوبارہ اس کے بارے میں ذکر سنیں۔"

طیبہ گھبرا گئی مگر سکندر عثمان نے رکھائی کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔

"بس کافی ہے۔ اب تم جاؤ یہاں سے میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔" انہوں نے اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سکندر عثمان پریشانی کے عالم میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ اس وقت ان کے سر پر واقعی آسمان ٹوٹ پڑا تھا اور اس وقت انہیں پہلی بار سالار کے ہاتھوں بے وقوف بننے کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کس ڈھٹائی، مہارت اور بے ہودگی سے ان سے جھوٹ پر جھوٹ بولتا اور انہیں دھوکا دیتا گیا تھا اور انہیں اس کا احساس تک نہیں ہو سکا تھا اور اگر ناصرہ انہیں یہ سب کچھ نہ بتاتی تو وہ ابھی بھی ناک پر ناک رکھے مطمئن بیٹھے ہوتے۔ یہی سوچ کر کہ سالار امامہ کے ساتھ انوالو نہیں ہے اور نہ ہی اس کی گمشدگی میں اس کا کوئی ہاتھ تھا۔ وہ چند دن گھر پر رہ کر ایک بار پھر کالج جانا شروع کر دیا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ سالار کی نگرانی کروائی جا رہی تھی اور ہاشم مبین احمد کو سب کچھ پتا چلنے کا مطلب کیا تھا۔ یہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کا کچھ دیر پہلے کا اطمینان یک دم ختم ہو گیا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ وہ کا مذاق کیسے تھے۔ ان پانچ آدمیوں کی موجودگی کا مطلب کیا تھا، سالار اور امامہ کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا تھی اور اس وقت ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کا گلا دبا دیں یا پھر اسے شوٹ کر دیں مگر وہ جانتے تھے وہ یہ دونوں کام نہیں کر سکتے تھے۔ سالار سکندر ان کا وہ بیٹا تھا جس سے وہ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور اس طرح بے وقوف بننے کے بعد پہلی بار وہ سوچ رہے تھے کہ وہ اب سالار سکندر کی کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ وہ اسے مکمل طور پر ہر معاملے کے بارے میں اندھیرے میں رکھیں گے ویسے ہی جیسے وہ کر رہا تھا۔

"اس کی امامہ سے جان پہچان کیسے ہوئی؟" سکندر عثمان نے اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہلتے ہوئے طیبہ سے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا کہ اس کی جان پہچان امامہ سے کیسے ہوئی۔ کوئی بچہ تو ہے نہیں کہ میری انگلی پکڑ کر چلتا ہو۔" طیبہ نے قدرے خفگی سے کہا۔

"میں نے تم سے بہت بار کہا تھا کہ اس پر نظر رکھا کرو مگر تم ..... تمہیں اپنی ایکٹویٹیز سے فرصت ملے تو تم کسی اور کے بارے میں سوچو۔"

"اس پر توجہ دینا صرف میرا ہی فرض کیوں ہے۔" طیبہ یک دم بھڑک اٹھیں۔ "آپ کو بھی تو اپنی ایکٹویٹیز چھوڑ دینی چاہئیں۔ سارا الزام میرے ہی سر کیوں۔"

"میں تم کو کوئی الزام نہیں دے رہا اور اس بحث کو ختم کرو۔ امامہ کے ساتھ شادی تم اندازہ

کر سکتی ہو کہ ہاشم مبین کو جب اس تعلق کا پتا چلے گا تو وہ کیا تماشا کھڑا کریں گے۔ مجھے یہ سوچ کر شاک لگ رہا ہے کہ اس نے ایسی حرکت کرنے کا سوچ کیسے لیا۔ اسے بالکل بھی احساس نہیں ہوا کہ ہماری اور ہماری فیملی کی سوسائٹی میں کتنی عزت ہے۔" سکندر عثمان طیبہ کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "ایک پرابلم ختم ہوتی ہے تو ہمارے لئے دوسری پرابلم شروع کر دیتا ہے۔ یہ سارا چکر اسی وقت شروع ہوا ہو گا جب پچھلے سال اس نے خودکشی کی کوشش کے بعد اس کی جان بچائی تھی۔ ہم بے وقوف تھے کہ ہم نے اس معاملے پر نظر نہیں رکھی، ورنہ شاید یہ سب بہت پہلے سامنے آ جاتا۔" سکندر عثمان اپنی کنپٹی مسلتے ہوئے کہنے لگے۔

"اور یقیناً یہ لڑکی بھی اس کے ساتھ اپنی مرضی سے انوالو ہوئی ہو گی ورنہ اس طرح کوئی کسی کے ساتھ مرضی کے خلاف تو نکاح نہیں کر سکتا اور ہاشم مبین احمد کو دیکھیں، وہ یوں شور مچا رہا ہے جیسے اس کی بیٹی کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ جو کیا ہے سالار نے ہی کیا ہے۔ انہوں نے تو ایف آئی آر بھی اغوا کی درج کروائی ہے۔" طیبہ نے سر سے سنکتے کہیں۔

"جو بھی ہے، قصور تمہارے بیٹے کا ہے۔ نہ وہ ایسے کاموں میں پڑتا نہ اس طرح پھنستا۔ اب تو تم صرف یہ سوچو کہ تمہیں اس صورت حال سے کس طرح بچنا ہے۔"

"ابھی ہم اتنی بری طرح سے نہیں پھنسے، جس طرح آپ سوچ رہے ہیں۔ اس پر یہ جرم ثابت نہیں ہوا۔ پولیس یا ہاشم مبین احمد کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اور ثبوت کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔"

"اور جس دن ان تک کوئی ثبوت پہنچ گیا اس دن کیا ہو گا۔ تم نے یہ سوچا ہے۔" سکندر عثمان نے کہا۔

"آپ پھر امکانات کی بات کر رہے ہیں۔ ایسا ہوا تو نہیں ہے اور ہو سکتا ہے ہو بھی نہ۔"

"اس نے ہمیں اگر اتنا بڑا دھوکا دے دیا ہے تو ہو سکتا ہے ایک اور دھوکا یہ ہو کہ اس کا رابطہ اس لڑکی کے ساتھ نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ ابھی بھی اس لڑکی کے ساتھ رابطے میں ہو۔" سکندر عثمان کو خیال آیا۔

"ہاں ہو سکتا ہے۔ پھر کیا کیا جائے۔"

"میں اس سے بات کروں تو سمجھو پتھر کے ساتھ اپنا سر پھوڑ دوں گا، وہ پھر جھوٹ بول دے گا۔ جھوٹ بولنے میں تو ماہر ہو چکا ہے۔" انہوں نے تنفر آمیز لہجے میں کہا۔

"بس چند ماہ میں اس کا اے لیول مکمل ہو جائے گا پھر میں اسے باہر بھجوا دوں گا۔ کم از کم ہر وقت ہاشم مبین احمد کی طرف سے جن اندیشوں کا میں شکار رہتا ہوں وہ تو ختم ہوں گے۔" انہوں نے سگریٹ کا ایک کش لگایا۔

"مگر آپ ایک چیز بھول رہے ہیں سکندر!" طیبہ نے بڑی سنجیدگی سے چند لمحوں کی خاموشی کے

بعد کہا۔

"کیا؟" سکندر نے انہیں چونک کر دیکھا۔

"سالار کی امامہ کی ساتھ خفیہ شادی   اس شادی کے بارے میں جو کچھ بھی کرنا ہے وہ آپ کو خود ہی کرنا ہے۔ آپ کیا کریں گے، اس شادی کے بارے میں۔"

"طلاق کے علاوہ اس شادی کا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔" سکندر عثمان نے قطعی لہجے میں کہا۔

"وہ شادی ماننے پر تیار نہیں ہے تو طلاق دینے پر رضامند ہو جائے گا۔"

"جب میں اسے ثبوت پیش کروں گا تو اسے اپنی شادی کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔"

"اور اگر شادی کا اعتراف کرنے کے بعد بھی اس نے امامہ کو طلاق دینے سے انکار کر دیا تو۔"

"کوئی نہ کوئی راستہ نکالنا پڑے گا اور وہ میں نکال لوں گا۔ چاہے وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے یا پھر مجھے زبردستی کرنا پڑے۔ میں یہ معاملہ ختم کر دوں گا، اس طرح کی شادی انسان کو ساری عمر خوار کرتی ہے۔ اس سے تو پیچھا چھڑانا ہی پڑے گا، ورنہ میں اسے اس بار مکمل طور پر اپنی جائیداد سے عاق کر دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" سکندر عثمان نے دوٹوک انداز میں کہا۔

☆ ... ☆ ...... ☆

حسن کچھ دیر پہلے اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں تھا، جب اچانک اسے اپنے والد کی کال ملی، وہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ ان کا لہجہ بے حد عجیب تھا مگر حسن نے توجہ نہیں دی، لیکن جب پندرہ منٹ بعد اپنے گھر پہنچا تو پورچ میں کھڑی سکندر عثمان کی گاڑی دیکھ کو چونکا ہو گیا۔ وہ سالار کے گھر کی تمام گاڑیوں اور ان کے نمبرز کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"سکندر انکل کو میرے اس معاملے میں انوالو ہونے کے حوالے سے کوئی ثبوت نہیں ملے ہیں اس لئے مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ سالار کا دوست سمجھ کر پوچھ گچھ کے لئے آئے ہوں گے۔ میں بڑے اطمینان سے ان کی باتوں کا جواب دوں گا اور کسی بھی الزام کی تردید کروں گا لیکن میری پریشانی پاپا کے سامنے میری پوزیشن مشکوک کر دے گی، اس لئے انکل سکندر کو دیکھ کر مجھے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔" اس نے پہلے اپنا لائحہ عمل طے کیا اور پھر بڑے اطمینان کے ساتھ اسٹڈی میں داخل ہو گیا۔ اس کے والد قاسم فاروقی اور سکندر عثمان کافی پی رہے تھے، لیکن ان کے چہرے کی غیر معمولی سنجیدگی اور اضطراب وہ ایک لمحے میں بھانپ گیا تھا۔

"کیسے ہیں انکل سکندر آپ! اس بار بہت دنوں کے بعد آپ ہماری طرف آئے۔" باوجود اس کے کہ سکندر یا قاسم نے اس کی ہیلو کا جواب نہیں دیا۔ حسن نے بہت بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ اسے اس بار بھی جواب نہیں ملا تھا۔ سکندر عثمان اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

"بیٹھو۔" قاسم فاروقی نے قدرے درشتی سے کہا۔

"سکندر تم سے کچھ باتیں پوچھنے آیا ہے تمہیں ہر بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا ہے۔ اگر تم نے جھوٹ بولا تو میں سکندر سے کہہ چکا ہوں کہ وہ تمہیں پولیس کے پاس لے جائے۔ میری طرف سے تم بھاڑ میں جاؤ۔ میں تمہیں کسی بھی طرح بچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

قاسم فاروقی نے اس کے بیٹھتے ہی بلا تمہید کہا۔

"پاپا! آپ کیا کہہ رہے ہیں، میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔" حسن نے حیرت کا مظاہرہ کیا مگر اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا اس نے سمجھ لیا تھا۔

"اوور اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔ سکندر! پوچھو اس سے، کیا پوچھنا چاہتے ہو اور میں دیکھتا ہوں یہ کیسے جھوٹ بولتا ہے۔"

"امامہ کے ساتھ سالار کی شادی میں شرکت کی ہے تم نے؟"

"انکل   آپ ... آپ کیا بات کر رہے ہیں   کون سی شادی   کیسی شادی   " حسن نے مزید حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"وہی شادی جو میری عدم موجودگی میں میرے گھر پر ہوئی جس کے لئے امامہ کو پیپرز بھجوائے گئے تھے۔"

"پلیز انکل! آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ آپ کے گھر میں ضرور آتا جاتا رہتا ہوں مگر مجھے سالار کی کسی شادی کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے اور نہ ہی میری معلومات کے مطابق اس نے شادی کی ہے   مجھے تو اس لڑکی کا بھی پتا نہیں ہے، جس کا آپ نام لے رہے ہیں...... ہو سکتا ہے سالار کی کسی لڑکی کے ساتھ انوالومنٹ ہو، مگر میں اس کے بارے میں نہیں جانتا، وہ ہر بات مجھے نہیں بتاتا۔"

سکندر عثمان اور قاسم فاروقی خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔ وہ خاموش ہوا تو سکندر عثمان نے اپنے سامنے ٹیبل پر پڑا ہوا ایک لفافہ اٹھایا اور اس میں موجود چند کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ حسن کا رنگ پہلی بار اڑا۔ وہ امامہ و سالار کا نکاح نامہ تھا۔

"اس پر دیکھو   تمہارے ہی signatures ہیں نا۔" سکندر نے سرد لہجے میں پوچھا۔ اگر یہ سوال انہوں نے قاسم فاروقی کے سامنے نہ کیا ہوتا تو وہ ان دستخطوں کو اپنے دستخط ماننے سے انکار کر دیتا مگر اس وقت وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ میرے signatures ہیں، مگر میں نے نہیں کئے۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"پھر کس نے کئے ہیں، تمہارے فرشتوں نے یا سالار نے۔" قاسم فاروقی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حسن کچھ بول نہیں سکا۔ وہ حواس باختہ سا باری باری انہیں دیکھنے لگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا

کہ سکندر عثمان اس طرح اس کے سامنے وہ نکاح نامہ نکال کر رکھ دیں گے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے وہ نکاح نامہ کہاں سے حاصل کیا تھا، سالار سے یا پھر اس کی ساری عقلمندی اور چالاکی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

"تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ سالار کا امامہ کے ساتھ نکاح تمہاری موجودگی میں ہوا ہے۔" قاسم فاروقی نے اکھڑے ہوئے لہجے میں اس سے کہا۔

"پاپا! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب سالار کی ضد پر ہوا تھا، اس نے مجھے مجبور کیا تھا۔" حسن نے یکدم سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کچھ بھی چھپانے کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ جھوٹ بولتا تو اپنی پوزیشن اور خراب کرتا۔

"میں نے اسے بہت سمجھایا تھا مگر "

قاسم فاروقی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس وقت یہاں تمہیں صفائیاں اور وضاحتیں پیش کرنے کے لئے نہیں بلایا۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس لڑکی کو اس نے کہاں رکھا ہوا ہے؟"

"پاپا! مجھے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔" حسن نے تیزی سے کہا۔

"تم پھر جھوٹ بول رہے ہو۔"

"آئی سویئر پاپا! مجھے واقعی کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ اسے لاہور چھوڑ آیا تھا۔"

"یہ جھوٹ تم کسی اور سے بولنا۔ مجھے صرف سچ بتاؤ۔" قاسم فاروقی نے ایک بار پھر اسی تند و تیز لہجے میں کہا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہا پاپا!" حسن نے احتجاج کیا۔

"لاہور کہاں چھوڑ آیا تھا؟"

"کسی سڑک پر۔ اس نے کہا تھا کہ وہ خود چلی جائے گی۔"

"تم مجھے یا سکندر کو بے وقوف سمجھ رہے ہو۔ اس نے اس لڑکی سے شادی کی اور پھر اسے ایک سڑک پر چھوڑ دیا۔ بے وقوف مت بناؤ ہمیں۔" قاسم فاروقی بھڑک اٹھے۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں پاپا! اس نے کم از کم مجھ سے یہی کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو سڑک پر چھوڑ آیا تھا۔"

"تم نے اس سے یہ پوچھا نہیں کہ پھر اس نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کی کیوں۔ اگر اسے یہی کرنا تھا۔"

"پاپا! اس نے یہ شادی اس لڑکی کی مدد کے لئے کی تھی۔ اس کے گھر والے زبردستی اس کی شادی کسی لڑکے سے کرنا چاہتے تھے وہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے سالار سے رابطہ کیا اور مدد مانگی اور سالار اس کی مدد پر تیار ہو گیا۔ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ سالار وقتی طور پر اس سے نکاح کر لے تاکہ اگر اس کے

والدین زبردستی اس کی شادی کرنا چاہیں تو وہ اس نکاح کا بتا کر انہیں روک سکے۔"

حسن اب سچائی پر پردہ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس نے پوری بات بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"اور اگر ضرورت پڑے تو عدالت کے ذریعے اس کو رہائی دلوائی جا سکے مگر یہ کوئی محبت وغیرہ کی شادی نہیں تھی۔ وہ لڑکی ویسے بھی کسی اور لڑکے کو پسند کرتی تھی۔ آپ اس نکاح نامے کو دیکھیں تو اس میں بھی اس نے طلاق کا حق پہلے ہی لے لیا ہے، تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ سالار سے رابطہ کئے بغیر ہی طلاق حاصل کر لے۔"

"بس یا کچھ اور؟" قاسم فاروقی نے اس سے کہا۔ حسن کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

"میں قطعاً تمہاری کسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ تم نے بہت اچھی کہانی بنائی ہے مگر میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ اس کہانی پر یقین کر لوں۔ تمہیں اب امامہ تک پہنچنے میں سکندر کی مدد کرنی ہے۔" قاسم فاروقی نے قطعی لہجے میں کہا۔

"پاپا! میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔" حسن نے احتجاج کیا۔

"تم یہ کیسے کرو گے۔ یہ تم خود جان سکتے ہو۔ مجھے صرف یہ بتانا تھا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"پاپا پلیز، آپ مجھ پر یقین کریں، میں امامہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ نکاح کروانے کے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کیا۔" حسن نے کہا۔

"تم اس کے اتنے قریب ہو کہ اپنی خفیہ شادی میں وہ تمہیں گواہ کے طور پر لے رہا ہے مگر تمہیں یہ نہیں پتا کہ اس کی بیوی گھر سے بھاگنے کے بعد اب کہاں ہے۔ میں یہ ماننے پر تیار نہیں ہوں حسن! کسی صورت میں بھی نہیں۔" قاسم فاروقی نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تمہیں اگر پتا نہیں ہے تو بھی تم اس کا پتا کرواؤ کہ وہ کہاں ہے سالار تم سے کچھ نہیں چھپائے گا۔"

"پاپا! وہ بہت سی باتیں مجھے بھی نہیں بتاتا۔"

"وہ سب باتیں تمہیں بتاتا ہے یا نہیں، مجھے فی الحال صرف ایک چیز میں دلچسپی رکھتا ہوں اور وہ امامہ کے بارے میں معلومات ہیں۔ تم ہر طریقے سے اس سے امامہ کا پتا حاصل کرو اور سالار کو کسی بھی طرح یہ پتا نہیں چلنا چاہئے کہ سکندر کو اس کی شادی کی اطلاع مل چکی ہے یا اس نے اس سلسلے میں تم سے کوئی ملاقات کی ہے۔ اگر مجھے یہ پتا چلا کہ سالار یہ بات جان گیا ہے تو میں تمہارا کیا حشر کروں گا یہ تمہیں یاد رکھنا چاہئے۔ میں سکندر کو تو پہلے ہی اجازت دے چکا ہوں کہ وہ ہاشم مبین کو تمہارا نام دے دے اس کے بعد ہاشم مبین تمہارے ساتھ پولیس کے ذریعے نپٹے یا کسی اور طریقے سے، میں بالکل پروا نہیں کروں گا۔ اب تم یہ طے کر لو کہ تم نے سالار کے ساتھ دوستی نبھانی ہے یا پھر اس گھر میں رہنا ہے۔" قاسم

فاروقی نے قطعیت سے کہا۔

"پاپا! میں کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح امامہ کے بارے میں کچھ معلومات مل جائیں۔ میں سالار سے اس کے بارے میں بات کروں گا۔ میں اسے یہ نہیں بتاؤں گا کہ سکندر انکل کو اس سارے معاملے کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔" وہ میکانکی انداز میں دہراتا جا رہا تھا۔

وہ اس بار واقعی بری طرح اور خلاف توقع پھنسا تھا۔

☆ ☆ ☆

سالار چند دن گھر بیٹھا رہا تھا مگر پھر ضد کر کے اس نے کالج جانا شروع کر دیا۔ ہاشم مبین اور اس کے گھر والے امامہ کی تلاش میں زمین آسمان ایک کیے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ یہ سب کچھ بڑی رازداری کے ساتھ کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے ملازمین اور پولیس کے ذریعے سکندر کو ان کی کوششوں کی خبر مل رہی تھی۔ وہ لاہور میں بھی امامہ کی ہر اس سہیلی سے رابطہ کر رہے تھے جسے وہ جانتے تھے۔

سالار نے ایک دن اخبار میں بابر جاوید نامی ایک شخص کا ذکر دیکھا۔ اس کے بارے میں معلومات دینے والے کے لیے انعام کا اعلان تھا۔ وہ اس نام سے اچھی طرح واقف تھا۔ یہی وہ فرضی نام تھا جو حسن نے وکیل کو امامہ کے شوہر کا دیا تھا اور وہ اشتہار یقیناً امامہ کے گھر والوں کی طرف سے تھا حالانکہ نیچے دیا گیا فون نمبر امامہ کے گھر کا نہیں تھا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ پولیس اس وکیل کے پاس پہنچ گئی ہوگی اور اس کے بعد اس وکیل نے اس آدمی کے کوائف انہیں بتائے ہوں گے۔ اب یہ حقیقت صرف وہ وکیل، حسن اور خود وہ جانتا تھا کہ بابر جاوید سرے سے کوئی وجود نہیں رکھتا مگر وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ ہاشم مبین کے گھر والوں کو کسی حد تک بھٹکانے میں کامیاب رہا تھا۔

اس پورے عرصے کے دوران سالار، امامہ کی کال کا منتظر رہا۔ اس نے کئی بار امامہ کو اس کے موبائل پر کال بھی کیا مگر ہر بار اسے موبائل آف ملتا۔ اسے یہ تجسس ہو رہا تھا کہ وہ کہاں تھی۔ اس تجسس کو ہوا دینے میں کچھ ہاتھ حسن کا بھی تھا جو بار بار اس سے امامہ کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ بعض دفعہ وہ چڑ جاتا۔

"مجھے کیا پتا کہ وہ کہاں ہے اور مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہی۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے اسے مجھ سے زیادہ تمہیں دلچسپی ہے۔"

اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ حسن کا یہ تجسس اور دلچسپی کسی مجبوری کی وجہ سے تھی۔ وہ بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ سالار کا خیال تھا کہ امامہ اب تک جلال کے پاس جا چکی ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے شادی بھی کر چکی ہو اگرچہ اس نے امامہ سے جلال کی شادی کے بارے میں جھوٹ بولا تھا مگر اسے یقین تھا کہ امامہ نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا ہوگا۔ وہ اس کے پاس دوبارہ ضرور گئی ہوگی۔ خود سالار

بھی چاہتا تھا کہ وہ خود جلال سے رابطہ قائم کرے یا پھر ذاتی طور پر جا کر ایک بار اس سے ملے۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ امامہ اس کے ساتھ رہ رہی ہے یا نہیں، مگر فی الحال یہ دونوں کام اس کے لیے ناممکن تھے۔ سکندر عثمان مسلسل اس کی نگرانی کروا رہے تھے اور وہ اس بات سے بھی واقف تھا کہ وہ یہ نگرانی کروانے والے واحد نہیں ہیں۔ ہاشم مبین احمد بھی یہی کام کروا رہے تھے اور اگر وہ لاہور جانے کا ارادہ کرتا تو اول تو سکندر عثمان اسے جانے ہی نہ دیتے اور بالفرض جانے کی اجازت دے بھی دیتے تو شاید خود بھی اس کے ساتھ چل پڑتے اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سارے معاملے میں اس کی دلچسپی کم سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ اسے اب یہ سب کچھ ایک حماقت لگ رہا تھا۔ ایسی حماقت جو اسے کافی مہنگی پڑ رہی تھی۔ سکندر اور طیبہ اب ہمہ وقت گھر پر رہتے تھے اور اسے کہیں بھی جانے کے لیے ان سے باقاعدہ اجازت لینی پڑتی تھی۔ حسن اس سے اب کم کم ملنے لگا تھا۔ وہ اس کی وجہ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس صورت حال سے وہ بہت بور ہو رہا تھا۔

☆ ... ☆ ☆

وہ اس رات کمپیوٹر پر بیٹھا تھا جب اس کے موبائل پر ایک کال آئی۔ اس نے کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے ہوئے لاپروائی سے موبائل اٹھا کر دیکھا اور پھر اسے ایک جھٹکا لگا تھا۔ اسکرین پر موجود نمبر اس کے اپنے موبائل کا تھا۔ امامہ اسے کال کر رہی تھی۔

"تو بالآخر آپ نے ہمیں یاد کر ہی لیا۔" اس نے بے اختیار سیٹی بجائی۔ اس کا موڈ یک دم فریش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی بوریت یکسر غائب ہو گئی تھی۔

"میں تو سمجھ بیٹھا تھا کہ اب تم مجھے کبھی کال نہیں کرو گی۔ اتنا لمبا عرصہ لگا دیا تم نے۔" رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔

"میں بہت دنوں سے تمہیں فون کرنا چاہ رہی تھی مگر کر نہیں پا رہی تھی۔" دوسری طرف سے امامہ نے کہا۔

"کیوں، ایسی کیا مجبوری آ گئی تھی۔ فون تو تمہارے پاس موجود تھا۔" سالار نے کہا۔

"بس کوئی مجبوری تھی۔" اس نے مختصراً کہا۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟" سالار نے کچھ تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔

"بچکانہ سوال مت کرو سالار! جب تم جانتے ہو کہ میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گی تو پھر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میرے گھر والے کیسے ہیں؟"

سالار کچھ حیران ہوا۔ اسے امامہ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"بالکل ٹھیک ہیں، خوش و خرم ہیں، عیش کر رہے ہیں۔" اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ "تم واقعی بہت اچھی بیٹی ہو، گھر سے جا کر بھی تمہیں گھر اور گھر والوں کا کتنا خیال ہے۔ ہاؤ نائس۔"

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر امامہ نے کہا۔ "وسیم کیسا ہے؟"

"یہ تو میں نہیں بتا سکتا مگر میرا خیال ہے ٹھیک ہی ہوگا۔ وہ خراب کیسے ہو سکتا ہے۔" اس کے انداز اور لہجے میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"انہیں یہ تو پتا نہیں چلا کہ تم نے میری مدد کی تھی؟" سالار کو امامہ کا لہجہ کچھ عجیب لگا۔

"پتا لگا... ! مائی ڈیئر امامہ! پولیس اسی دن میرے گھر پہنچ گئی تھی جس دن میں تمہیں لاہور چھوڑ کر آیا تھا۔" سالار نے کچھ استہزائیہ انداز میں کہا۔ "تمہارے فادر نے میرے خلاف ایف آئی آر کٹوا دی تھی تمہیں اغوا کرنے کے سلسلے میں۔" وہ ہنسا۔ "ذرا سوچو میرے جیسا بندہ کسی کو اغوا کر سکتا ہے اور وہ بھی تمہیں... جو کسی بھی وقت کسی کو شوٹ کر سکتی ہے۔"

اس کے لہجے میں اس بار طنز تھا۔ "تمہارے فادر نے پوری کوشش کی ہے کہ میں جیل پہنچ جاؤں اور باقی کی زندگی وہیں گزاروں مگر بس میں کچھ خوش قسمت واقع ہوا ہوں کہ بچ گیا ہوں۔ گھر سے کالج تک میری نگرانی کی جاتی ہے۔ ڈمب کالز ملتی ہیں اور بھی بہت کچھ ہو رہا ہے۔ اب تمہیں کیا کیا بتاؤں۔ بہرحال تمہاری فیملی ہمیں خاصا بزی کر رہی ہے۔" اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ وہ تم تک پہنچ جائیں گے۔" اس بار امامہ کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ "میرا خیال تھا کہ انہیں کسی بھی طرح تم پر شک نہیں ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں اتنے پرابلمز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"واقعی تمہاری وجہ سے مجھے بہت سے پرابلمز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"میری کوشش تھی کہ میں پہلے خود کو محفوظ کر لوں پھر ہی تمہیں فون کروں اور اب میں واقعی محفوظ ہوں۔"

سالار نے کچھ تجسس آمیز دلچسپی کے ساتھ اس کی بات سنی۔ "تمہارا موبائل میں اب استعمال نہیں کروں گی اور میں اسے واپس بھیجنا چاہتی ہوں، مگر میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ اسے بتا رہی تھی۔ "میں تمہیں کچھ پیسے بھی بھجواؤں گی۔ ان تمام اخراجات کے لئے جو تم نے میرے لئے کئے" سالار نے اس بار اس کی بات کاٹی۔ "نہیں، پیسے رہنے دو۔ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ موبائل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس دوسرا ہے۔ تم چاہو تو اسے استعمال کرتی رہو۔"

"نہیں، میں اب اسے استعمال نہیں کروں گی۔ میری ضرورت ختم ہو چکی ہے۔" اس نے کہا۔ کچھ دیر وہ خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم اب مجھے طلاق کے

پیپرز بھجوا دو اور طلاق کے پیپرز کے ساتھ نکاح نامہ کی ایک کاپی بھی جو میں پہلے تم سے نہیں لے سکی۔"

"کہاں بھجواؤں؟" سالار نے اس کے مطالبے کے جواب میں کہا۔ اس کے ذہن میں یک دم ایک جھماکا ہوا تھا۔ وہ اگر اب طلاق کا مطالبہ کر رہی تھی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اس نے ابھی تک کسی سے شادی نہیں کی تھی نہ ہی طلاق کے اس حق کو استعمال کیا تھا جو نکاح نامہ میں وہ اس کی خواہش پر اسے تفویض کر چکا تھا۔

"تم اسی وکیل کے پاس وہ پیپرز بھجوا دو جس کو تم نے ہائر کیا تھا اور مجھے اس کا نام اور پتا لکھوا دو، میں وہ پیپرز اس سے لے لوں گی۔"

سالار مسکرایا۔ وہ بے حد محتاط تھی۔ "مگر میرا تو اس وکیل کے ساتھ ڈائریکٹ کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں تو اسے جانتا بھی نہیں ہوں پھر پیپرز اس تک کیسے پہنچاؤں۔"

"جس دوست کے ذریعے تم نے اس وکیل سے رابطہ کیا تھا اسی دوست کے ذریعے وہ پیپرز اس تک پہنچا دو۔" یہ تو طے تھا کہ وہ اسے کسی بھی طرح اپنا کوئی اتا پتا نہ دینے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اس پر پوری طرح قائم تھی۔

"تم طلاق لینا کیوں چاہتی ہو؟" وہ اس وقت بہت موڈ میں تھا۔

دوسری طرف یک دم خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ اس سے اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"طلاق کیوں لینا چاہتی ہوں؟ تم کتنی عجیب بات کر رہے ہو۔ یہ تو پہلے ہی طے تھا کہ میں تم سے طلاق لوں گی پھر اس سوال کی کیا تک بنتی ہے۔" امامہ کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"وہ تب کی تھی، اب تو خاصا لمبا وقت گزر گیا ہے اور میں تمہیں طلاق دینا نہیں چاہتا۔" سالار نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ دوسری طرف اس وقت امامہ کے پیروں کے نیچے سے حقیقتاً زمین نکل گئی ہو گی۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں یہ کہہ رہا ہوں امامہ ڈیئر! کہ میں تمہیں طلاق دینا نہیں چاہتا، نہ ہی دوں گا۔" اس نے ایک اور دھماکہ کیا۔

"تم... تم طلاق کا حق پہلے ہی مجھے دے چکے ہو۔" امامہ نے بے اختیار کہا۔

"کب... کہاں... کس وقت... کس صدی میں۔" سالار نے اطمینان سے کہا۔

"تمہیں یاد ہے، میں نے نکاح سے پہلے تمہیں کہا تھا کہ نکاح نامے میں طلاق کا حق چاہتی ہوں میں۔ اب اگر تم طلاق نہیں بھی دیتے تو میں خود ہی وہ حق استعمال کر سکتی ہوں۔ تمہیں یہ یاد ہونا چاہئے۔" وہ جتا رہی تھی۔

"اگر میں تمہیں یہ حق دیتا تو تم یہ حق استعمال کر سکتی تھی مگر میں نے تو تمہیں ایسا کوئی حق دیا ہی نہیں۔ تم نے نکاح نامہ دیکھا وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ خیر تم نے دیکھا ہی ہو گا ورنہ آج طلاق کی بات کیوں کر رہی ہوتیں۔"

دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ سالار نے ہوا میں تیر چلایا تھا مگر وہ نشانے پر جیٹھا تھا۔ امامہ نے یقیناً بیپرز سائن کرتے ہوئے انہیں دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سالار بے حد محظوظ ہو رہا تھا۔

"تم نے مجھے دھوکا دیا۔" بہت دیر بعد اس نے امامہ کو کہتے سنا۔

"ہاں، بالکل اسی طرح جس طرح تم نے پسٹل دکھا کر مجھے دھوکا دیا۔" وہ برجستگی سے بولا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تم اور میں بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہم دونوں میں اتنی برائیاں اور اتنی خامیاں ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو مکمل طور پر complement کرتے ہیں۔" وہ اب ایک بار پھر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"زندگی سالار! زندگی اور تمہارے ساتھ ..... یہ ناممکن ہے۔" امامہ نے تند لہجے میں کہا۔

"مجھے نپولین کی بات دہرانی چاہئے کہ میری ڈکشنری میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے یا مجھے تم سے یہ ریکویسٹ کرنی چاہئے کہ آؤ اس ناممکن کو مل کر ممکن بنائیں۔" وہ اب مذاق اڑا رہا تھا۔

"تم نے مجھ پر بہت احسان کئے ہیں، ایک احسان اور کرو۔ مجھے طلاق دے دو....."

"نہیں، میں تم پر احسان کرتے کرتے تھک گیا ہوں، اب اور نہیں کر سکتا اور یہ والا احسان تو ناممکن ہے۔" سالار ایک بار پھر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"میں تمہاری ٹائپ کی لڑکی نہیں ہوں سالار! تمہارا اور میرا لائف اسٹائل بہت مختلف ہے، ورنہ شاید میں تمہاری پیشکش پر غور کرتی مگر اب اس صورت میں یہ ممکن نہیں ہے۔ تم پلیز، مجھے طلاق دے دو۔"

وہ اب نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ سالار کا دل بے اختیار ہنسنے کو چاہا۔

"تم اگر میری پیشکش پر غور کرنے کا وعدہ کرو تو میں اپنا لائف اسٹائل بدل لیتا ہوں۔" سالار نے اسی انداز میں کہا۔

"تم سمجھنے کی کوشش کرو، تمہاری اور میری ہر چیز مختلف ہے۔ زندگی کی فلاسفی ہی مختلف ہے۔ ہم دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔" اس بار وہ جھنجلائی تھی۔

"نہیں نہیں میری اور تمہاری فلاسفی آف لائف بہت ملتی ہے۔ تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ ملتی نہ بھی ہوئی تو بھی ذرا سے ایڈجسٹمنٹ کے بعد ملنے لگے گی۔"

وہ اس طرح بولا جیسے اپنے بہترین دوست سے گفتگو کر رہا ہو۔

"ویسے بھی مجھ میں کمی کیا ہے۔ میں تمہارے پرانے منگیتر اسجد جیسا خوب صورت نہ سہی مگر

جلال انصر جیسا معمولی شکل و صورت کا بھی نہیں ہوں۔ میری فیملی کو تم اچھی طرح جانتی ہو۔ کیریئر میرا کتنا برائٹ ہو گا، اس کا تمہیں اندازہ ہے۔ میں ہر لحاظ سے جلال سے بہتر ہوں۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ وہ امامہ کو بری طرح زچ کر رہا تھا اور وہ ہو رہی تھی۔

"میرے لئے کوئی بھی شخص جلال جیسا نہیں ہو سکتا اور تم تم تو کسی صورت بھی نہیں۔" اس کی آواز میں پہلی بار نمایاں خفگی تھی۔

"کیوں؟" سالار نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

"تم مجھے اچھے نہیں لگتے ہو۔ آخر تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے۔ دیکھو، تم نے اگر مجھے طلاق نہ دی تو میں کورٹ میں چلی جاؤں گی۔" وہ اب اسے دھمکا رہی تھی۔ سالار اس کی بات پر بے اختیار ہنسا۔

"یو آر موسٹ ویلکم۔ جب چاہیں جائیں۔ کورٹ سے اچھی جگہ ہماری ملاقات کے لئے اور کون سی ہو گی۔ آمنے سامنے کھڑے ہو کر بات کرنے کا مزہ ہی اور ہو گا۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"ویسے تمہیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ کورٹ میں صرف میں نہیں پہنچوں گا، بلکہ تمہارے پیرنٹس بھی پہنچیں گے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

"سالار! میرے لئے پہلے ہی بہت سے پرابلمز ہیں تم ان میں اضافہ نہ کرو۔ میری زندگی بہت مشکل ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ کم از کم تم تو میری مشکلات کو مت بڑھاؤ۔"

اس بار امامہ کے لہجے میں رنجیدگی اور بے چارگی تھی۔ وہ کچھ اور محظوظ ہوا۔

"میں تمہارے مسائل میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں..... ؟ مائی ڈیئر! میں تو تمہاری ہمدردی میں گھل رہا ہوں، تمہارے مسائل کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم خود سوچو، میرے ساتھ رہ کر تم کتنی اچھی اور محفوظ زندگی گزار سکتی ہو۔" وہ بظاہر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"تم جانتے ہو، میں نے اتنی مشکلات کس لئے سہی ہیں۔ تم سمجھتے ہو، میں ایک ایسے شخص کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جاؤں گی جو ہر وہ کبیرہ گناہ کرتا ہے جسے میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناپسند کرتے ہیں۔ نیک عورتیں نیک مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور بری عورتیں برے مردوں کے لئے۔ میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں مگر میں اتنی بری نہیں ہوں کہ تمہارے جیسا برا مرد میری زندگی میں آئے۔ جلال مجھے نہیں ملا مگر میں تمہارے ساتھ بھی زندگی نہیں گزاروں گی۔" اس نے بے حد تلخ انداز میں تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"شاید اسی لئے جلال نے بھی تم سے شادی نہیں کی، کیونکہ نیک مردوں کے لئے نیک عورتیں ہوتی ہیں، تمہارے جیسی نہیں۔"

سالار نے اسی اکھڑے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اتنی لمبی خاموشی کہ سالار کو اسے مخاطب کرنا پڑا۔ "ہیلو ... تم سن رہی ہو؟"

"سالار! مجھے طلاق دے دو۔" اسے امامہ کی آواز بھرائی ہوئی لگی۔ سالار کو ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔

"تم کورٹ میں جا کر لے لو، جیسے تم مجھ سے کہہ چکی ہو۔" سالار نے ترکی بہ ترکی کہا اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

حسن نے ان چند ماہ میں سالار سے امامہ کے بارے میں جاننے کی بے حد کوشش کی تھی (حسن کے اپنے بیان کے مطابق) مگر وہ ناکام رہا تھا۔ وہ اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے کہ سالار اور امامہ کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ سالار کی طرح خود انہوں نے موبائل پر بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔

سکندر نے سالار کو امریکہ میں مختلف یونیورسٹیز میں اپلائی کرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس کا اکیڈیمک ریکارڈ ایسا تھا کہ کوئی بھی یونیورسٹی اسے لینے میں خوشی محسوس کرے گی۔

امامہ نے سالار کو دوبارہ فون نہیں کیا تھا حالانکہ سالار کا خیال تھا کہ وہ اسے دوبارہ فون کرے گی اور تب وہ اسے بتا دے گا کہ وہ اسے نکاح نامے میں پہلے ہی طلاق کا حق دے چکا ہے اور وہ نکاح نامے کی کاپی بھی اس کے حوالے کر دے گا۔ وہ اس سے یہ بھی کہہ دے گا کہ اس نے اس کے ساتھ صرف ایک مذاق کیا تھا مگر امامہ نے دوبارہ اس سے رابطہ قائم نہیں کیا، نہ ہی سالار نے اپنے پیپرز میں اس نکاح نامے کو دوبارہ دیکھنے کی زحمت کی، ورنہ وہ بہت پہلے وہاں اس کی عدم موجودگی سے واقف ہو جاتا۔

جس دن وہ آخری پیپر دے کر واپس گھر آیا۔ سکندر عثمان کو اس نے اپنا منتظر پایا۔

"تم اپنا سامان پیک کر لو، آج رات کی فلائٹ سے تم امریکہ جا رہے ہو، کامران کے پاس۔"

"کیوں پاپا! اس طرح اچانک ... سب کچھ ٹھیک تو ہے؟"

"تمہارے علاوہ سب کچھ ٹھیک ہے۔" سکندر نے تلخی سے کہا۔

"مگر پھر آپ مجھے اس طرح اچانک کیوں بھیج رہے ہیں؟"

"یہ میں تمہیں رات کو ایئر پورٹ چھوڑنے کے لئے جاتے ہوئے بتاؤں گا۔ فی الحال تم جا کر اپنا سامان پیک کرو۔"

"پاپا پلیز! آپ مجھے بتائیں آپ اس طرح مجھے کیوں بھجوا رہے ہیں؟" سالار نے کمزور احتجاج کیا۔

"میں نے کہا نا میں تمہیں بتا دوں گا۔ تم جا کر اپنا سامان پیک کرو، ورنہ میں تمہیں سامان کے بغیر ہی

ایئر پورٹ چھوڑ آؤں گا۔"

سکندر نے اسے دھمکایا۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اپنا سامان پیک کرتے ہوئے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ سکندر عثمان کے اس اچانک فیصلے کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اچانک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس نے اپنی دراز کھول کر اپنے پیپرز نکالنا شروع کر دیئے۔ وہاں نکاح نامہ نہیں تھا۔ اسے ان کے اس فیصلے کی سمجھ آ گئی تھی اور اسے پچھتاوا ہوا کہ اس نے نکاح نامے کو اتنی لاپروائی سے وہاں کیوں رکھا تھا۔ وہ نکاح نامہ سکندر عثمان کے علاوہ کسی اور کے پاس ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ ان کے علاوہ کوئی اور اس کے کمرے میں آنے اور اس کی دراز کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں اب کوئی الجھن نہیں تھی۔ اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنا سامان پیک کیا۔ وہ اب صرف یہ سوچ رہا تھا سکندر عثمان سے ایئر پورٹ جاتے ہوئے کیا بات کرے گا۔

رات کو ایئر پورٹ چھوڑنے کے لئے صرف سکندر اس کے ساتھ آئے تھے، طیبہ نہیں۔ ان کا لہجہ اور انداز بے حد روکھا اور خشک تھا۔ سالار نے بھی اس بار کوئی سوال نہیں کیا۔ ایئر پورٹ جاتے ہوئے سکندر عثمان نے اپنا بریف کیس کھول کر ایک سادہ کاغذ اور قلم نکالا اور بریف کیس کے اوپر رکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس پر سائن کر دو۔"

"یہ کیا ہے؟" سالار نے حیرانی سے اس سادہ کاغذ کو دیکھا۔

"تم صرف سائن کرو، سوال مت کرو۔" انہوں نے بے حد روکھے انداز میں کہا۔ سالار نے مزید کچھ کہے بغیر ان کے ہاتھ میں پکڑا ہوا قلم لے کر اس کاغذ پر سائن کر دیئے۔ سکندر نے اس کاغذ کو تہہ کر کے بریف کیس میں رکھا اور بریف کیس کو دوبارہ بند کر دیا۔

"جو کچھ تم کر چکے ہو، اس کے بعد تم سے کچھ کہنا یا کوئی بات کرنا بے کار ہے۔ تم مجھ سے ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا جھوٹ بولتے رہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے تو کبھی حقیقت کا پتا ہی نہیں چلے گا۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں امریکہ بھیجنے کے بجائے ہاشم مبین احمد کے حوالے کر دوں تاکہ تمہیں اندازہ ہو اپنی حماقت کا، مگر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں تمہارا باپ ہوں، مجھے تمہیں بچانا ہی ہے۔ تم میری اس مجبوری کا آج تک فائدہ اٹھاتے رہے ہو مگر آئندہ نہیں اٹھا سکو گے۔ میں تمہارا نکاح نامہ امامہ کے حوالے کر دوں گا اور اگر مجھے دوبارہ کبھی یہ پتا چلا کہ تم نے اس سے رابطہ کیا ہے یا رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو میں اس بار جو کروں گا تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ تم میرے لئے کافی مصیبتیں کھڑی کر چکے ہو، اب ان کا سلسلہ بند ہو جانا چاہئے سمجھے تم۔"

انہوں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں عجیب طرح کی لاپروائی اور اطمینان تھا۔ سکندر عثمان بے اختیار ہنسے۔ یہ ان کا وہ بیٹا تھا جو 150+ کا آئی کیو رکھتا تھا۔ کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ وہ سرے سے کوئی آئی کیو رکھتا بھی تھا یا نہیں۔

☆......☆......☆

اگلے چند ماہ جو اس نے امریکہ میں گزارے تھے وہ اس کی زندگی کے مشکل ترین دن تھے۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار سیر و تفریح کے لئے اپنی فیملی کے ساتھ اور ان کے بغیر امریکہ اور یورپ جاتا رہا تھا مگر اس بار جس طریقے سے سکندر نے اسے امریکہ بھجوایا تھا اس نے جہاں ایک طرف اسے مشتعل کیا تھا تو دوسری طرف اس کے لئے بہت سے دوسرے پرابلمز بھی پیدا کر دیئے تھے۔ اس کے جو دوست اے لیولز کے بعد امریکہ آگئے تھے۔ وہ امریکہ کی مختلف یونیورسٹیز میں پڑھ رہے تھے۔ وہ کسی ایک اسٹیٹ میں نہیں تھے۔ کچھ یہی حال اس کے رشتہ داروں اور کزنز کا تھا۔ خود اس کے اپنے بہن بھائی بھی ایک جگہ پر نہیں تھے۔ وہ اپنی فیملی سے اتنا اٹیچ نہیں تھا کہ ان کی کمی محسوس کرتا یا ہوم سکنیس کا شکار ہوتا۔ یہ صرف اس طرح اچانک وہاں بھجوائے جانے کا نتیجہ تھا کہ وہ اس طرح اضطراب کا شکار ہو رہا تھا۔

کامران سارا دن یونیورسٹی میں ہوتا اور اگر وہ گھر آتا بھی تو اپنی اسٹڈیز میں مصروف ہو جاتا۔ اس کے ایگزامز قریب تھے، جبکہ سالار سارا دن یا تو اپارٹمنٹ میں بیٹھا فلمیں دیکھتا رہتا یا پھر چینلز گھمانے میں مصروف رہتا اور جب وہ ان دونوں کاموں سے بیزار ہو جاتا تو آوارہ گردی کے لئے نکل جاتا۔ اس نے وہاں اپنے قیام کے دوران نیو یارک میں اس علاقے کا چپہ چپہ چھان مارا تھا جہاں کامران رہ رہا تھا۔ وہاں کا کوئی نائٹ کلب، ڈسکو، پب، بار، تھیٹرز، سینما یا میوزیم اور آرٹ گیلری ایسی نہیں تھی جہاں وہ نہ گیا ہو۔

اس کا اکیڈیمک ریکارڈ ایسا تھا کہ جن تین Ivy league کی یونیورسٹیز میں اس نے اپلائی کیا تھا ان تینوں میں رزلٹ آنے سے پہلے ہی اس کی ایڈمیشن کی درخواستیں قبول کی جا چکی تھیں۔ وہ تینوں یونیورسٹیز ایسی تھیں جن میں اس کے دور یا قریب کا کوئی رشتے دار نہیں تھا اور یہ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سکندر عثمان اپنی پوری کوشش کریں گے کہ اسے کسی ایسی یونیورسٹی میں ایڈمٹ کروائیں جہاں اس کے بہن بھائیوں میں سے نہیں تو کم از کم اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی ضرور موجود ہو تاکہ وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں۔ سالار کی جگہ ان کا کوئی دوسرا بیٹا Ivy league کی کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا تو سکندر عثمان فخر میں مبتلا ہوتے اور اس چیز کو اپنے اور اپنی پوری فیملی کے لئے اعزاز سمجھتے مگر یہاں وہ اس خوف میں مبتلا ہو گئے تھے کہ وہ سالار پر نظر کیسے رکھ سکیں گے۔ سالار نے ان یونیورسٹیز میں سے Yale کو چنا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نہ صرف Yale میں ان کا کوئی شناسا اور واقف کار نہیں تھا، بلکہ New Haven میں بھی سکندر عثمان کا کوئی رشتہ دار

اور دوست نہیں تھا۔

رزلٹ آنے کے بعد اسے یونیورسٹی سے میرٹ اسکالر شپ بھی مل گیا تھا۔ اپنے باقی بھائیوں کے برعکس اس نے ضد کر کے ہوسٹل میں رہنے کے بجائے ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ سکندر عثمان اسے اپارٹمنٹ میں رکھنے کے لئے تیار نہیں تھے، مگر اسکالرشپ ملنے کی وجہ سے اس کے پاس اتنی رقم آگئی تھی کہ وہ خود ہی کوئی اپارٹمنٹ لے لیتا کیونکہ یونیورسٹی کے اخراجات کے لئے سکندر اس کے اکاؤنٹ میں پہلے ہی ایک لمبی چوڑی رقم ٹرانسفر کروا چکے تھے حالانکہ ان کا سب سے چھوٹا بیٹا بھی اسکالرشپ لے رہا تھا مگر سالار سکندر کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان سے ہر وہ "کام" اور "مطالبہ" کرنے کے لئے بنایا تھا جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔ وہ زمین پر خاص طور پر انہیں تنگ کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا جس چیز کو ان کے دوسرے بچے مشرق کہتے وہ اسے مغرب کہتا۔ جسے دوسرے زمین قرار دیتے وہ اس کے آسمان ہونے پر دلائل دینا شروع کر دیتا۔ وہ اس کی باتوں، حرکتوں اور ضد پر زیادہ سے زیادہ اپنا بلڈ پریشر اور کولیسٹرول لیول ہائی کر سکتے تھے اور کچھ نہیں۔

New Haven جانے سے پہلے سکندر اور طیبہ اس کے لئے خاص طور پر پاکستان سے امریکہ آئے تھے۔ وہ کئی دن تک اسے سمجھاتے رہے تھے، جنہیں وہ اطمینان سے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتا رہا تھا۔ وہ کئی سالوں سے نصیحتیں سننے کا عادی تھا اور عملی طور پر وہ نصیحتیں اب اس پر قطعاً کوئی اثر نہیں کرتی تھیں۔ دوسری طرف سکندر اور طیبہ واپس پاکستان جاتے ہوئے بے حد فکر مند بلکہ کسی حد تک خوفزدہ بھی تھے۔

Yale میں وہ فنانس میں ایم بی اے کرنے آیا تھا اور اس نے وہاں آنے کے چند ہفتوں کے اندر ہی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔

پاکستان میں جن اداروں میں وہ پڑھتا رہا تھا اگرچہ وہ بھی بہت اچھے تھے، مگر وہاں تعلیم اس کے لئے کیک واک تھی۔ Yale میں مقابلہ بہت مشکل تھا وہاں بے حد قابل لوگ اور ایشین اسٹوڈنٹ موجود تھے۔ اس کے باوجود وہ بہت جلد نظروں میں آنے لگا تھا۔

اس میں اگر ایک طرف اس کی غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کا دخل تھا تو دوسری طرف اس کے رویئے کا بھی۔ ایشین اسٹوڈنٹس والی روایتی منکساری اور خوش اخلاقی اس میں مفقود تھی۔ اس میں لحاظ اور مروت بھی نہیں تھی اور نہ ہی وہ احساس کمتری اور مرعوبیت تھی جو ایشین اسٹوڈنٹس امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیز میں فطری طور پر لے کر آتے ہیں۔ اس نے بچپن سے ہی بہترین اداروں میں پڑھا تھا۔ ایسے ادارے جہاں پڑھانے والے زیادہ تر غیر ملکی تھے اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ بھی کوئی علم کے چشمے نہیں ہوتے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ Yale نے اسے اسکالرشپ دے کر اس پر کوئی احسان نہیں کیا وہ

اگر باقی دونوں یونیورسٹیز میں سے کسی کا انتخاب کرتا تو اسکالرشپ اسے وہاں سے بھی مل جاتا اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے ماں باپ کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ وہ جہاں چاہتا ایڈمیشن لے سکتا تھا۔ اگر اپنے فیملی بیک گراؤنڈ اسٹیٹس اور قابلیت کا زعم نہ ہوتا تب بھی سالار سکندر اس قدر تلخ اور الگ تھلگ قسم کی نیچر رکھتا تھا کہ وہ کسی کو اپنی خوش اخلاقی کے جھوٹے مظاہرے سے متاثر نہیں کر سکتا تھا۔ رہی سہی کسر اس کے آئی کیو لیول نے پوری کر دی تھی۔

شروع کے چند ہفتوں میں ہی اس نے اپنے پروفیسرز اور کلاس فیلوز کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی اور یہ بھی پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ وہ بچپن سے تعلیمی اداروں میں اسی قسم کی توجہ حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ ایسا اسنوذنس نہیں تھا، جو فضول باتوں پر بحث برائے بحث کرتا۔ اس کے سوال ہی اس طرح کے ہوتے تھے کہ اس کے اکثر پروفیسرز کو فوری طور پر ان کا جواب دینے میں دشواری ہوتی۔ جواب غیر تسلی بخش بھی ہوتا، تب بھی وہ یہ جتاتا نہیں تھا صرف خاموش ہو جاتا تھا، مگر وہ یہ تاثر بھی نہیں دیتا تھا کہ وہ مطمئن ہو گیا تھا یا اس جواب کو تسلیم کر رہا تھا۔ وہ بحث صرف ان پروفیسر کے ساتھ کرتا تھا، جن کے بارے میں اسے یہ یقین ہوتا کہ وہ ان سے واقعی کچھ نہ کچھ سیکھے گا یا جن کے پاس صرف روایتی یا کتابی علم نہیں تھا۔

پڑھائی وہاں بھی اس کے لئے بہت مشکل نہیں تھی، نہ ہی اس کا سارا وقت پڑھائی میں گزرتا تھا۔ پہلے کی نسبت اسے کچھ زیادہ وقت دینا پڑتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے لئے اور اپنی سرگرمیوں کے لئے وقت نکال لیا کرتا تھا۔

وہ وہاں کسی ہوم سکنیس کا شکار نہیں تھا کہ چوبیس گھنٹے پاکستان کو یاد کرتا رہتا یا پاکستان کے ساتھ اس طرح کے عشق میں مبتلا ہوتا کہ ہر وقت اس کے کلچر کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرتا۔ نہ ہی امریکہ اس کے لئے کوئی نئی اور اجنبی جگہ تھی اس لئے اس نے وہاں موجود پاکستانیوں کو تلاش کرنے اور ان کے ساتھ روابط بڑھانے کی دانستہ طور پر کوئی کوشش نہیں کی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بخود وہاں موجود کچھ پاکستانیوں سے اس کی شناسائی ہو گئی۔

یونیورسٹی کی دوسری بہت سی سوسائٹیز، ایسوسی ایشنز اور کلبز میں اس کی دلچسپی تھی اور اس کے پاس ان کی ممبر شپ بھی تھی۔

پڑھائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنا زیادہ تر وقت بے کار پھرنے میں ضائع کرتا تھا۔ خاص طور پر ویک اینڈز   سینما، کلبز، ڈسکوز، تھیٹرز   اس کی زندگی انہیں چاروں کے درمیان تقسیم شدہ تھی۔ ہر نئی فلم، ہر نیا اسٹیج پلے، ہر نیا کنسرٹ اور کوئی بھی نئی انسٹرومینٹل پرفارمنس وہ نہیں چھوڑتا تھا پھر ہر نیا چھوٹا، بڑا ریسٹورنٹ، مہنگے سے مہنگا اور سستے سے سستا   اسے ہر ایک کے بارے میں مکمل معلومات تھیں۔

اور اس سب کے درمیان وہ ایڈونچر اس کے ذہن میں اب تک تھا جس کی وجہ سے وہ امریکہ میں موجود تھا۔ سکندر کو اس کے نکاح کا پتا کب چلا تھا، کیسے چلا تھا، سالار نے جاننے کی کوشش نہیں کی مگر وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سکندر عثمان کو اس کے بارے میں کیسے پتا چلا ہوگا۔ یہ حسن یا ناصرہ نہیں تھے جنہوں نے سکندر عثمان کو سالار اور امامہ کے بارے میں بتایا ہوگا۔ وہ ان کی طرف سے مطمئن تھا۔ یہ خود امامہ ہی ہوگی۔ جس نے اس سے فون پر بات کرنے کے بعد یہ سوچا ہوگا کہ اس کے بجائے سکندر عثمان سے ساری بات کی جائے اور اس نے یقیناً ایسا ہی کیا ہوگا، اسی لئے اس نے دوبارہ سالار سے رابطہ نہیں کیا۔ سکندر نے اس سے رابطہ کرنے کے بعد ہی اس کے کمرے کی تلاشی لے کر وہ نکاح نامہ برآمد کر لیا تھا۔

مگر یہ سب کب ہوا تھا   ؟ یہ وہ سوال تھا، جس کا جواب وہ نہیں ڈھونڈ پا رہا تھا۔

جو بھی تھا امامہ کے لئے اس کی ناپسندیدگی میں پاکستان سے امریکہ آتے ہوئے کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ یکے بعد دیگرے وہ اس کے ہاتھوں زک اٹھانے پر مجبور ہوا تھا اور اب وہ پچھتاتا تھا کہ اس نے اس تمام معاملے میں امامہ کی مدد کیسے کی۔ بعض دفعہ اسے حیرانی ہوتی تھی کہ آخر وہ امامہ جیسی لڑکی کی مدد کرنے پر تیار کیسے ہو گیا تھا اور اس حد تک مدد کی۔

وہ اب ان تمام واقعات کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی کوفت محسوس کرتا تھا۔ آخر میں نے اس کی مدد کیوں کی جبکہ مجھے جو کرنا چاہئے تھا وہ یہ تھا کہ اس کے رابطہ کرنے پر میں وسیم کو، اس کے والدین کو یا خود اپنے والدین کو اس سارے معاملے کے بارے میں بتا دیتا یا پھر جلال کے بارے میں انہیں بتا دیتا یا پھر اس کے کہنے پر اس کے ساتھ سرے سے نکاح کرتا ہی نہ یا اسے گھر سے فرار ہونے میں تو کبھی اس طرح مدد نہ کرتا۔

بعض دفعہ اسے لگتا کہ جیسے وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح اس کے ہاتھوں میں استعمال ہوا تھا۔ اتنی فرمانبرداری، اتنی تابعداری آخر کیوں   ؟ جبکہ وہ اس کے ساتھ کوئی تعلق یا واسطہ نہیں رکھتی تھی اور وہ کسی طرح سے بھی اس کی مدد کرنے پر مجبور نہیں تھا۔

اب اسے وہ سب کچھ ایک ایڈونچر سے زیادہ حماقت لگتا۔ وہ کسی سائیکالوجسٹ کی طرح امامہ کے بارے میں اپنے رویے کا تجزیہ کرتا اور مطمئن ہو جاتا۔

"جوں جوں وقت گزرتا جائے گا وہ مکمل طور پر میرے ذہن سے نکل جائے گی نہ بھی نکلی تب بھی مجھے کیا فرق پڑے گا۔" وہ سوچتا۔

☆ ☆ .....☆

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں اس کے حلقہ احباب میں اضافہ ہونے لگا اور اسی حلقہ احباب میں ایک نام سعد کا تھا۔ اس کا تعلق کراچی سے تھا۔ سالار کی طرح وہ بھی امیر کبیر گھرانے سے تعلق رکھتا

تھا مگر سالار کے برعکس اس کا گھرانہ خاصا مذہبی تھا۔ یہ سالار کا اندازہ تھا۔ سعد کی حس مزاح بہت اچھی تھی اور وہ بہت ہینڈسم بھی تھا۔ نیوہیون میں ایک امریکی دوست کے توسط سے اس کی ملاقات سعد سے ہوئی تھی اور اس کی طرف دوستی میں پہل کرنے والا سعد ہی تھا۔ سالار نے اس دوستی کو قبول کرنے میں قدرے تامل کیا کیونکہ اسے یوں لگتا تھا جیسے سعد اور اس کے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ سعد وہاں سے ایم فل کر رہا تھا۔ سالار کے برعکس وہ پڑھائی کے ساتھ جاب بھی کرتا تھا۔ اس کا حلیہ اس کی مذہب سے جذباتی وابستگی بتانے کے لئے کافی تھا۔ اس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی اور مذہب کے بارے میں اس کا علم بہت زیادہ تھا۔ سالار نے زندگی میں پہلی بار کسی ایسے شخص سے دوستی کی تھی جو مذہبی تھا۔

سعد پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا اور دوسروں کو بھی اس کے لئے کہتا رہتا۔ وہ مختلف آرگنائزیشنز اور کلبز میں بھی بہت ایکٹو تھا۔ سالار کے برعکس امریکہ میں اس کا کوئی قریبی رشتے دار نہیں تھا، صرف ایک دور کے چچا تھے، جو کسی دوسری اسٹیٹ میں رہتے تھے۔ شاید اسی لئے اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لئے وہ بہت زیادہ سوشل تھا۔ سالار کے برعکس وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور شاید یہ لاڈ پیار ہی تھا جس نے اس کے والدین کو اسے اتنی دور تعلیم کے لئے بھیج دیا تھا ورنہ اس کے باقی دونوں بھائی سعد کے والد کے ساتھ گریجویشن کے بعد بزنس میں شریک ہو گئے تھے۔

وہ بھی ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے کر رہتا تھا مگر اس کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں چار اور لوگ بھی رہتے تھے۔ ان چار میں سے دو عرب اور ایک بنگلہ دیشی کے علاوہ ایک اور پاکستانی تھا۔ وہ تمام اسٹوڈنٹس تھے۔

سعد پہلی ہی ملاقات میں سالار سے بہت بے تکلف ہو گیا تھا۔ سالار کے امریکی دوست جیف نے جب سعد کو سالار کی اکیڈیمک کامیابیوں کے بارے میں بتایا تو باقی ایک کی طرح سعد بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

سالار کو سعد کا چہرہ دیکھ کر اور خاص طور پر اس کی داڑھی دیکھ کر ہمیشہ جلال کا خیال آتا۔ داڑھی کی وجہ سے دونوں میں عجیب سی مماثلت اور مشابہت نظر آتی۔ کئی بار دوسرے دوستوں کے علاوہ سعد بھی ویک اینڈ پر اس کے ساتھ ہوتا۔

"تم مسلمان ہو لیکن مذہب کی سرے سے پابندی نہیں کرتے۔" سعد نے ایک دفعہ سالار سے کہا تھا۔

"اور تم ضرورت سے زیادہ مذہبی ہو۔" سالار نے جواباً کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جس طرح تم پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے رہتے ہو اور ہر وقت اسلام کی بات کرتے

رہتے ہو یہ کچھ اوور ایکٹنگ ٹائپ چیز ہو جاتی ہے۔" سالار نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ کہا۔ "تم تھکتے نہیں ہو ہر وقت نمازیں پڑھ کر۔"

"یہ فرض ہے۔ اللہ کی طرف سے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں، اسے ہر وقت یاد رکھیں۔" سعد نے زور دیتے ہوئے کہا۔ سالار نے ایک جمائی لی۔

"تم بھی عبادت کیا کرو۔ آخر تم بھی مسلمان ہو۔" سعد نے اس سے کہا۔

"میں جانتا ہوں اور عبادت نہ کرنے سے کیا میں مسلمان نہیں رہوں گا۔" اس نے کچھ تیکھے لہجے میں سعد سے کہا۔

"صرف نام کا مسلمان بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہو تم؟"

"سعد! پلیز اس قسم کے فضول ٹاپک پر بات مت کرو۔ میں جانتا ہوں تمہیں مذہب میں دلچسپی ہے مگر مجھے نہیں ہے۔ بہتر ہے ہم ایک دوسرے کی رائے اور جذبات کا خیال رکھیں اور ایک دوسرے پر کچھ ٹھونسنے کی کوشش نہ کریں۔ جیسے میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ تم نماز چھوڑ دو، اس طرح تم بھی مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں نماز پڑھوں۔" سالار نے انتہائی صاف گوئی سے کہا تو سعد خاموش ہو گیا۔

مگر کچھ دنوں بعد ایک دن وہ اس کے اپارٹمنٹ پر آیا۔ سالار اس کی تواضع کے لئے کچھ لانے کے لئے کچن میں گیا تو سعد بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا۔ اس نے باتوں کے دوران فریج کھول لیا اور اس میں موجود کھانے کی چیزوں پر نظر دوڑانے لگا۔ سالار پچھلی رات ایک فاسٹ فوڈ outlet سے اپنا پسندیدہ برگر لے کر آیا تھا۔ وہ فریج میں رکھا تھا۔ سعد نے اسے نکال لیا۔

"اسے رکھ دو، یہ تم نہ کھانا۔" سالار نے جلدی سے کہا۔

"کیوں؟" سعد نے مائیکرو ویو کی طرف جاتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں پورک (سور کا گوشت) ہے۔" سالار نے لاپروائی سے کہا۔

"مذاق مت کرو۔" سعد ٹھٹک گیا۔

"اس میں مذاق والی کون سی بات ہے۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ سعد نے جیسے جھٹکنے والے انداز میں پلیٹ شیلف پر رکھ دی۔

"تم پورک کھاتے ہو؟"

"میں پورک نہیں کھاتا۔ میں صرف یہ برگر کھاتا ہوں کیونکہ یہ مجھے پسند ہے۔" سالار نے برگر جاتے ہوئے کہا۔

"تم جانتے ہو یہ حرام ہے!؟"

"اسلام میں!؟"

"ہاں!"

"اور پھر بھی؟"

"اب تم پھر وہی تبلیغی وعظ شروع مت کرنا۔ میں صرف پورک ہی نہیں کھاتا، ہر قسم کا گوشت کھا لیتا ہوں۔" سالار نے لاپروائی سے کہا۔ وہ اب فریج کی طرف جا رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"خیر اس میں ایسی بے یقینی والی کیا بات ہے۔ یہ کھانے کے لئے ہی ہوتا ہے۔" وہ اب فریج میں پڑے دودھ کے پیکٹ کو نکال رہا تھا۔

"یہ چیز کھانے کے لئے نہیں ہوتی۔" سعد کچھ تلملایا۔ "ٹھیک ہے تم زیادہ مذہبی نہ سہی مگر مسلمان تو ہو اور اتنا تو تم جانتے ہی ہو گے کہ پورک اسلام میں حرام ہے، کم از کم ایک مسلمان کے لئے۔" سالار خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہا۔

"میرے لئے کچھ مت بنانا، میں نہیں کھاؤں گا۔" سعد یک دم کچن سے نکل گیا۔

"کیوں؟" سالار نے مڑ کر اسے دیکھا۔ سعد واش بیسن کے سامنے کھڑا صابن سے ہاتھ دھو رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" سالار نے اس سے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

سعد نے جواب میں کچھ نہیں کہا وہ اسی طرح کلمہ پڑھتے ہوئے ہاتھ دھوتا رہا۔ سالار چبھتی ہوئی نظروں سے ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ ہاتھ دھونے کے بعد اس نے سالار سے کہا۔

"میں تو اس فریج میں رکھی کوئی چیز نہیں کھا سکتا، بلکہ تمہارے برتنوں میں بھی نہیں کھا سکتا۔ اگر تم یہ برگر کھا لیتے ہو تو اور بھی کیا کچھ نہیں کھا لیتے ہو گے۔ چلو باہر چلتے ہیں، وہیں جا کر کچھ کھاتے ہیں۔"

"یہ بہت انسلٹنگ ہے۔" سالار نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"نہیں، انسلٹ والی تو کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں یہ حرام گوشت نہیں کھانا چاہتا اور تم اس معاملے میں پرہیز کے عادی نہیں ہو۔" سعد نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ گوشت کھلانے کی کوشش نہیں کی۔ تم نہیں کھاتے، اسی لئے میں نے وہ برگر پکڑتے ہی تمہیں منع کر دیا۔" سالار نے کہا۔ "مگر تم کو تو شاید کوئی فوبیا ہو گیا ہے۔ تم اس طرح ری ایکٹ کر رہے ہو جیسے میں نے اپنے پورے فلیٹ میں اس جانور کو پالا ہوا ہے اور رات دن ان ہی کے ساتھ رہتا ہوں۔" سالار ناراض سا ہو گیا۔

"چلو باہر چلتے ہیں۔" سعد نے اس کی ناراضی کو ختم کرنے کے لئے کہا۔

"باہر چل کر کچھ کھائیں گے تو میں بل پے نہیں کروں گا۔ تم کرو گے۔" سالار نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں کر دوں گا، نو پرابلم۔ تم چلو۔" سعد نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اور اگلی دفعہ تم میرے اپارٹمنٹ پر آتے ہوئے گھر سے کچھ کھانے کے لئے لے کر آنا۔" سالار نے قدرے طنزیہ لہجے میں اس سے کہا۔

"اچھا لے آؤں گا۔" سعد نے کہا۔

☆ ☆ ☆

وہ اس ویک اینڈ پر جھیل کے کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی طرح بہت سے لوگ وہاں پھر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر ادھر اُدھر پھرنے کے بعد ایک بینچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ بہت لاپروائی سے ایک آئس کریم اسٹک کھاتے ہوئے وہ ادھر اُدھر نظریں دوڑانے میں مصروف تھا جب اس کی توجہ تین سال کے ایک بچے نے اپنی طرف مبذول کر لی۔ وہ بچہ ایک فٹ بال کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر سیاہ حجاب اوڑھے ایک لڑکی کھڑی تھی جو مسکراتے ہوئے اس بچے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ وہاں موجود بہت سے ایشین میں سے ایک تھی مگر حجاب میں ملبوس واحد لڑکی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر اسے دیکھنے لگا۔ وہ بچہ فٹ بال کو پاؤں سے ٹھوکر لگاتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کی بینچ کی طرف آ گیا تھا۔ ایک اور ٹھوکر نے بال کو سیدھا سالار کی طرف بھیج دیا۔ کسی غیر ارادی عمل کے تحت سالار نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے اپنے دائیں پاؤں میں پہنے ہوئے جاگر کی مدد سے اس بال کو روکا اور پھر پاؤں ہٹایا نہیں بلکہ اسی طرح فٹ بال پر ٹکا رکھا مگر اس بار اس کی نظر اس لڑکی کے بجائے اس بچے پر تھی جو تیز رفتاری سے بال کے پیچھے اس کی طرف آ رہا تھا۔

اس کے بالکل پاس آنے کے بجائے وہ کچھ دور رک گیا۔ شاید وہ توقع کر رہا تھا کہ سالار بال کو اس کی طرف لڑھکا دے گا مگر سالار اسی طرح فٹ بال پر ایک پاؤں رکھے بائیں ہاتھ سے آئس کریم کھاتے ہوئے دور کھڑی اس لڑکی کو دیکھتا رہا۔ شاید اسے توقع تھی کہ اب وہ قریب آئے گی۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ کچھ دیر تک اسے بال نہ چھوڑتے دیکھ کر وہ لڑکی کچھ حیرانی سے آگے اس کی طرف آئی تھی۔

"یہ فٹ بال چھوڑ دیں۔"

اس نے قریب آ کر بڑی شائستگی سے کہا۔ سالار چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے فٹ بال سے اپنا پاؤں اٹھایا اور وہیں بیٹھے بیٹھے فٹ بال کو ایک زوردار کک لگائی۔

فٹ بال اڑتے ہوئے بہت دور جا گری۔ کک لگانے کے بعد اس نے اطمینان سے اس لڑکی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ اب سرخ ہو رہا تھا جبکہ وہ بچہ ایک بار پھر اس فٹ بال کی طرف بھاگتا جا رہا تھا جو اب کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لڑکی نے زیرِ لب اس سے کچھ کہا اور پھر واپس مڑ گئی۔ سالار اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کو سن یا سمجھ نہیں سکا مگر اس کے سرخ چہرے اور تاثرات سے وہ یہ اندازہ بخوبی لگا سکتا تھا کہ وہ کوئی خوشگوار الفاظ نہیں تھے۔ اسے اپنی حرکت پر شرمندگی بھی ہوئی مگر جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی، وہ لڑکی امامہ سے مشابہت رکھتی تھی۔

وہ لمبے سے سیاہ کوٹ میں سیاہ حجاب اوڑھے ہوئے تھی۔ دراز قد اور بہت دُبلی پتلی تھی۔ بالکل امامہ کی طرح۔ اس کی سفید رنگت اور سیاہ آنکھیں بھی اسے امامہ جیسی ہی محسوس ہوئی تھیں۔ امامہ بہت لمبی چوڑی چادر میں خود کو چھپائے رکھتی تھی۔ وہ حجاب نہیں لیتی تھی مگر اس کے باوجود اس وقت اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے اسے اس کا خیال آیا تھا اور لاشعوری طور پر اس نے وہ نہیں کیا جو وہ لڑکی چاہتی تھی۔ شاید اسے کسی حد تک یہ تسکین ہوئی تھی کہ اس نے امامہ کی بات نہیں مانی مگر ...... وہ امامہ نہیں تھی۔

"آخر کیا ہو رہا ہے مجھے، اس طرح تو ......" اس نے حیران ہوتے ہوئے سوچا۔ وہ جیب میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ سگریٹ کے کش لیتے ہوئے وہ ایک بار پھر اسی لڑکی کو دیکھنے لگا جو اپنے بچے کو فٹ بال کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ سالار اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے علاوہ ہر شے سے بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس رات وہ کافی دیر تک امامہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے اور جلال انصر کے بارے میں اسے یقین تھا اب تک وہ دونوں شادی کر چکے ہوں گے، کیونکہ اپنا نکاح نامہ سدرہ سے حاصل کرنے کے بعد وہ یہ جان چکی ہو گی کہ طلاق کا حق پہلے ہی اس کے پاس تھا۔ اسے اس سلسلے میں سالار کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ جلال انصر اس کے کہنے پر بھی امامہ سے شادی پر تیار نہیں ہوا تھا اسے پھر بھی نہ جانے کیوں یہ یقین تھا کہ جلال انصر ایک بار امامہ کے اپنے پاس پہنچ جانے پر اسے انکار نہیں کر سکا ہو گا۔ اس کی منت سماجت پر وہ مان گیا ہو گا۔

امامہ اس کے مقابلے میں بہت خوب صورت تھی اور امامہ کا خاندان ملک کے طاقت ور ترین خاندانوں میں سے ایک تھا۔ کوئی احمق ہی ہو گا جو جلال انصر جیسی حیثیت رکھتے ہوئے امامہ کو سونے کی چڑیا نہ سمجھتا ہو یا پھر ہو سکتا ہے وہ واقعی امامہ کی محبت میں مبتلا ہو جو بھی تھا اسے یقین تھا کہ وہ دونوں شادی کر چکے ہوں گے اور پتا نہیں کس طرح ہاشم مبین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر چھپنے میں کامیاب ہوئے ہوں گے یا یہ بھی ممکن ہے کہ ہاشم مبین نے اب تک انہیں ڈھونڈ نکالا ہو۔

"مجھے پتا تو کرنا چاہئے اس بارے میں۔" اس نے سوچا اور پھر اگلے ہی لمحے خود کو جھڑکا۔ "فارگوڈ سیک سالار! دفع کرو اسے، جانے دو، کیوں خوامخواہ اس کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ یہ جان کر آخر کیا مل جائے گا کہ ہاشم مبین اس تک پہنچے ہیں یا نہیں۔" اس نے بے اختیار خود کو جھڑکا مگر اس کا تجسس ختم نہیں ہوا۔

"واقعی میں نے یہاں آنے کے بعد یہ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ ہاشم مبین اب تک اس تک پہنچے ہیں یا نہیں۔" اسے حیرانی ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میرا نام وینس ایڈورڈ ہے۔"

وہ لڑکی اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے ہوئے تھی۔ وہ اس وقت لائبریری کی بک شیلف سے ایک کتاب ڈھونڈ رہا تھا، جب وہ اس کے قریب آئی تھی۔

"سالار سکندر!" اس نے وینس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

"میں جانتی ہوں، تمہیں تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔"

وینس نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔ سالار نے اس سے یہ نہیں کہا کہ اسے بھی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی کلاس کے پچاس کے پچاس لوگوں کو ان کے نام سے جانتا اور پہچانتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ان کا بریف بائیو ڈیٹا بھی بغیر اٹکے کسی غلطی کے بتا سکتا تھا۔ جیسے وہ اس وقت وینس کو یہ بتا کر حیران کر سکتا تھا کہ وہ نیوجرسی سے آئی تھی۔ وہاں وہ ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں کام کرتی رہی تھی۔ اس کے پاس مارکیٹنگ میں ایک ڈگری تھی اور وہ اب دوسری ڈگری کے لئے وہاں آئی تھی اور وہ اس سے کم از کم چھ سات سال بڑی تھی۔ اگرچہ اپنے قد و قامت سے سالار اس سے بہت بڑا لگتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت اپنے بیچ میں سب سے کم عمر تھا۔ اپنے بیچ میں صرف وہی تھا جو کسی قسم کی جاب کئے بغیر سیدھا ایم بی اے کے لئے آیا تھا۔ باقی سب کے پاس کہیں نہ کہیں کچھ سال کام کرنے کا تجربہ تھا مگر اس وقت وینس کو یہ سب کچھ بتانا اسے خوش فہمی کا شکار کرنے کے مترادف تھا۔

"اگر میں آپ کو کافی کی دعوت دوں تو؟" وینس نے اپنا تعارف کروانے کے بعد کہا۔

"تو میں اسے قبول کر لوں گا۔"

وہ اس کی بات پر ہنسی۔ "تو پھر چلتے ہیں، کافی پیتے ہیں۔" سالار نے کندھے اچکائے اور کتاب کو دوبارہ شیلف میں رکھ دیا۔

کیفے ٹیریا میں بیٹھ کر وہ دونوں تقریباً آدھ گھنٹہ تک ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ یہ وینس کے ساتھ اس کی شناسائی کا آغاز تھا۔ سالار کے لئے کسی لڑکی کے ساتھ تعلقات بڑھانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ یہ کام بہت آسانی سے کر لیا کرتا تھا۔ اس بار مزید آسانی یہ تھی کہ پہل وینس کی طرف سے ہوئی تھی۔

تین چار ملاقاتوں کے بعد اس نے ایک رات وینس کو اپنے فلیٹ پر رات گزارنے کے لئے انوائٹ کر لیا تھا اور وینس نے کسی تامل کے بغیر اس کی دعوت قبول کر لی۔ وہ دونوں یونیورسٹی کے بعد اکٹھے بہت سی جگہوں پر پھرتے رہے۔ سالار کے فلیٹ پر ان کی واپسی لیٹ نائٹ ہوئی تھی۔

وہ کچن میں اپنے اور اس کے لئے گلاس تیار کرنے لگ گیا۔ وینس بے تکلفی سے ادھر سے ادھر پھرتے ہوئے اس کے اپارٹمنٹ کا جائزہ لے رہی تھی پھر وہ اس کے قریب آ کر کاؤنٹر کے سامنے کھڑی

ہو گئی۔ "بہت اچھا اپارٹمنٹ ہے تمہارا۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم اکیلے رہتے ہو تو اپارٹمنٹ کا حلیہ خاصا خراب ہوگا مگر تم نے تو ہر چیز بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی ہے۔ تم ایسے ہی رہتے ہو یا یہ اہتمام خاص میرے لئے کیا گیا ہے۔"

سالار نے ایک گلاس اس کے آگے رکھ دیا۔ "میں ایسے ہی رہتا ہوں، قرینے اور طریقے سے۔"

اس نے گھونٹ بھرا اور گلاس دوبارہ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے وہ وینس کے قریب چلا آیا اس نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ وینس مسکرا دی۔ سالار نے اسے اپنے کچھ اور قریب کیا اور پھر یک دم ساکت ہو گیا۔ اس کی نظریں وینس کی گردن کی زنجیر میں جھولتے اس موتی پر پڑی تھیں، جسے آج اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ سردی کے موسم کی وجہ سے وینس بھاری بھرکم سویٹرز اور جیکٹس پہنا کرتی تھی۔ اس نے ایک دو بار اس کے کھلے کالر سے نظر آنے والی اس زنجیر کو دیکھا تھا مگر اس زنجیر میں ٹکا ہوا وہ موتی آج پہلی بار اس کی نظروں میں آیا تھا کیونکہ آج پہلی بار وینس ایک گہرے گلے کی شرٹ میں ملبوس تھی۔ وہ اس شرٹ کے اوپر ایک سویٹر پہنے ہوئے تھی، جسے اس نے سالار کے اپارٹمنٹ میں آکر اتار دیا تھا۔

اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ ایک جھماکے کے ساتھ وہ موتی اسے کہیں اور   کہیں بہت پیچھے   کسی اور کے پاس لے گیا تھا   مسح کرتے ہاتھ اور انگلیاں   ہاتھ اور کلائی   کلائی سے کہنی تک کا سفر کرتی انگلیاں   آنکھوں سے پیشانی   پیشانی سے سفید چادر کے نیچے سیاہ بالوں پر پھسلتے ہوئے ہاتھ

امامہ کی گردن کے گرد موجود زنجیر تنگ تھی۔ اس میں لٹکنے والا موتی اس کی ہنسلی کی ہڈی کے بالکل ساتھ جھولتا تھا۔ زنجیر تھوڑی سی بھی لمبی ہوتی تو وہ اسے دیکھ نہ پاتا۔ اس رات وہ بہت تنگ گلے کی شرٹ اور سویٹر میں ملبوس تھی۔ اس موتی کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لئے مفلوج ہو گیا۔

وہ اسے کس وقت یاد آئی تھی۔ اس نے موتی سے نظریں چرانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی رات خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے وینس کو دیکھ کر دوبارہ مسکرانے کی کوشش کی۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے تمہاری آنکھیں بہت خوب صورت لگتی ہیں۔"

"مجھے تمہاری آنکھوں سے گھن آتی ہے۔"

کسی آواز نے اسے ایک چابک مارا اور اس کے چہرے کی مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی۔ وینس کے وجود سے اپنے بازو ہٹاتے ہوئے وہ چند قدم پیچھے مڑا اور کاؤنٹر پر پڑا ہوا گلاس اٹھا لیا۔ وینس ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ چند قدم آگے بڑھ آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کچھ تشویش سے پوچھا۔

سالار نے کچھ کہے بغیر ایک ہی سانس میں گلاس خالی کیا۔ وینس اس کے جواب نہ دینے پر اب کچھ الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

وینس میں اس کی دلچسپی ختم ہونے میں صرف چند منٹ لگے تھے۔ وہ نہیں جانتا اسے کیوں اس کے وجود سے الجھن ہونے لگی تھی۔ وہ پچھلے دو گھنٹے ایک نائٹ کلب میں اس کے ساتھ ڈانس کرتا رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ بے حد خوش تھا اور اب چند منٹوں میں   "

سالار نے اپنے کندھے جھٹکے اور سنک کی طرف چلا گیا۔ وہ اپنا گلاس دھونے لگا۔ وینس دوسرا گلاس لے کر اس کے پاس چلی آئی۔ سالار نے اس سے گلاس لے لیا۔ وہ اپنے سینے پر دونوں بازو لپیٹے اس کے بالکل پاس کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ سالار کو اس کی نظروں سے جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔

"میں   میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

گلاس کو شیلف پر رکھتے ہوئے اس نے وینس سے کہا۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ بالواسطہ طور پر اسے وہاں سے جانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وینس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ سالار کا رویہ بے حد توہین آمیز تھا۔ وہ چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر تیزی کے ساتھ اپنا سویٹر اور بیگ اٹھا کر اپارٹمنٹ کا دروازہ دھماکے سے بند کر کے باہر نکل گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

وینس اور امامہ میں کہیں کسی قسم کی کوئی مشابہت نہیں تھی۔ دونوں کی گردنوں میں موجود موتی بھی بالکل ایک جیسا نہیں تھا اس کے باوجود اس وقت اس کی گردن اور گردن میں جھولتے اس موتی کو دیکھ کر اسے بے اختیار وہ یاد آئی تھی۔ کیوں   ؟ اب پھر کیوں   ؟ آخر اس وقت کیوں   ؟ وہ بے حد مشتعل ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی رات خراب ہو گئی تھی، اس نے سینٹر ٹیبل پر پڑا ہوا ایک کرسٹل کا گلدان اٹھایا اور پوری قوت سے اسے دیوار پر دے مارا۔

ویک اینڈ کے بعد وینس سے اس کی دوبارہ ملاقات ہوئی، لیکن وہ اس سے بڑے روکھے اور اکھڑے ہوئے انداز میں ملا۔ یہ اس سے تعلقات شروع کرنے سے پہلے ہی ختم کرنے کا واحد راستہ تھا۔ اسے ہر اس عورت سے جھنجلاہٹ ہوتی تھی جو اسے کسی بھی طرح سے امامہ کی یاد دلاتی اور وینس ان عورتوں میں شامل ہو گئی تھی۔ وینس جو اس کی طرف سے کسی معذرت اور اگلی دعوت کا انتظار کر رہی تھی وہ اس کے اس رویے سے بری طرح دلبرداشتہ ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں یہ اس کا پہلا افیئر تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے چند ماہ وہ پڑھائی میں بے حد مصروف رہا، اتنا مصروف کہ امامہ کو یاد رکھنے اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کو کل پر ٹالتا رہا اور شاید یہ سلسلہ ابھی چلتا رہتا اگر اس شام اچانک کی ملاقات جلال انصر سے نہ ہو جاتی۔

وہ ویک اینڈ پر بوسٹن گیا ہوا تھا جہاں اس کے چچا رہتے تھے وہ وہاں اپنے ایک کزن کی شادی اٹینڈ کرنے آیا تھا۔

اس شام سالار اپنے کزن کے ہمراہ تھا جو ایک ریسٹورنٹ چلا رہا تھا۔ وہ وہاں کھانا کھانے آیا ہوا تھا۔ اس کا کزن آرڈر دینے کے بعد کسی کام سے اٹھ کر گیا تھا۔ سالار کھانے کا انتظار کر رہا تھا جب کسی نے اس کا نام لے کر پکارا۔

"ہیلو ......!" سالار نے بے اختیار مڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ سالار ہیں؟" اس آدمی نے پوچھا۔

وہ جلال انصر تھا۔ اسے پہچاننے میں لمحہ بھر کے لئے دقت اس لئے ہوئی تھی کیونکہ اس کے چہرے سے اب داڑھی غائب تھی۔

سالار نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔ ایک سال پہلے کا ایپی سوڈ ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے جلال کو رسماً کھانے کی دعوت دی۔

"نہیں مجھے ذرا جلدی ہے۔ بس آپ پر اتفاقاً نظر پڑ گئی تو آ گیا۔" جلال نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"امامہ کیسی ہے؟" جلال نے بات کرتے کرتے اچانک کہا۔ سالار کو لگا وہ اس کا سوال ٹھیک سے سن نہیں سکا۔

"سوری ......" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں استفسار کیا۔ جلال نے اپنا سوال دہرایا۔

"میں امامہ کا پوچھ رہا تھا۔ وہ کیسی ہے؟"

سالار پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ امامہ کے بارے میں اس سے کیوں پوچھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا یہ تو آپ کو پتا ہونا چاہئے۔" اس نے کچھ الجھے ہوئے انداز میں کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

اس بار جلال حیران ہوا۔ "مجھے کس لئے؟"

"کیونکہ وہ آپ کی بیوی ہے۔"

"میری بیوی؟" جلال کو جیسے کرنٹ لگا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری بیوی کیسے ہو سکتی ہے وہ۔ میں نے اس سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایک سال پہلے آپ ہی تو آئے تھے اس سلسلے میں مجھ سے بات کرنے کے لئے۔" جلال نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا۔ "میں نے تو آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ خود اس سے شادی کر لیں۔"

سالار بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔

"میں تو یہ سوچ کر آپ کے پاس آیا تھا کہ شاید آپ نے اس سے شادی کر لی ہو گی۔" وہ اب وضاحت کر رہا تھا۔

"آپ نے اس سے شادی نہیں کی؟" سالار نے پوچھا۔

"نہیں ...... آپ سے تو ساری بات ہوئی تھی میں نے انکار کر دیا پھر اس سے میری شادی کیسے ہو سکتی تھی؟ پھر میں نے سنا کہ وہ گھر سے کہیں چلی گئی۔ میں نے سوچا آپ کے ساتھ کہیں چلی گئی ہو گی۔ اسی لئے تو آپ کو دیکھ کر آپ کی طرف آیا تھا۔"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ میں تو پچھلے سات آٹھ ماہ سے یہیں ہوں۔" سالار نے کہا۔

"اور مجھے یہاں آئے دو ماہ ہوئے ہیں۔" جلال نے بتایا۔

"مجھ سے ملاقات کے بعد کیا اس نے دوبارہ آپ سے رابطہ یا ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی؟" سالار نے کچھ الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"نہیں ......" وہ مجھ سے نہیں ملی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لاہور جا کر اس نے آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔" سالار کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

"مجھ سے رابطہ کرنے سے کیا ہوتا؟"

"آپ کے لئے وہ گھر سے نکلی تھی۔ اسے آپ کے پاس جانا چاہئے تھا۔"

"نہیں ...... وہ میرے لئے گھر سے نہیں نکلی تھی۔ آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ پھر آپ یہ مت کہیں کہ وہ میرے لئے گھر سے نکلی تھی۔" جلال کے لہجے میں اچانک کچھ تبدیلی آ گئی۔ "ساری بات آپ ہی سے تو ہوئی تھی۔"

"کیا آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں کہ وہ دوبارہ آپ کے پاس نہیں گئی؟"

"میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ ہوتی تو میں آپ کے پاس اس کے بارے میں پوچھنے کیوں آتا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" جلال کے لہجے میں اب بے نیازی تھی۔

"آپ مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے سکتے ہیں؟" سالار نے کہا۔

"نہیں ...... میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو مجھ سے اور مجھے آپ سے دوبارہ رابطے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" جلال نے بڑی صاف گوئی سے کہا اور واپس مڑ گیا۔

سالار کچھ الجھے ہوئے انداز میں اس کی پشت پر نظریں جمائے رہا۔ یہ ناقابل یقین بات تھی کہ وہ جلال سے نہیں ملی۔ کیوں ...... ؟ کیا اس نے میری اس بات پر واقعی یقین کر لیا تھا کہ جلال نے شادی کر لی

بے غور کیے بغیر کہا۔

"کیا وہ تمہیں فون کیا کرتی تھی؟"

وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "گھر سے چلے جانے کے بعد اس نے صرف ایک بار فون کیا تھا پھر میں یہاں آ گیا۔ ہو سکتا ہے اس نے دوبارہ بھی فون کیا ہو جس کے بارے میں آپ مجھے نہیں بتا رہے۔"

"اس نے تمہیں فون نہیں کیا۔ اگر کرتی تو میں تمہاری اور اس کی شادی کے بارے میں بہت سے معاملات کو ختم کر دیتا۔ میں تمہاری طرف سے اسے طلاق دے دیتا۔"

"یہ سب آپ کیسے کر سکتے ہیں۔"

سالار نے بہت پرسکون انداز میں کہا۔

"یہاں تمہیں بھجوانے سے پہلے میں نے ایک پیپر پر تمہارے signatures لیے تھے، میں طلاق نامہ تیار کروا چکا ہوں۔" سکندر نے جتاتے ہوئے کہا۔

"fake document (جعلی ڈاکومنٹ)۔" سالار نے اسی انداز میں تبصرہ کیا۔ "میں تو نہیں جانتا تھا کہ آپ طلاق نامہ تیار کروانے کے لیے مجھ سے سائن کروا رہے ہیں۔"

"تم پھر اس مصیبت کو میرے سر پر لانا چاہتے ہو؟" سکندر کو ایک دم غصہ آ گیا۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کے ساتھ رشتہ کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو صرف یہ بتا رہا ہوں کہ آپ میری طرف سے یہ رشتہ ختم نہیں کر سکتے۔ یہ میرا معاملہ ہے میں خود ہی اسے ختم کروں گا۔"

"تم صرف یہ شکر کرو کہ تم اس وقت یہاں اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو، ورنہ تم نے جس خاندان کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا وہ خاندان قبر تک بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑتا اور یہ بھی ممکن ہے وہ یہاں بھی تمہاری نگرانی کروا رہے ہوں۔ یہ انتظار کر رہے ہوں کہ تم مطمئن ہو کر دوبارہ امامہ کے ساتھ رابطہ کرو اور وہ تم دونوں کے لیے ایک کنواں تیار کر لیں۔"

"آپ مجھے خواہ مخواہ خوفزدہ کر رہے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں یہ ماننے پر تیار نہیں ہوں کہ یہاں امریکہ میں کوئی میری نگرانی کر رہا ہو گا اور وہ بھی اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد اور دوسری بات یہ کہ میں امامہ کے ساتھ تو کوئی رابطہ نہیں کر رہا کیونکہ میں واقعی نہیں جانتا وہ کہاں ہے۔ پھر رابطے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو پھر تمہیں اس کے بارے میں اس قدر کانشس ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جہاں ہے جیسی ہے رہنے دو اسے۔" سکندر کو کچھ اطمینان ہوا۔

"آپ میرے موبائل کے بل چیک کریں۔ وہ موبائل اس کے پاس ہے۔ ہو سکتا ہے پہلے نہیں تو اب وہ اس سے کالز کرتی ہو۔"

"وہ اس سے کالز نہیں کرتی۔ موبائل مستقل طور پر بند ہے۔ جو چند کالز اس نے کی تھیں وہ سب میڈیکل کالج میں ساتھ پڑھنے والی لڑکیوں کو کی تھیں اور پولیس پہلے ہی انہیں انویسٹی گیٹ کر چکی ہے۔ لاہور میں وہ ایک لڑکی کے گھر گئی تھی مگر وہ لڑکی پشاور میں تھی اور اس کے واپس آنے سے پہلے ہی وہ اس کے گھر سے چلی گئی، کہاں گئی، یہ پولیس کو پتا نہیں چل سکا۔"

سالار چبھتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "آپ کو حسن نے میرے اور اس کے بارے میں بتایا تھا؟"

سکندر کچھ بول نہیں سکے۔ موبائل کے امامہ کے پاس ہونے کے بارے میں صرف حسن ہی جانتا تھا۔ کم از کم یہ ایسی بات تھی جو سکندر عثمان صرف اس کے کمرے کی تلاشی لے کر نہیں جان سکتے تھے۔ اسے ان سے بات کرتے ہوئے پہلی بار اچانک حسن پر شبہ ہوا تھا کیونکہ سکندر عثمان کو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا پتا تھا جو صرف اسے پتا تھیں یا پھر حسن کو کوئی تیسرا ان سے واقف نہیں تھا۔ اس نے سکندر عثمان کو کچھ نہیں بتایا تھا تو یقینی طور پر یہ حسن ہی ہو سکتا تھا جس نے انہیں ساری تفصیلات سے آگاہ کیا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ مجھے حسن نے بتایا ہے یا کسی اور نے یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ اس بات کے بارے میں مجھے پتا نہ چلتا۔ یہ صرف میری حماقت تھی کہ میں نے ہاشم مبین کے الزامات کو سنجیدگی سے نہیں لیا اور تمہارے جھوٹ پر یقین کر لیا۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا، وہ صرف ماتھے پر تیوریاں لیے انہیں دیکھتا اور ان کی بات سنتا رہا۔ "اب جب میں نے تمہیں اس سارے معاملے سے بچا لیا ہے تو تمہیں دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے جس سے "

سکندر عثمان نے قدرے نرم لہجے میں کہنا شروع کیا مگر اس سے پہلے کہ ان کی بات مکمل ہوتی سالار ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆……☆

سکندر عثمان کے ساتھ ہونے والی اس گفتگو کے بعد وہ ساری رات اس تمام معاملے کے بارے میں سوچتا رہا۔ پہلی بار اسے ہلکا سا افسوس اور پچھتاوا ہوا تھا۔ اسے امامہ ہاشم کو اس کے کہنے پر فوراً طلاق دے دینی چاہیے تھی پھر شاید وہ جلال کے پاس چلی جاتی اور وہ دونوں شادی کر لیتے۔ امامہ کے لیے بے حد ناپسندیدگی رکھنے کے باوجود اس نے پہلی بار اپنی غلطی تسلیم کی۔

"اس نے دوبارہ مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ وہ طلاق لینے کے لیے کورٹ نہیں گئی۔ اس کے خاندان والے بھی ابھی تک اسے ڈھونڈ نہیں سکے۔ وہ جلال انصر کے پاس بھی نہیں گئی تو پھر آخر وہ گئی کہاں۔ کیا اس کے ساتھ کوئی حادثہ ؟"

ہے؟ سالار کو اپنا جھوٹ یاد آیا مگر یہ کیسے ممکن ہے وہ مزید الجھا میری بات پر اسے یقین کیسے آ سکتا ہے جبکہ وہ کہہ بھی رہی تھی کہ اسے میری بات پر یقین نہیں ہے۔

وہ کرسی کھینچ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

اور اگر جلال کے پاس نہیں گئی تو پھر وہ کہاں گئی۔ کیا کسی اور شخص کے پاس؟ جس سے اس نے مجھے بے خبر رکھا، مگر یہ ممکن نہیں ہے اگر کوئی اور ہوتا تو وہ مجھے اس سے بھی رابطہ کرنے کے لئے کہتی۔ اگر وہ فوری طور پر جلال کے پاس نہیں بھی گئی تھی تو سکندر سے نکاح نامہ لینے اور طلاق کے حق کے بارے میں جاننے کے بعد اسے اسی کے پاس جانا چاہئے تھا، وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے جلال کی اس فرضی شادی کے بارے میں اسے کیوں بتایا۔ شاید وہ اسے پریشان کرنا چاہتا تھا یا پھر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اب کیا کرے گی یا پھر شاید وہ بار بار اس کے اس مطالبے سے تنگ آگیا تھا کہ وہ پھر جلال کے پاس جائے، پھر جلال سے رابطہ کرے، وہ ایسا کرنے کی وجہ نہیں جانتا تھا، جو بھی تھا بہرحال اسے یقین تھا امامہ جلال کے پاس جائے گی۔

مگر سالار کو اب پتہ چلا تھا کہ اس کی توقع یا اندازے کے برعکس وہ وہاں گئی ہی نہیں۔

ویٹر اب کھانا سرو کر رہا تھا۔ اس کا کزن آچکا تھا، وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کھانا کھاتے رہے مگر سالار کھانا کھاتے اور باتیں کرتے ہوئے بھی مسلسل امامہ اور جلال کے بارے میں سوچتا رہا۔ کئی ماہ بعد یک دم وہ اس کے ذہن میں پھر تازہ ہوگئی تھی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دوبارہ اپنے گھر واپس چلی گئی ہو؟" کھانا کھاتے کھاتے اسے اچانک خیال آیا۔

"ہاں یہ ممکن ہے" اس کا ذہن متواتر ایک ہی جگہ اٹکا ہوا تھا۔ "مجھے پاپا سے بات کرنی چاہئے۔ انہیں یقیناً اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ پتا ہوگا۔" سکندر عثمان بھی ان دنوں شادی میں شرکت کی غرض سے وہیں تھے۔

واپس گھر آنے کے بعد رات کے قریب جب اس نے سکندر کو تنہا دیکھا تو اس نے ان سے امامہ کے بارے میں پوچھا۔

"پاپا! کیا امامہ واپس اپنے گھر آگئی ہے؟" اس نے کسی تمہید کے بغیر سوال کیا۔

اور اس کے سوال نے کچھ دیر کے لئے سکندر کو خاموش رکھا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" چند لمحوں کے بعد انہوں نے درشتی سے کہا۔

"بس ایسے ہی۔"

"اس کے بارے میں اتنا غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی اسٹڈیز پر اپنا دھیان رکھو تو بہتر ہے۔"

"پاپا پلیز! آپ میرے سوال کا جواب دیں۔"

"کیوں جواب دوں تمہارا اس کے ساتھ تعلق کیا ہے؟" سکندر کی ناراضی میں اضافہ ہو گیا۔

"پاپا اس کا ایک بوائے فرینڈ مجھے آج ملا ہے یہاں، وہی جس کے ساتھ وہ شادی کرنا چاہتی تھی۔"

"تو پھر ؟"

"تو پھر یہ کہ ان دونوں نے شادی نہیں کی۔ وہ بتا رہا تھا کہ امامہ اس کے پاس گئی ہی نہیں۔ جب کہ میں سمجھ رہا تھا کہ لاہور جانے کے بعد وہ اسی کے پاس گئی ہوگی۔"

سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ اس کے پاس گئی یا نہیں۔ اس نے اس سے شادی کی یا نہیں۔ یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ نہ ہی تمہیں اس میں انوالو ہونے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے مگر میں جاننا چاہتا ہوں کیا امامہ آپ کے پاس آئی تھی؟ آپ نے اسے شادی کے پیپرز کیسے بھجوائے تھے۔ میرا مطلب کس کے ذریعے۔" سالار نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا کہ اس نے مجھ سے رابطہ کیا تھا؟"

وہ ان کے سوال پر حیران ہوا۔ "میں نے خود اندازہ لگایا۔"

"اس نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا، وہ رابطہ کرتی تو میں ہاشم مبین کو اس کے بارے میں بتا دیتا۔"

سالار ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔ "میں نے تمہارے کمرے کی تلاشی لی تھی اور میرے ہاتھ وہ نکاح نامہ لگ گیا۔"

"مجھے یہاں بھجواتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ آپ وہ پیپرز امامہ تک بھجوا دیں گے۔"

"ہاں یہ اس صورت میں ہوتا اگر وہ مجھ سے رابطہ کرتی مگر اس نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ تمہیں یہ یقین کیوں ہے کہ اس نے مجھ سے ضرور رابطہ کیا ہوگا۔" اس بار سکندر نے سوال کر ڈالا۔

سالار کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے پوچھا۔

"پولیس کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا؟"

"نہیں، پولیس کو پتا چلتا تو اب تک وہ ہاشم مبین کے گھر واپس آچکی ہوتی مگر پولیس ابھی بھی اس کی تلاش میں ہے۔" سکندر نے کہا۔

"ایک بات تو طے ہے سالار کہ اب تم دوبارہ امامہ کے بارے میں کوئی تماشا نہیں کرو گے۔ وہ جہاں ہے جس حال میں ہے تمہیں اپنا دماغ تھکانے کی ضرورت نہیں، تمہارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ پولیس جیسے ہی اسے ڈھونڈے گی میں وہ پیپرز ہاشم مبین تک پہنچا دوں گا، تاکہ تمہاری جان ہمیشہ کے لئے اس سے چھوٹ جائے۔"

"پاپا! کیا اس نے واقعی کبھی کوئی فون نہیں کیا مجھ سے بات کرنے کے لئے۔" سالار نے ان کی بات

وہ پہلی بار بہت سنجیدگی سے، کسی ناراضی یا غصے کے بغیر اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ مجھ سے اتنی شدید نفرت اور ناپسندیدگی رکھنے کے بعد میری بیوی کے طور پر کہیں خاموشی کی زندگی گزار رہی ہو، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ امامہ کسی کے ساتھ بھی دوبارہ رابطہ نہیں کر رہی۔ اب تک جب ایک سال سے زیادہ گزر گیا ہے کیا وہ واقعی حادثے کا شکار ہو گئی ہے؟ کیا حادثہ پیش آ سکتا ہے اسے؟"

اس کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کی ذہنی رو ایک بار پھر بھٹکنے لگی۔

"اگر کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے تو میں کیا کروں   وہ اپنے رسک پر گھر سے نکلی تھی اور حادثہ تو کسی کو کسی بھی وقت پیش آ سکتا ہے پھر مجھے اس کے بارے میں اتنا فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پاپا ٹھیک کہتے ہیں جب میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر مجھے اس کے بارے میں اتنا تجسس بھی نہیں رکھنا چاہئے۔ خاص طور پر ایک ایسی لڑکی کے بارے میں جو اس حد تک احسان فراموش ہو جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتی ہو اور جو مجھے اتنا گھٹیا سمجھتی ہو اس کے ساتھ جو بھی ہوا ہو گا ٹھیک ہی ہوا ہو گا وہ اسی قابل تھی۔"

اس نے اس کے بارے میں ہر خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔

کچھ دیر پہلے کی تاسف آمیز سنجیدگی وہ اب محسوس نہیں کر رہا تھا نہ ہی اسے اب کسی قسم کے پچھتاوے کا احساس تھا۔ وہ ویسے بھی چھوٹی موٹی باتوں پر پچھتانے کا عادی نہیں تھا۔ اس نے سکون کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں اس کے ذہن میں اب دور دور تک کہیں امامہ ہاشم کا تصور موجود نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"کبھی Vandame گئے ہو؟" اس دن یونیورسٹی سے نکلتے ہوئے نائیک نے سالار سے پوچھا۔

"ایک دفعہ۔"

"کیسی جگہ ہے؟" نائیک نے سوال کیا۔

"بری نہیں ہے۔" سالار نے تبصرہ کیا۔

"اس ویک اینڈ پر وہیں چلتے ہیں۔"

"کیوں..... ؟" "میری گرل فرینڈ کو بہت دلچسپی ہے اس جگہ میں   وہ اکثر جاتی ہے۔" نائیک نے کہا۔

"تو تمہیں تو پھر اس کے ساتھ ہی جانا چاہئے۔" سالار نے کہا۔

"نہیں سب لوگ چلتے ہیں، زیادہ مزہ آئے گا۔" نائیک نے کہا۔

"سب لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟" اس بار دانش نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"جتنے دوست بھی ہیں   سب"

"میں، سالار، تم، جیکی اور سعد۔"

"سعد کو رہنے دو   وہ نائٹ کلب کے نام پر کانوں کو ہاتھ لگانے لگے گا پھر ایک لمبا چوڑا وعظ دے گا۔" سالار نے مداخلت کی۔

"تو پھر ٹھیک ہے ہم لوگ ہی چلتے ہیں۔" دانش نے کہا۔

"سینڈرا کو بھی الوامیٹ کر لیتے ہیں۔" سالار نے اپنی گرل فرینڈ کا نام لیا۔

اس ویک اینڈ پر سب وہیں گئے اور تین چار گھنٹوں تک انہوں نے وہاں خوب انجوائے کیا۔ اگلے روز سالار صبح دیر سے اٹھا۔ وہ ابھی لنچ کی تیاری کر رہا تھا جب سعد نے اسے فون کیا۔

"ابھی اٹھے ہو؟" سعد نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"ہاں دس منٹ پہلے۔"

"رات کو دیر تک باہر رہے ہو گے۔ اس لئے..... " سعد نے اندازہ لگایا۔

"ہاں   ہم لوگ باہر گئے ہوئے تھے۔" سالار نے دانستہ طور پر نائٹ کلب کا نام نہیں لیا۔

"ہم لوگ کون   ؟ تم اور سینڈرا؟"

"نہیں پورا گروپ ہی۔" سالار نے کہا۔

"پورا گروپ ..... ؟ مجھے لے کر نہیں گئے۔ میں مر گیا تھا؟" سعد نے چڑ کر کہا۔

"تمہارا خیال ہی نہیں آیا ہمیں۔" سالار نے اطمینان سے کہا۔

"بہت گھٹیا آدمی ہو تم سالار، بہت ہی گھٹیا..... یہ دانش بھی گیا تھا؟"

"ہم سب مائی ڈیئر ہم سب   " سالار نے اسی اطمینان کے ساتھ کہا۔

"مجھے کیوں نہیں لے کر گئے تم لوگ!" سعد کی خفگی میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

"تم ابھی بچے ہو   ہر جگہ بچوں کو لے کر نہیں جا سکتے۔" سالار نے شرارت سے کہا۔

"میں ابھی آ کر تمہاری ٹانگیں توڑتا ہوں، پھر تمہیں اندازہ ہو گا کہ یہ بچہ بڑا ہو گیا ہے۔"

"مذاق نہیں کر رہا یار..... ہم نے تمہیں ساتھ جانے کو اس لئے نہیں کہا کیونکہ تم جاتے ہی نہیں۔"

اس بار سالار واقعی سنجیدہ ہوا۔

"کیوں تم لوگ دوزخ میں جا رہے تھے کہ میں وہاں نہ جاتا۔" سعد کے غصے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"کم از کم تم اسے دوزخ ہی کہتے۔ ہم لوگ نائٹ کلب گئے ہوئے تھے اور تم کو وہاں نہیں جانا تھا۔"

"کیوں مجھے وہاں کیوں نہیں جانا تھا۔" سعد کے جواب نے سالار کو کچھ حیران کیا۔

"تم ساتھ چلتے؟"

"آف کورس   "

"مگر تمہیں وہاں جا کر کیا کرنا تھا...... نہ تم ڈرنک کرتے ہو، نہ تم ڈانس کرتے ہو...... پھر وہاں جا کر تم کیا کرتے...... ہمیں نصیحتیں کرتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے ڈرنک اور ڈانس نہیں کرتا، مگر آؤٹنگ تو ہو جاتی۔ میں انجوائے کرتا۔" سعد نے کہا۔

"مگر ایسی جگہوں پر جانا اسلام میں جائز نہیں ہے؟" سالار نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ سعد چند لمحے کچھ نہیں کہہ سکا۔

"میں وہاں کوئی غلط کام کرنے تو نہیں جا رہا تھا، تم سے کہہ رہا ہوں صرف آؤٹنگ کی غرض سے جاتا۔" چند لمحوں بعد اس نے قدرے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"او کے! اگلی بار ہمارا پروگرام بنے گا تو تمہیں بھی ساتھ لے لیں گے بلکہ مجھے پہلے پتا ہوتا تو کل رات بھی تمہیں ساتھ لے لیتا ہم سب نے واقعی بہت انجوائے کیا۔" سالار نے کہا۔

"چلو اب میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ خیر آج کیا کر رہے ہو؟" سعد اب اس سے معمول کی باتیں کرنے لگا۔ دس پندرہ منٹ تک ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی پھر سالار نے فون بند کر دیا۔

☆......☆ ☆

"تم اس ویک اینڈ پر کیا کر رہے ہو؟" اس دن سعد نے سالار سے پوچھا۔ وہ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں موجود تھے۔

"میں اس ویک اینڈ پر نیو یارک جا رہا ہوں، سینڈرا کے ساتھ۔" سالار نے اپنا پروگرام بتایا۔

"کیوں...... ؟" سعد نے پوچھا۔

"اس کے بھائی کی شادی ہے۔ مجھے انوائٹ کیا ہے اس نے۔"

"واپس کب آؤ گے؟"

"اتوار کی رات کو۔"

"تم ایسا کرو کہ اپنے اپارٹمنٹ کی چابی مجھے دے جاؤ۔ میں دو دن تمہارے اپارٹمنٹ پر گزاروں گا، کچھ اسائنمنٹس ہیں جو مجھے تیار کرنے ہیں اور اس ویک اینڈ پر وہ چاروں ہی گھر ہوں گے۔ وہاں ہڑبونگ ہو گا میں تمہارے اپارٹمنٹ میں اطمینان سے پڑھ لوں گا۔" سعد نے کہا۔

"او کے تم میرے اپارٹمنٹ میں رہ لینا۔" سالار نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

اسے سینڈرا کے ساتھ جمعہ کی رات کو نکلنا تھا۔ سالار کا بیگ اس کی گاڑی کی ڈکی میں تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ سینڈرا کو عین آخری وقت میں چند کام نبٹانے پڑ گئے اور وہ جو سرِ شام نکلنے کا ارادہ کیے بیٹھے تھے ان کا پروگرام ہفتے کی صبح تک ملتوی ہو گیا۔ سینڈرا پے انگ گیسٹ کے طور پر کہیں رہتی تھی اور وہ اس

کے پاس رات نہیں گزار سکتا تھا۔ اسے اپنے اپارٹمنٹ واپس آنا پڑا۔

رات کو تقریباً گیارہ بجے سینڈرا کو اس کی رہائش گاہ پر ڈراپ کرنے کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ چلا آیا۔ اس نے سعد کو ایک چابی دی تھی۔ دوسری چابی اس کے پاس ہی تھی وہ جانتا تھا کہ سعد اس وقت بیٹھا پڑھ رہا ہوگا مگر اس نے اسے ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ اپارٹمنٹ کا بیرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ لونگ روم کی لائٹ آن تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا وہ اپنے بیڈ روم میں جانا چاہتا تھا مگر بیڈ روم کے دروازے پر ہی رُک گیا۔

بیڈ روم کا دروازہ بند تھا مگر اس کے باوجود اندر سے اُبھرنے والے قہقہے اور باتوں کی آوازیں سن سکتا تھا۔ سعد کے ساتھ اندر کوئی عورت تھی۔ وہ جامد ہو گیا۔ اس کے گروپ میں صرف سعد تھا جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ کسی لڑکی کے ساتھ اس کے تعلقات نہیں تھے۔ وہ جتنا مذہبی آدمی تھا اس سے یہ توقع کی ہی نہیں جا سکتی تھی وہ اندر داخل نہیں ہوا۔ قدرے بے یقینی سے واپس مڑ گیا اور تب اس کی نظر لونگ روم کی ٹیبل پر رکھی بوتل اور گلاس پر پڑی، وہاں سے کچن کاؤنٹر جہاں کھانے کے برتن ابھی تک پڑے ہوئے تھے۔ وہ مزید وہاں رُکے بغیر اسی طرح خاموشی سے وہاں سے نکل آیا۔

اس کے لئے یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ سعد وہاں کسی لڑکی کے ساتھ رہنے کے لئے آیا تھا۔ بالکل ناقابلِ یقین...... جو شخص حرام گوشت نہ کھاتا ہو۔ شراب نہ پیتا ہو، پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہو، ہر وقت اسلام کی بات کرتا رہتا ہو، دوسروں کو اسلام کی تبلیغ کرتا ہو، وہ کسی لڑکی کے ساتھ اپارٹمنٹ کے دروازے کو باہر سے بند کرتے ہوئے وہ اسی طرح شاک کے عالم میں تھا بوتل اور گلاس تو یہی ظاہر کر رہے تھے کہ اس نے پی بھی ہو گی اور شاید کھانا وغیرہ بھی کھایا ہو گا۔ اسی فریج اور کچن میں جہاں کا وہ پانی تک پینے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ اسے ہنسی آ رہی تھی، جو اپنے آپ کو جتنا اچھا اور سچا مسلمان ظاہر کرنے یا بننے کی کوشش کرتا دکھائی دیتا ہے وہ اتنا بڑا فراڈ ہوتا ہے۔ ایک یہ شخص تھا جو یوں ظاہر کرتا تھا جیسے پورے امریکہ میں ایک ہی مسلمان ہے اور ایک وہ لڑکی تھی امامہ۔ جو نیٹ جتنی بڑی چادر اوڑھتی تھی اور کردار اس کا یہ تھا کہ ایک لڑکے کے لئے گھر سے بھاگ گئی...... اور بنتے پھرتے ہیں سچے مسلمان۔" نیچے اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھتے ہوئے اس نے کچھ تنفر سے سوچا۔ "منافقت اور جھوٹ کی حد ان پر ختم ہو جاتی ہے۔"

وہ گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔ اس وقت وہ سینڈرا کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے دانش کے پاس جانے کا فیصلہ کیا وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا۔ سالار نے بہانہ بنا دیا کہ وہ بور ہو رہا تھا اس لئے اس نے دانش کے پاس آنے اور رات وہاں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ دانش مطمئن ہو گیا۔

☆......☆—☆

اتوار کی رات کو جب وہ واپس نیو ہیون اپنے اپارٹمنٹ آیا تو سعد وہاں نہیں تھا۔ اس کے فلیٹ میں کہیں بھی ایسے آثار نہیں تھے جس سے یہ پتا چلتا کہ وہاں کوئی عورت آئی تھی، وائن کی وہ بوتل بھی اسے کہیں نہیں ملی۔ وہ زیرِ لب مسکراتا ہوا پورے اپارٹمنٹ کا تفصیلی جائزہ لیتا رہا۔ وہاں موجود ہر چیز ویسے ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ سالار نے اپنا سامان رکھنے کے بعد سعد کو فون کیا۔ کچھ دیر رسمی باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ موضوع پر آگیا۔

"پھر اچھی رہی تمہاری اسٹڈیز اسائنمنٹ بن گئے؟"

"ہاں یار! میں تو دو دن اچھا خاصا پڑھتا رہا۔ اسائنمنٹس تقریباً مکمل کر لی ہیں۔ تم بتاؤ تمہارا ٹرپ کیسا رہا؟" سعد نے جواباً پوچھا۔

"بہت اچھا "

"کتنی دیر میں پہنچ گئے تھے وہاں، رات کو سفر کرتے ہوئے کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی؟"

سعد نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں رات کو سفر نہیں کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ فرائیڈے کی رات کو نہیں سنڈے کی صبح گئے تھے ہم لوگ وہاں۔" سالار نے بتایا۔

"تم پھر سینڈرا کی طرف رہے تھے؟"

"نہیں، دانش کے پاس۔"

"کیوں یہاں آجاتے اپنے اپارٹمنٹ پر۔"

"آیا تھا۔" سالار نے بڑے اطمینان سے کہا۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ سالار دل ہی دل میں ہنسا۔ سعد کے پیروں کے نیچے سے یقیناً اس وقت زمین نکل گئی تھی۔

"آئے تھے ؟ کب ؟" اس بار وہ بے اختیار ہکلایا۔

"گیارہ بجے کے قریب تم اس وقت کسی لڑکی کے ساتھ مصروف تھے۔ میں نے تم لوگوں کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے وہاں سے واپس آگیا۔"

وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سعد پر اس وقت سکتہ طاری ہو چکا ہوگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ سالار اس طرح اس کا بھانڈا پھوڑ دے گا۔

"ویسے تم نے کبھی اپنی گرل فرینڈ سے ملوایا نہیں۔" اس نے مزید کہا۔ سعد کو سانس لینے میں جتنی وقت ہو رہی ہوگی وہ اندازہ کر سکتا تھا۔

"بس ویسے ہی۔ ملوا دوں گا۔" اس نے دوسری طرف سے بے حد مدھم اور معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"مگر تم کسی اور سے اس کا ذکر مت کرنا۔" اس نے ایک ہی سانس میں کہا۔

"میں کیوں ذکر کروں گا، تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

سالار اس کی کیفیت سمجھ سکتا تھا۔ اسے اس وقت سعد پر کچھ ترس بھی آرہا تھا۔

اس رات سعد نے چند منٹوں بعد ہی فون رکھ دیا۔ سالار کو اس کی شرمندگی کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

اس واقعے کے بعد سالار کا خیال تھا کہ سعد دوبارہ کبھی اس کے سامنے اپنی مذہبی عقیدت اور وابستگی کا ذکر نہیں کرے گا مگر اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ سعد میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اب بھی اسی شد و مد سے مذہب پر بات کرتا۔ دوسروں کو ٹوک دیتا۔ نصیحتیں کرتا۔ نماز پڑھنے کی ہدایت دیتا۔ صدقہ، خیرات دینے کے لئے کہتا۔ اللہ سے محبت کے بارے میں گھنٹوں بولنے کے لئے تیار رہتا اور مذہب کے بارے میں بات کر رہا ہوتا تو کسی آیت یا حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آجاتے۔

اس کے گروپ کے لوگوں کے ساتھ اور بہت سے لوگ سعد سے بہت متاثر تھے اور اس کے کردار سے بہت مرعوب اور اللہ سے اس کی محبت پر رشک کا شکار، ایک مثالی مسلم جوانی کی مصروف زندگی میں بھی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ سعد بات کرنا جانتا تھا اس کا اندازِ بیان بے حد متاثر کن تھا۔ اور اس کے شناساؤں میں صرف سالار تھا، جس پر اس کی نصیحت کوئی اثر نہیں کرتی تھی جو اس سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں تھا اور نہ ہی کسی رشک کا شکار جسے سعد کی داڑھی اس کی دین کے لئے استقامت کا یقین دلانے میں کامیاب ہوئی تھی نہ ہی دوسروں کے لئے اس کا ادب و احترام، اس کا نرم اندازِ گفتگو۔

امامہ سے مذہبی لوگوں کے لئے اس کی ناپسندیدگی کا آغاز ہوا تھا۔ جلال نے اسے آگے بڑھایا تھا اور سعد نے اسے انتہا پر پہنچا دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مذہبی لوگوں سے بڑھ کر منافق کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ داڑھی رکھنے والا مرد اور پردہ کرنے والی عورت کسی بھی قسم کی، بلکہ ہر قسم کی برائی کا شکار ہوتے ہیں اور ان لوگوں سے زیادہ جو خود کو مذہبی نہیں کہتے۔

اتفاق سے ملنے والے تینوں لوگوں نے اس یقین کو مستحکم کیا۔ امامہ ہاشم، پردہ کرنے والی لڑکی اور ایک لڑکے کے لئے اپنے منگیتر، اپنے خاندان، اپنے گھر کو چھوڑ کر رات میں فرار ہو جانے والی لڑکی۔

جلال انصر..... داڑھی والا مرد، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار ہو کر نعتیں پڑھنے والا اور ایک لڑکی سے افیئر چلانے والا اور پھر اسے بیچ راستے میں چھوڑ کر ایک طرف ہو جانے والا، پھر

دین الگ، دنیا الگ رکھ کر بات کرنے والا۔ سعد ظفر کے بارے میں اس کی رائے ایک اور واقعہ سے اور خراب ہوئی۔

وہ ایک دن اس کے اپارٹمنٹ پر آیا ہوا تھا۔ سالار اس وقت کمپیوٹر آن کیے اپنا کام کرتے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگا، پھر اسے کچھ چیزیں لانے کے لئے اپنے اپارٹمنٹ سے قریبی مارکیٹ جانا پڑا اور اسے پیدل وہاں آنے جانے اور شاپنگ کرنے میں تیس منٹ لگے تھے۔ سعد اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ جب سالار واپس آیا تو سعد کمپیوٹر پر چیٹنگ میں معروف تھا۔ وہ کچھ دیر مزید اس کے پاس بیٹھا، گپ شپ کرتا رہا پھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سالار نے لنچ کیا اور ایک بار پھر کمپیوٹر پر آکر بیٹھ گیا۔

وہ بھی کچھ دیر چیٹنگ کرنا چاہتا تھا اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس نے لاشعوری طور پر کمپیوٹر چلاتے ہوئے اس کی ہسٹری دیکھی۔ وہاں ان ویب سائٹس اور پیجز کی تفصیلات تھیں جو کچھ دیر پہلے اس نے یا سعد نے دیکھی تھیں۔

سعد نے جن چند ویب سائٹس کو دیکھا تھا وہ پورنو گرافی سے متعلق تھیں۔ اسے اپنے کسی دوسرے دوست کے ان پیجز دیکھنے پر یا ان ویب سائٹس کو وزٹ کرنے پر حیرت ہوتی نہ اعتراض وہ خود ایسی ویب سائٹس کا وزٹ کرتا رہتا تھا مگر سعد کے ان ویب سائٹس کو وزٹ کرنے پر اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس کی نظروں میں وہ کچھ اور نیچے آگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"پھر تمہاری کیا پلاننگ ہے؟ پاکستان آنے کا ارادہ ہے؟"

وہ اس دن فون پر سکندر سے بات کر رہا تھا۔ سکندر نے اسے بتایا تھا کہ وہ طیبہ کے ساتھ کچھ ہفتوں کے لئے آسٹریلیا جا رہے ہیں۔ انہیں وہاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ہونے والی شادی کی کچھ تقریبات میں شرکت کرنی تھی۔

"آپ دونوں وہاں نہیں ہوں گے تو میں پاکستان آکر کیا کروں گا۔" اسے مایوسی ہوئی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ تم بہن بھائیوں سے ملنا، انیتا تمہیں بہت مس کر رہی ہے۔" سکندر نے کہا۔

"پاپا! میں ادھر ہی چھٹیاں گزار دوں گا۔ پاکستان آنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہمارے ساتھ آسٹریلیا چلو، معیز بھی جا رہا ہے۔" انہوں نے اس کے بڑے بھائی کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ میں اس طرح منہ اٹھا کر آپ کے ساتھ آسٹریلیا چلوں۔ معیز کے ساتھ میری کون سی انڈراسٹینڈنگ ہے، جو آپ مجھے اس کے جانے کا بتا رہے ہیں۔" اس نے خاصی بیزاری کے ساتھ کہا۔

"میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا اگر تم وہیں رہنا چاہتے ہو تو ایسا ہی سہی بس اپنا خیال رکھنا اور دیکھو سالار کوئی غلط کام مت کرنا۔"

انہوں نے اسے تنبیہ کی۔ وہ اس غلط کام کی نوعیت کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا اور وہ یہ جملہ سننے کا اتنا عادی ہو چکا تھا کہ اب اگر سکندر ہر بار فون بند کرنے سے پہلے اس سے یہ جملہ نہ کہتے تو اسے حیرت ہوتی۔

سکندر سے بات کرنے کے بعد اس نے فون کر کے اپنی سیٹ کینسل کروا دی۔ فون کا ریسیور رکھنے کے بعد صوفے پر چت لیٹا چھت کو گھورتے ہوئے وہ یونیورسٹی بند ہونے کے بعد اگلے کچھ ہفتوں کی مصروفیات کے بارے میں سوچتا رہا۔

"مجھے چند دن سکینگ (skiing) کے لئے کہیں جانا چاہئے یا پھر کسی دوسری اسٹیٹ کو وزٹ کرنا چاہئے۔" وہ منصوبہ بنانے لگا۔ "ٹھیک ہے میں کل یونیورسٹی سے واپسی کسی ٹور آپریٹر سے ملوں گا۔ باقی کا پروگرام وہیں طے کروں گا۔" اس نے فیصلہ کیا۔

اگلے دن اس نے ایک دوست کے ساتھ مل کر سکینگ کے لئے جانے کا پروگرام طے کر لیا۔ اس نے سکندر اور اپنے بڑے بھائی کو اپنے پروگرام کے بارے میں بتا دیا۔

چھٹیاں شروع ہونے سے ایک دن پہلے اس نے ایک انڈین ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا، وہ کھانا کھانے کے بعد بھی کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر وہ ایک قریبی پب میں چلا گیا۔ کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے دوران اس نے وہاں چند پیگ پیئے۔

رات دس بجے کے قریب ڈرائیونگ کرتے ہوئے اسے اچانک متلی ہونے لگی۔ گاڑی روک کر وہ کچھ دیر کے لئے سڑک کے گرد بچھے ہوئے سبزے پر چلنے لگا۔ سرد ہوا اور خنکی نے کچھ دیر کے لئے اسے نارمل کر دیا مگر چند منٹوں کے بعد ایک بار پھر اسے متلی ہونے لگی۔ اسے اب اپنے سینے اور پیٹ میں ہلکا ہلکا درد بھی محسوس ہو رہا تھا۔

یہ کھانے کا اثر تھا یا پیگ کا۔ فوری طور پر اسے اندازہ نہیں ہوا۔ اب اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ یک دم جھکتے ہوئے اس نے بے اختیار قے کی اور پھر چند منٹ اسی طرح جھکا رہا۔ معدہ خالی ہو جانے کے بعد بھی اس کو اپنی حالت بہتر محسوس نہیں ہوئی۔ سیدھا کھڑے رہنے کی کوشش میں اس کے پیر لڑکھڑا گئے۔ اس نے مڑ کر اپنی گاڑی کی طرف جانے کی کوشش کی مگر اس کا سر اب پہلے سے زیادہ چکرا رہا تھا۔ چند گز دور کھڑی گاڑی کو دیکھنے میں بھی اسے دقت ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل چند قدم اٹھائے مگر گاڑی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

مکمل طور پر ہوش کھونے سے پہلے اس نے کسی کو اپنے آپ کو جھنجھوڑتے محسوس کیا۔ کوئی بلند آواز میں اس کے قریب کچھ کہہ رہا تھا، آوازیں ایک سے زیادہ تھیں۔

سالار نے اپنے سر کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے سر کو حرکت نہیں دے سکا۔ اس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ وہ اب مکمل طور پر تاریکی میں جا چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے دو دن ہاسپٹل میں گزارے تھے۔ وہیں سے گاڑی میں گزرنے والے کسی جوڑے نے اسے گرتے دیکھا تھا اور وہی اسے اٹھا کر ہاسپٹل لے آئے تھے۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ فوڈ پوائزننگ کا شکار ہوا تھا۔ وہ ہاسپٹل آنے کے چند گھنٹوں کے بعد ہوش میں آ گیا تھا اور وہاں سے چلے جانے کی خواہش رکھنے کے باوجود وہ جسمانی طور پر اپنے آپ کو اتنی بری حالت میں محسوس کر رہا تھا کہ وہاں سے جا نہیں سکا۔

اگلے دن شام تک اس کی حالت کچھ بہتر ہونے لگی مگر ڈاکٹرز کی ہدایت پر سالار نے وہ رات بھی وہیں گزاری۔ اتوار کو دوپہر کے قریب وہ گھر آ گیا تھا اور گھر آتے ہی اس نے ٹور آپریٹر کے ساتھ طے پا جانے والا پروگرام چند دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ اسے پیر کو صبح نکلنا تھا اور اس نے طے کیا تھا کہ جانے سے پہلے وہ ایک بار پھر سینڈرا کو کال کرے گا لیکن اب پروگرام کینسل کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اس کو یا بلکہ اپنے کسی بھی دوست کو کال کرنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔

ایک ہلکے پھلکے سینڈوچ کے ساتھ کافی کا ایک کپ پینے کے بعد اس نے سکون آور دوا لی اور سونے کے لئے چلا گیا۔

اگلے دن جب اس کی آنکھ کھلی اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ سالار کو نیند سے بیدار ہوتے ہی سر میں شدید درد کا احساس ہوا۔ اپنا ہاتھ بڑھا کر اس نے اپنا ماتھا اور جسم چھوا۔ اس کا ماتھا بہت زیادہ گرم تھا۔

''کم آن!'' وہ بیزاری سے بڑبڑایا۔ پچھلے دو دن کی بیماری کے بعد وہ اگلے دو دن بستر پر پڑے ہوئے نہیں گزارنا چاہتا تھا اور اس وقت اسے اس کے آثار نظر آ رہے تھے۔

جوں توں بیڈ سے نکل کر وہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر ایک بار پھر کچن میں آ گیا۔ کافی بننے کے لئے رکھ کر وہ آ کر answerphone پر ریکارڈ کالز سننے لگا، چند کالز سعد کی تھیں جس نے واپس پاکستان جانے سے پہلے اس سے ملنے کے لئے بار بار اسے رنگ کیا تھا اور پھر آخری کال میں اس کے اس طرح غائب ہونے پر اسے اچھی خاصی صلواتیں سنائی تھیں۔

سینڈرا کا اندازہ تھا کہ وہ اس سے ملے بغیر سکینگ کے لئے چلا گیا تھا۔ یہی خیال سکندر اور کامران کا تھا۔ انہوں نے بھی اسے چند کالز کی تھیں۔ چند کالز اس کے کچھ کلاس فیلوز کی تھیں۔ وہ بھی چھٹیاں گزارنے کے لئے اپنے گھروں کو جانے سے پہلے کی گئی تھیں۔ ہر ایک نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ انہیں

جوابی کال کرے اگر اس نے پچھلے دو دن اپارٹمنٹ پر گزارے ہوتے تو وہ یقیناً یہ کام کرتا مگر اب وہ جانتا تھا کہ اب وہ سب واپس جا چکے ہوں گے البتہ وہ سکندر، کامران اور سعد کو پاکستان میں کال کر سکتا تھا مگر اس وقت وہ یہ کام کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

کافی کے ایک مگ کے ساتھ دو سلائس کھانے کے بعد اس نے گھر پر موجود چند میڈیسنز لیں اور پھر دوبارہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ بخار کے لئے اتنا ہی کافی تھا اور شام تک وہ اگر مکمل طور پر نہیں تو کافی حد تک ٹھیک ہو چکا ہو گا۔

اس کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا۔ شام کے وقت وہ میڈیسن کے زیر اثر آنے والی نیند سے بیدار ہوا تو اس کا جسم بری طرح بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس کی زبان اور ہونٹ خشک تھے اور اسے اپنا حلق کانٹوں سے بھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پورے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی شدید درد کی گرفت میں تھا اور شاید اس کے اس طرح بیدار ہونے کی وجہ یہ شدید بخار اور تکلیف ہی تھی۔

اس بار اوندھے منہ بیڈ پر لیٹتے ہوئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ تکیے پر ماتھے کے نیچے رکھتے ہوئے ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے سر میں اٹھنے والی درد کی ٹیسوں کو کم کرنے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح ناکام رہا۔ چہرہ تکیے میں چھپائے وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔

تکلیف کو برداشت کرنے کی کوشش میں وہ کب دوبارہ نیند کی آغوش میں گیا اسے اندازہ نہیں ہوا۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس وقت کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ رات ہو چکی تھی اور صرف کمرہ ہی نہیں پورا گھر تاریک تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ تکلیف میں تھا۔ چند منٹوں تک بیڈ سے اٹھنے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر لیٹ گیا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے ذہن کو تاریکی میں ڈوبتے محسوس کیا مگر اس بار یہ نیند نہیں تھی۔ وہ غنودگی کی کسی درمیانی کیفیت میں سے گزر رہا تھا۔ وہ اب خود کو کراہتے ہوئے سن رہا تھا مگر وہ اپنی آواز کا گلا نہیں گھونٹ پا رہا تھا۔ سینٹرل ہیٹنگ ہونے کے باوجود اسے بے تحاشا سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور کمبل اس کی کپکپاہٹ کو ختم کرنے میں ناکام تھا۔ وہ جسمانی طور پر خود اٹھ کر کچھ بھی پہننے یا اوڑھنے کے قابل نہیں تھا۔ اسے اپنے سینے اور پیٹ میں ایک بار پھر درد محسوس ہونے لگا تھا۔

اس کی کراہوں میں اب شدت آتی جا رہی تھی۔ ایک بار پھر متلی محسوس کرنے پر اس نے اٹھنے اور تیزی سے واش روم تک جانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ چند لمحوں کے لئے وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ بیڈ سے اترنے کی کوشش کرتا اسے ایک زور کی ابکائی آئی۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اندر رہ جانے والی تھوڑی بہت خوراک بھی باہر آ گئی تھی۔ وہ غشی کے عالم میں بھی اپنے کپڑوں اور کمبل سے بے نیاز نہیں تھا مگر وہ مکمل طور پر گندگی سے لتھڑے ہوئے

مکمل طور پر ہوش کھونے سے پہلے اس نے کسی کو اپنے آپ کو جھنجھوڑتے محسوس کیا۔ کوئی بلند آواز میں اس کے قریب کچھ کہہ رہا تھا۔ آوازیں ایک سے زیادہ تھیں۔

سالار نے اپنے سر کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے سر کو حرکت نہیں دے سکا۔ اس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ وہ اب مکمل طور پر تاریکی میں جا چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے وہ دن ہاسپٹل میں گزارے تھے۔ وہیں سے گاڑی میں گزرنے والے کسی جوڑے نے اسے گرتے دیکھا تھا اور وہی اسے اٹھا کر ہاسپٹل لے آئے تھے۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ فوڈ پوائزننگ کا شکار ہوا تھا۔ وہ ہاسپٹل آنے کے چند گھنٹوں کے بعد ہوش میں آ گیا تھا اور وہاں سے چلے جانے کی خواہش رکھنے کے باوجود وہ جسمانی طور پر اپنے آپ کو اتنی بری حالت میں محسوس کر رہا تھا کہ وہاں سے جا نہیں سکا۔

اگلے دن شام تک اس کی حالت کچھ بہتر ہونے لگی مگر ڈاکٹرز کی ہدایت پر سالار نے وہ رات بھی وہیں گزاری۔ اتوار کو وہ پہر کے قریب وہ گھر آ گیا تھا اور گھر آتے ہی اس نے فور آپریٹر کے ساتھ طے پا جانے والا پروگرام چند دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ اسے پیر کو صبح نکلنا تھا اور اس نے طے کیا تھا کہ جانے سے پہلے وہ ایک بار پھر سینڈرا کو کال کرے گا لیکن اب پروگرام کینسل کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اس کو یا بلکہ اپنے کسی بھی دوست کو کال کرنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔

ایک ہلکے پھلکے سینڈوچ کے ساتھ کافی کا ایک کپ پینے کے بعد اس نے سکون آور دوائی اور سونے کے لئے چلا گیا۔

اگلے دن جب اس کی آنکھ کھلی اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ سالار کو نیند سے بیدار ہوتے ہی سر میں شدید درد کا احساس ہوا۔ اپنا ہاتھ بڑھا کر اس نے اپنا ماتھا اور جسم چھوا۔ اس کا ماتھا بہت زیادہ گرم تھا۔

"کم آن!" وہ بیزاری سے بڑبڑایا۔ پچھلے دو دن کی بیماری کے بعد وہ اگلے دو دن بستر پر پڑے ہوئے نہیں گزارنا چاہتا تھا اور اس وقت اسے اس کے آثار نظر آ رہے تھے۔

جوں توں بیڈ سے نکل کر وہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر ایک بار پھر کچن میں آ گیا کافی بنانے کے لئے رکھ کر وہ آ کر answerphone پر ریکارڈ کالز سننے لگا۔ چند کالز سعد کی تھیں جس نے واپس پاکستان جانے سے پہلے اس سے ملنے کے لئے بار بار اسے رنگ کیا تھا اور پھر آخری کال میں اس کے اس طرح غائب ہونے پر اسے اچھی خاصی صلواتیں سنائی تھیں۔

سینڈرا کا اندازہ تھا کہ وہ اس سے ملے بغیر سکینگ کے لئے چلا گیا تھا۔ یہی خیال سکندر اور کامران کا تھا۔ انہوں نے بھی اسے چند کالز کی تھیں۔ چند کالز اس کے کچھ کلاس فیلوز کی تھیں۔ وہ بھی چھٹیاں گزارنے کے لئے اپنے گھروں کو جانے سے پہلے کی گئی تھیں۔ ہر ایک نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ انہیں

ہوا پر کال کرے اگر اس نے پچھلے دو دن اپارٹمنٹ پر گزارے ہوتے تو وہ یقیناً یہ کام کرتا مگر اب وہ جانتا تھا کہ اب وہ سب واپس جا چکے ہوں گے البتہ وہ سکندر، کامران اور سعد کو پاکستان میں کال کر سکتا تھا مگر اس وقت وہ یہ کام کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

کافی کے ایک مگ کے ساتھ دو سلائس کھانے کے بعد اس نے گھر پر موجود چند میڈیسنز لیں اور پھر دوبارہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ بخار کے لئے اتنا ہی کافی تھا اور شام تک وہ اگر مکمل طور پر نہیں تو کافی حد تک ٹھیک ہو چکا ہو گا۔

اس کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا۔ شام کے وقت وہ میڈیسن کے زیر اثر آنے والی نیند سے بیدار ہوا تو اس کا جسم بری طرح بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس کی زبان اور ہونٹ خشک تھے اور اسے اپنا حلق کانٹوں سے بھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پورے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی شدید درد کی گرفت میں تھا اور شاید اس کے اس طرح بیدار ہونے کی وجہ یہ شدید بخار اور تکلیف ہی تھی۔

اس بار اوندھے منہ بیڈ پر لیٹتے ہوئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ تکیے پر ماتھے کے نیچے رکھتے ہوئے ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے سر میں اٹھنے والی درد کی ٹیسوں کو کم کرنے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح ناکام رہا۔ چہرہ تکیے میں چھپائے وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔

تکلیف کو برداشت کرنے کی کوشش میں وہ کب دوبارہ نیند کی آغوش میں گیا اسے اندازہ نہیں ہوا۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس وقت کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ رات ہو چکی تھی اور صرف کمرہ ہی نہیں پورا گھر تاریک تھا وہ پہلے سے زیادہ تکلیف میں تھا۔ چند منٹوں تک بیڈ سے اٹھنے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر لیٹ گیا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے ذہن کو تاریکی میں ڈوبتے محسوس کیا مگر اس بار یہ نیند نہیں تھی۔ وہ غنودگی کی کسی درمیانی کیفیت میں سے گزر رہا تھا۔ وہ اب خود کو کراہتے ہوئے سن رہا تھا مگر وہ اپنی آواز کا گلا نہیں گھونٹ پا رہا تھا۔ سینٹرل ہیٹنگ ہونے کے باوجود اسے بے تحاشا سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور کمبل اس کی کپکپاہٹ کو ختم کرنے میں ناکام تھا وہ جسمانی طور پر خود اٹھ کر کچھ بھی پہننے یا اوڑھنے کے قابل نہیں تھا۔ اسے اپنے سینے اور پیٹ میں ایک بار پھر درد محسوس ہونے لگا تھا۔

اس کی کراہوں میں اب شدت آتی جا رہی تھی۔ ایک بار پھر متلی محسوس کرنے پر اس نے اٹھنے اور تیزی سے واش روم تک جانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ چند لمحوں کے لئے وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ بیڈ سے اترنے کی کوشش کرتا اسے ایک زور کی ابکائی آئی۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اندر رہ جانے والی تھوڑی بہت خوراک بھی باہر آ گئی تھی۔ وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں بھی اپنے کپڑوں اور کمبل سے بے نیاز نہیں تھا مگر وہ مکمل طور پر گندگی سے لتھڑے ہوئے

بے بس تھا اسے اپنا پورا وجود مفلوج محسوس ہو رہا تھا۔ بے جان سی حالت میں وہ اسی طرح دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ارد گرد کے ماحول سے مکمل طور پر بے نیاز ہو چکا تھا۔ غشی کی کیفیت میں کراہوں کے ساتھ اس کے منہ میں جو کچھ آ رہا تھا وہ بولتا جا رہا تھا۔

غشی کا یہ سلسلہ کتنے گھنٹے جاری رہا تھا اسے یاد نہیں۔ ہاں! البتہ اسے یہ ضرور یاد تھا اس کیفیت کے دوران اسے ایک بار یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ مر رہا ہے اور اسی وقت زندگی میں پہلی بار موت سے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا وہ کسی نہ کسی طرح فون تک پہنچنا چاہتا تھا وہ کسی کو بلانا چاہتا تھا مگر وہ بستر سے نیچے تک نہیں اُتر سکا۔ شدید بخار نے اسے مکمل طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

اور پھر بالآخر وہ خود ہی اس کیفیت سے باہر آ گیا تھا اس وقت رات کا پچھلا پہر تھا جب وہ اس غنودگی سے باہر نکلا تھا۔ آنکھیں کھولنے پر اس نے کمرے میں وہی تاریکی دیکھی تھی مگر اس کا جسم اب پہلے کی طرح گرم نہیں تھا۔ کپکپی مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی اس کے سر اور جسم میں ہونے والا درد بھی بہت ہلکا تھا۔

کمرے کی چھت کو کچھ دیر گھورنے کے بعد اس نے لیٹے لیٹے اندھیرے میں سائیڈ لیمپ کو ڈھونڈ کر آن کر دیا۔ روشنی نے کچھ دیر کے لئے اس کی آنکھوں کو چندھیا کر بند ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر آنکھوں کے بند پپوٹوں کو چھوا۔ وہ سوجے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں چبھن ہو رہی تھی۔ سوجے ہوئے پپوٹوں کو بمشکل کھلے رکھتے ہوئے وہ اب ارد گرد کی چیزوں پر غور کر رہا تھا اور اپنے ساتھ ہونے والے تمام واقعات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہلکے ہلکے جھماکوں کے ساتھ اسے سب کچھ یاد آتا جا رہا تھا۔

اسے بے اختیار اپنے آپ سے گھن آئی، بیڈ پر بیٹھے بیٹھے اس نے اپنی شرٹ کے بٹن کھول کر اسے اُتار کر دور پھینک دیا۔ پھر لڑکھڑاتے ہوئے وہ بیڈ سے اُتر گیا اور کمبل اور بیڈ شیٹ بھی کھینچ کر اس نے بیڈ سے اُتار کر فرش پر ڈال دیئے۔

ان ہی لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ سوچے سمجھے بغیر باتھ روم میں گھس گیا۔

باتھ روم میں موجود بڑے آئینے کے سامنے اپنے چہرے پر نظر پڑتے ہی اسے جیسے شاک لگا تھا۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں ان کے گرد پڑنے والے حلقے بہت نمایاں تھے اور چہرہ بالکل زرد تھا۔ اس کے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ اسے اس وقت دیکھنے والا یہی سوچتا کہ وہ کسی لمبی بیماری سے اُٹھا ہے۔

"چوبیس گھنٹے میں اتنی شیو بڑھ گئی ہے؟" اس نے حیرانی کے عالم میں اپنے گالوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ "اتنی بری شکل تو میری فوڈ پوائزننگ کے بعد ہاسپٹل میں رہ کر بھی نہیں ہوئی تھی جتنی ایک دن کے

اس بخار نے کر دی ہے۔"

وہ بے یقینی کے عالم میں اپنے آنکھوں کے حلقوں کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ ٹب میں پانی بھر کر وہ اس میں لیٹ گیا۔ اسے حیرانی ہو رہی تھی کہ بخار کی حالت میں بھی اس نے فوری طور پر اسی وقت اپنے کپڑے کیوں نہیں بدل لئے وہ کیوں وہیں پڑا رہا۔

باتھ روم سے باہر نکلنے کے بعد بیڈ روم میں رہنے کے بجائے وہ کچن میں چلا گیا۔ اسے بے تحاشا بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے نوڈلز بنائے اور انہیں کھانے لگا۔ "مجھے صبح ڈاکٹر کے پاس جا کر اپنا تفصیلی چیک اپ کروانا چاہئے۔" اس نے نوڈلز کھاتے ہوئے سوچا، تھکن ایک بار پھر اس کے اعصاب پر سوار ہو رہی تھی۔ نہانے کے بعد اسے اگرچہ اپنا وجود بہت ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا مگر اس کی نقاہت ختم نہیں ہوئی تھی۔

نوڈلز کھانے کے دوران اس نے ٹی وی آن کر دیا اور چینل سرچ کرنے لگا۔ ایک چینل پر آنے والا ٹاک شو دیکھتے ہوئے اس نے ریموٹ رکھ دیا اور ایک بار پھر نوڈلز کے پیالے پر جھک گیا۔ اس نے ابھی نوڈلز کا دوسرا چمچ منہ میں رکھا ہی تھا کہ وہ بے اختیار رُک گیا۔ اُلجھی ہوئی نظروں سے ٹاک شو کو دیکھتے ہوئے اس نے ریموٹ کو ایک بار پھر اُٹھا لیا۔ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے وہ ایک بار پھر چینل سرچ کرنے لگا مگر اس بار وہ ہر چینل کو پہلے سے زیادہ ٹھہر کر دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کی اُلجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ بڑبڑایا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا وہ جمعہ کی رات کو سڑک پر بے ہوش ہونے کے بعد ہاسپٹل گیا تھا۔ ہفتہ کا سارا دن اس نے وہیں گزارا تھا اور اتوار کی سہ پہر کو وہ واپس آیا تھا۔ اتوار کی سہ پہر کو سونے کے بعد وہ اگلے دن گیارہ بجے کے قریب اُٹھا تھا۔ پھر اسی رات اسے بخار ہو گیا تھا۔ شاید اس نے منگل کا سارا دن بخار کی حالت میں گزارا تھا اور اب یقیناً منگل کی رات تھی، مگر ٹی وی تو تو اسے کچھ اور بتا رہے تھے۔ وہ ہفتہ کی رات تھی اور اگلا طلوع ہونے والا دن اتوار کا تھا۔

اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر دوڑائی جو لونگ روم کی میز پر پڑی تھی۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے نوڈلز کا پیالہ میز پر رکھ دیا ایک لخت ہی جیسے اس کی بھوک اُڑ گئی تھی۔ وہاں موجود تاریخ نے اسے جیسے ایک اور جھٹکا دیا تھا۔

"کیا مطلب ہے، کیا میں پانچ دن بخار میں جتلا رہا ہوں۔ پانچ دن ہوش و حواس سے بے خبر رہا ہوں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟" وہ بڑبڑا رہا تھا۔

"پانچ دن، پانچ دن تو بہت ہوتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ مجھے، مجھے پانچ دن گزرنے کا پتہ ہی نہ

چلے میں پانچ دن تک اس طرح بے ہوش کیسے رہ سکتا ہوں۔"

وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ تیزی سے answerphone کی طرف بڑھ گیا، فون پر اس کے لئے کوئی ریکارڈ پیغام نہیں تھا۔

"پاپا نے مجھے کوئی کال نہیں کی اور اور سعد سب کو کیا ہو گیا..... کیا میں انہیں یاد نہیں رہا۔"

اسے جیسے کوئی پیغام نہ پا کر شاک لگا تھا۔ وہ بہت دیر تک بالکل ساکت فون کے پاس بیٹھا رہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاپا کو میرا خیال ہی نہ رہا ہو۔ یا کسی اور فرینڈ کو یا پھر کسی اور کو اس طرح مجھے کیسے چھوڑ دیا انہوں نے اور اس وقت اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ ایک بار پھر کپکپا رہے تھے۔ وہ نقاہت یا کمزوری نہیں تھی پھر وہ کیا تھا جو اسے کانپنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ اٹھ کر واپس صوفے کی طرف چلا آیا۔

نوڈلز کے پیالے کو ہاتھ میں لے کر وہ ایک بار پھر انہیں کھانے لگا اس بار نوالز میں چند منٹ پہلے کا ذائقہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ وہ بے ذائقہ ربڑ کے چند نرم ٹکڑوں کو چبا رہا ہے۔ چند چمچ لینے کے بعد اس نے پیالہ دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہ اسے کھا نہیں پا رہا تھا۔ وہ اب بھی عجیب سی بے یقینی کی گرفت میں تھا۔ کیا واقعی وہ پانچ دن یہاں اکیلا اس طرح پڑا رہا تھا کہ اسے خود اپنے بارے میں پتا تھا اور نہ ہی کسی اور کو۔

وہ ایک بار پھر واش روم میں چلا گیا۔ اس کا چہرہ کچھ دیر پہلے جیسا نہیں لگ رہا تھا نہانے سے وہ کچھ بہتر ہو گیا تھا مگر اس کی شیو اور آنکھوں کے گرد پڑے ہوئے حلقے اب بھی اسی طرح موجود تھے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کچھ دیر تک اپنی آنکھوں کے گرد پڑے ہوئے حلقوں کو چھوتا رہا یوں جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ واقعی وہاں موجود تھے یا پھر اس کا وہم ہے۔ اسے یک دم اپنے چہرے پر موجود بالوں سے وحشت ہونے لگی تھی۔

وہیں کھڑے کھڑے اس نے شیو کٹ نکالی اور شیو کرنے لگا۔ شیو کرتے ہوئے اسے ایک بار پھر احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ یکے بعد دیگرے اسے تین کٹ لگے۔ اس نے شیو کے بعد اپنا چہرہ دھویا اور اس کے بعد تولیے سے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے اسے خشک کرنے لگا جب اسے ان زخموں سے رستے ہوئے خون کا احساس ہوا اس نے چہرے کو تولیے سے تھپتھپانا بند کر دیا۔ خالی الذہنی کے عالم میں وہ آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھنے لگا۔

اس کے گالوں پہ آہستہ آہستہ ایک بار پھر خون کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ گہرا سرخ رنگ، وہ پلکیں جھپکے بغیر ان قطروں کو دیکھتا رہا۔ تین ننھے ننھے سرخ قطرے۔

"What is next to extacy۔"

"Pain۔"

سرد اور مدھم آواز آئی۔ وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گیا۔

"What is next to pain۔"

"Nothingness۔"

اسے ایک ایک لفظ یاد تھا۔

"Nothingness۔"

"وہ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس کے گالوں کی حرکت سے خون کے قطرے اس کے گالوں پر پھسلنے لگے۔

"And what comes next to nothingness۔"

"Hell۔"

سالار کو یک دم ابکائی آئی۔ وہ واش بیسن پر بے اختیار دوہرا ہو گیا۔ چند منٹ پہلے کھائی گئی خوراک ایک بار پھر باہر آ گئی تھی۔ اس نے نل کھول دیا۔ اس نے اس کے بعد کیا پوچھا تھا۔ اس نے اس کے جواب میں کیا کہا تھا اسے یاد تھا۔

"ابھی تمہیں کوئی چیز سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ابھی آئے گی بھی نہیں۔ ایک وقت آئے گا جب تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ ہر شخص پر ایک وقت آتا ہے جب وہ سب کچھ سمجھنے لگتا ہے جب کوئی معمہ، معمہ نہیں رہتا۔ میں اس دور سے گزر رہی ہوں۔ تم پر وہ دور آئندہ بھی آئے گا۔ اس کے بعد تم دیکھنا۔ کیا تمہیں ہنسی آتی ہے۔"

سالار کو ایک اور ابکائی آئی، اسے اپنی آنکھوں سے پانی بہتا ہوا محسوس ہوا۔

"زندگی میں ہم کبھی نہ کبھی اس مقام پر آ جاتے ہیں جہاں سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہاں صرف ہم ہوتے ہیں اور اللہ ہوتا ہے۔ کوئی ماں باپ کوئی بہن بھائی، کوئی دوست نہیں ہوتا۔ پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہمارے پیروں کے نیچے زمین ہے نہ ہمارے سر کے اوپر کوئی آسمان، بس صرف ایک اللہ ہے جو ہمیں اس خلا میں بھی تھامے ہوئے ہے۔ پھر پتا چلتا ہے ہم زمین پر پڑی مٹی کے ڈھیر میں ایک ذرے یا درخت پر لگے ہوئے ایک پتے سے زیادہ کی وقعت نہیں رکھتے۔ پھر پتا چلتا ہے کہ ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے صرف ہمیں فرق پڑتا ہے۔ صرف ہمارا کردار ختم ہو جاتا ہے۔ کائنات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی کسی چیز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

سالار کو اپنے سینے میں عجیب سا درد محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے بہتے ہوئے پانی کو منہ میں ڈالا اسے ایک بار پھر ابکائی آئی۔

"اس کے بعد ہماری عقل ٹھکانے آجاتی ہے۔"

وہ اس آواز کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے حیرانی ہو رہی تھی وہ اسے اس وقت کیوں یاد آئی تھی۔

اس نے پانی کے چھینٹے اپنے چہرے پر مارنے شروع کر دیئے۔ چہرے کو ایک بار پھر پونچھنے لگا۔ آفٹر شیو کی بوتل کھول کر اس نے گالوں پر موجود ان زخموں پر لگانا شروع کر دیا جہاں اب اسے پہلی بار تکلیف ہو رہی تھی۔

واش روم سے باہر نکلتے ہوئے اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے ہیں۔

"مجھے ڈاکٹر کے پاس چلے جانا چاہئے۔" وہ اپنی مٹھیاں بھینچنے لگا۔ "مجھے مدد کی ضرورت ہے اپنا چیک اپ کروانا ہے۔"

وہ نہیں جانتا تھا اسے یک دم وہاں وحشت کیوں ہونے لگی تھی۔ اسے اپنا سانس وہیں بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے کوئی اس کی گردن پر پاؤں رکھے آہستہ آہستہ دباؤ ڈال رہا تھا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ سب لوگ مجھے اس طرح بھول جائیں۔ اس طرح......"

اس نے اپنی وارڈ روب سے نئے کپڑے نکال کر ایک بار پھر کچھ دیر پہلے کا پہنا ہوا لباس بدلنا شروع کر دیا۔ وہ جلد از جلد ڈاکٹر کے پاس جانا چاہتا تھا اسے اپنے اپارٹمنٹ سے یک دم خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

اس رات گھر آکر وہ تقریباً ساری رات جاگتا رہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت نے اسے اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ اس کا ذہن یہ تسلیم نہیں کر رہا تھا کہ اسے اس طرح بھلا دیا گیا ہے۔ وہ ماں باپ کی ضرورت سے زیادہ توجہ ہمیشہ حاصل کرتا رہا تھا۔ کچھ اس کی حرکتوں کی وجہ سے بھی سکندر عثمان اور طیبہ کو اس کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط ہونا پڑا۔ وہ ہمیشہ ہی اس کے بارے میں فکر مند رہے تھے، مگر اب یک دم چند دنوں کے لئے وہ جیسے سب کی زندگی سے نکل گیا تھا۔ دوستوں کی، بہن بھائیوں کی، ماں باپ کی۔ وہ اگر اس بیماری کے دوران وہاں اس اپارٹمنٹ میں مر جاتا تو کسی کو پتا تک نہیں چلتا شاید تب تک جب تک اس کی لاش گلنے سڑنے نہ لگتی اور اس موسم میں ایسا ہونے میں کتنے دن لگتے۔

وہ اس رات ایک ایک گھنٹے کے بعد اپنے answerphone کو چیک کرتا رہا۔ اگلا پورا ہفتہ اس نے اسی بے یقینی کے عالم میں اپنے اپارٹمنٹ میں گزارا۔ پورے ہفتے کے دوران اسے کہیں سے کوئی کال نہیں ملی۔

"کیا سب لوگ مجھے بھول گئے ہیں؟"

وہ وحشت زدہ ہو گیا۔ ایک ہفتہ تک بے وقوفوں کی طرح کسی کی کال کا انتظار کرتے رہنے کے بعد اس نے خود سب سے رابطہ کی کوشش کی۔

وہ انہیں فون پر بتانا چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ کس کیفیت سے گزرا تھا۔ وہ ان کے ساتھ شکوہ کرنا چاہتا تھا، مگر ہر ایک سے رابطہ کرنے پر اسے پہلی بار یوں محسوس ہوا جیسے کسی کو اس میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔ ہر ایک کے پاس اپنی مصروفیات کی تفصیلات تھیں۔

سکندر اور طیبہ اسے آسٹریلیا میں اپنی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہے۔ وہ وہاں کیا کر رہے تھے، کتنا انجوائے کر رہے تھے۔ وہ کچھ غائب دماغی کے عالم میں ان کی باتیں سنتا رہا۔

"تم انجوائے کر رہے ہو اپنی چھٹیاں؟"

بہت لمبی چوڑی بات کے بعد طیبہ نے بالآخر اس سے پوچھا۔

"میں؟ ہاں، بہت" وہ صرف تین لفظ بول سکا۔

وہ واقعی نہیں جانتا تھا کہ اسے طیبہ سے کیا کہنا، اسے کیا بتانا چاہئے؟

باری باری سب سے بات کرتے ہوئے وہ پہلی بار اس قسم کی صورت حال اور کیفیت سے دوچار ہوا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کو بنیادی طور پر صرف اپنی زندگی سے دلچسپی تھی۔ شاید وہ انہیں اپنے ساتھ ہونے والے واقعات بتاتا تو وہ اس کے لئے تشویش کا اظہار کرتے۔ پریشان ہو جاتے مگر وہ سب بعد میں ہوتا۔ اس کے بتانے کے بعد، اس سے پہلے ان کی زندگی کے دائرے میں اس کی زندگی کہاں آتی تھی۔ کس کو دلچسپی تھی یہ جاننے میں کہ اس کے چند دن کس طرح غائب ہو گئے۔

اور شاید تب ہی اس نے پہلی بار سوچا اگر میری زندگی ختم بھی ہو گئی تو کسی دوسرے کو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ دنیا میں کیا تبدیلی آئے گی؟ میرا خاندان کیا محسوس کرے گا؟ کچھ بھی نہیں۔ چند دنوں کے دکھ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں اور دنیا میں تو شاید چند لمحوں کے لئے بھی کوئی تبدیلی نہ آئے۔

سالار سکندر اگر غائب ہو جائے تو واقعی کسی دوسرے کو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ چاہے اس کا آئی کیو لیول ۱۵۰ ہو۔ وہ اپنی سوچوں کو جھٹکنے کی کوشش کرتا مگر ایسی مایوسی اور اس طرح کی ذہنی حالت ۔ آخر مجھے ہو کیا گیا ہے اگر سب لوگ کچھ دنوں کے لئے مجھے بھول بھی گئے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے میں بھی تو بہت بار بہت سے لوگوں کے ساتھ رابطہ نہیں رکھ پاتا۔ پھر اگر میرے ساتھ ایسا ہو گیا تو۔

مگر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ اور اگر واقعی میں، میں اس بے ہوشی سے واپس ہوش میں نہ آتا تو ۔ اگر میرا بخار کم نہ ہوتا اگر سینے یا پیٹ کا درد ختم نہ ہوتا ۔ اپنے ذہن سے وہ یہ سب کچھ جھٹکنے کی کوشش کرتا لیکن ناکام رہتا یہ تکلیف سے زیادہ خوف تھا جس کا شکار وہ اس اچانک بیماری کے دوران ہوا تھا۔ "شاید میں کچھ زیادہ حساس ہوتا جا رہا ہوں۔" وہ سوچتا ورنہ ایک معمولی سی بے ہوشی کو خواہ مخواہ اپنا کر سر پر کیوں سوار کر رہا ہوں۔

وہ جھنجھلاتا۔

"کم از کم اب تو ٹھیک ہو چکا ہوں پھر آخر اب مجھے کیا تکلیف ہے کہ میں اس طرح موت کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ آخر پہلے بھی تو کئی بار بیمار ہو چکا ہوں۔ خودکشی کی کوشش کر چکا ہوں، جب مجھے کسی خوف نے تنگ نہیں کیا تو آخر اب کیوں مجھے اس طرح کے خوف تنگ کرنے لگے ہیں۔

اس کی اُلجھن اور اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"اور پھر مجھے تو بخار کی وہ تکلیف ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔ میرے لئے تو یہ صرف خواب یا کومے کی طرح ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔" وہ مسکرانے کی کوشش کرتا۔

"کیا چیز ہے جو مجھے پریشان کر رہی ہے۔ کیا بیماری؟ یا پھر یہ بات کہ کسی کو میری ضرورت نہیں پڑی۔ کسی کو میری یاد نہیں آئی۔ خیال تک نہیں، میرے اپنے لوگوں کو بھی، میرے فیملی ممبرز کو۔ دوستوں کو......"

"مائی گاڈ تمہیں کیا ہوا ہے سالار؟" یونیورسٹی کھلتے ہی پہلے ہی دن سینڈرا نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔" سالار نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"تم بیمار رہے ہو؟" اسے تشویش ہوئی۔

"ہاں تھوڑا بہت۔"

"مگر مجھے تو نہیں لگتے کہ تم تھوڑے بہت بیمار رہے ہو۔ تمہارا وزن کم ہو گیا ہے اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ کیا بیماری تھی تمہیں؟"

"کچھ نہیں، تھوڑا سا بخار اور فوڈ پوائزننگ" وہ پھر مسکرایا۔

"تم پاکستان گئے ہوئے تھے؟"

"نہیں، یہیں تھا۔"

"مگر میں نے تو تمہیں نیویارک جانے سے پہلے کئی بار رنگ کیا۔ ہمیشہ answerphone ہی ملا۔ تم یہ ریکارڈ کروا دیتے کہ تم پاکستان جا رہے ہو۔"

"جسٹ اسٹاپ اٹ!" وہ بے اختیار جھنجھلایا۔ "سوال پر سوال کرتی جا رہی ہو تم۔"

سینڈرا حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "تم میری بیوی تو نہیں ہو کہ اس طرح بات کر رہی ہو مجھ سے؟"

"سالار کیا ہوا؟!"

"کچھ نہیں ہوا۔ تم بس ختم کرو یہ ساری بات، کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ کہاں رہے؟ کیوں رہے، رَبش۔"

سینڈرا چند لمحے بول نہیں سکی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح ری ایکٹ کرے گا۔

سینڈرا اس دن اس سے یہ سارے سوال پوچھنے والی اکیلی نہیں تھی۔ اس کے تمام دوستوں اور جاننے والوں نے اسے دیکھتے ہی کچھ اسی طرح کے سوال، تبصرے یا تاثرات دیئے تھے۔

وہ دن ختم ہونے تک بری طرح جھنجھلاہٹ کا شکار ہو چکا تھا اور کسی حد تک مشتعل بھی۔ وہ کم از کم ان سوالوں کو سننے کے لئے یونیورسٹی نہیں آیا تھا۔ اس طرح کے تبصرے اسے بار بار یاد دہانی کروا رہے تھے کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہو چکا ہے اور وہ ان احساسات سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔

باب ۵

"مووی دیکھنے کا پروگرام ہے اس ویک اینڈ پر، چلو گے؟" وانش اس دن اس کے پاس آیا ہوا تھا۔

"ہاں، چلوں گا۔" سالار تیار ہو گیا۔

"پھر تم تیار رہنا، میں تمہیں پک کروں گا۔" وانش نے پروگرام طے کیا۔

وانش پروگرام کے مطابق اسے لینے کے لئے آیا تھا۔ وہ کئی ہفتوں کے بعد کسی سینما میں مووی دیکھنے کے لئے آیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کم از کم اس رات وہ ایک اچھی تفریح میں کچھ وقت گزار سکے گا مگر مووی شروع ہونے کے دس منٹ بعد اسے وہاں بیٹھے بیٹھے اچانک شدید قسم کی گھبراہٹ ہونے لگی۔ سامنے اسکرین پر نظر آنے والے کردار اسے کٹھ پتلیاں نظر آنے لگے جن کی حرکات اور آوازوں کو وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر بہت آہستگی سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ وہ پارکنگ میں بہت دیر تک

وانش کی گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا رہا، پھر ایک ٹیکسی لے کر اپنے اپارٹمنٹ پر واپس آ گیا۔

☆ ☆..... ☆

پروفیسر روبنسن اپنا لیکچر شروع کر چکے تھے۔ سالار نے اپنے سامنے پڑے پیپر پر تاریخ اور ٹاپک لکھا۔ وہ اکنامک Recession کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ سالار ہمیشہ کی طرح ان پر نظریں جمائے ہوئے تھا مگر اس کا ذہن غیر حاضر تھا اور یہ اس کے ساتھ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے کہیں اور پہنچ گیا تھا۔ کہاں، وہ یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ ایک اسٹیج سے دوسرے اسٹیج، دوسرے سے تیسرے ایک سین سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے..... ایک آواز سے دوسری، دوسری سے تیسری اس کا سفر کہاں سے شروع ہوا، کہیں نہیں۔

"سالار! چلنا نہیں ہے۔" سینڈرا نے اس کا کندھا ہلایا۔

وہ چونک گیا۔ کلاس خالی تھی، صرف سینڈرا اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بے یقینی سے خالی کلاس کو اور پھر وال کلاک کو دیکھا پھر اپنی رسٹ واچ کو۔

"پروفیسر روبنسن کہاں گئے؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"کلاس ختم ہو گئی، وہ چلے گئے۔" سینڈرا نے کچھ حیران ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کلاس ختم ہو گئی؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا۔

"ہیں!" سالار نے بے اختیار اپنی آنکھوں کو مسلا اور پھر اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ واحد چیز جو اسے پروفیسر روبنسن کے لیکچر کے بارے میں یاد تھی، وہ صرف ٹاپک تھا۔ اس کے بعد وہ نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔

"تم کچھ اپ سیٹ ہو؟" سینڈرا نے پوچھا۔

"نہیں، کچھ نہیں۔ میں کچھ دیر کے لئے یہیں اکیلا بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"او کے۔" سینڈرا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی چیزیں اٹھا کر باہر چلی گئی۔

وہ اپنے سینے پر بازو باندھے سامنے نظر آنے والے رائٹنگ بورڈ کو دیکھنے لگا۔ آج یہ تیسری کلاس تھی جس میں اس کے ساتھ یہ ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا یونیورسٹی دوبارہ جوائن کرنے کے بعد سب کچھ معمول پر آ جائے گا، وہ ڈپریشن کے اس فیز سے باہر آ جائے گا جس کا وہ تب شکار تھا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ یونیورسٹی میں بھی مکمل طور پر اسی ذہنی انتشار کا شکار تھا جس میں وہ اتنے دنوں سے تھا پہلی بار اس کا دل پڑھائی سے بھی اچاٹ ہو رہا تھا۔ وہاں ہر چیز اسے مصنوعی لگ رہی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار صحیح معنوں میں ڈپریشن کا شکار ہوا تھا۔ اسٹڈیز، یونیورسٹی، فرینڈز، کلب، پارٹیز، ریسٹورنٹس، سیر و تفریح، ہر چیز اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے دوستوں سے ملنا یک دم چھوڑ دیا۔ answerphone پر اکثر اس کا

پتہ ہوتا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ وہ فرینڈز کے اصرار پر ان کے ساتھ کہیں جانے کا پروگرام بنا لیتا اور پھر یک دم جانے سے انکار کر دیتا۔ چلا بھی جاتا تو کسی وقت بھی بغیر بتائے اٹھ کر واپس چلا آتا۔ وہ یونیورسٹی میں بھی یہی کر رہا تھا۔ ایک دن جاتا، دو دن غائب رہتا۔ ایک پیریڈ لیتا، اگلے دو پیریڈ چھوڑ دیتا۔

اپنے اپارٹمنٹ میں کبھی کبھار وہ سارا دن بیڈ پر لیٹے ہوئے گزار دیتا، بعض دفعہ وہ فلم دیکھنا شروع کرتا اور ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد بھی اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ ٹی وی چینلز گھماتے ہوئے وہ اسی کیفیت کا شکار رہتا۔ اس کی بھوک بالکل ختم ہو گئی تھی۔ وہ کوئی چیز کھانا شروع کرتا اور پھر یک دم اس کا دل اوب جاتا۔ وہ اسی طرح اسے چھوڑ دیتا، بعض دفعہ وہ پورا پورا دن کچھ بھی نہیں کھاتا تھا۔ صرف یکے بعد دیگرے کافی کے کپ اپنے اندر انڈیلتا رہتا۔

وہ چین اسموکر نہیں تھا مگر ان دنوں بن گیا تھا۔ وہ اپنی چیزیں بہت قرینے سے رکھنے کا عادی تھا مگر ان دنوں اس کا اپارٹمنٹ گندگی کی مثال تھا اور اسے ان بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھ کر کوئی الجھن نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اپنے بہن بھائیوں اور والدین سے بھی گفتگو بہت مختصر کر دی تھی۔ وہ فون پر بولتے رہتے، وہ دوسری طرف کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے سنتا رہتا یا ہوں ہاں میں جواب دے دیتا۔ اس کے پاس انہیں بتانے کے لئے، ان کے ساتھ شیئر کرنے کے لئے یک دم سب کچھ ختم ہو گیا تھا اور اسے ان میں سے ایک بات کی بھی وجہ معلوم نہیں تھی۔

اور اسے یہ بات بھی معلوم تھی کہ اس کی ان تمام کیفیات اور حالت کا تعلق امامہ ہاشم سے ہے نہ وہ اس کی زندگی میں آتی نہ اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا۔ پہلے وہ اسے ناپسند کرتا تھا اب اسے امامہ سے نفرت ہونے لگی تھی۔ پچھتاوے کا جو ہلکا سا احساس کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہا تھا وہ غائب ہو گیا تھا۔

"اس کے ساتھ جو ہوا، ٹھیک ہوا۔ میں نے اس کے ساتھ جو کیا، ٹھیک کیا۔ اس کے ساتھ اس سے زیادہ برا ہونا چاہئے تھا۔"

وہ خود بخود ہی اپنے آپ سے کہتا رہتا۔ اسے امامہ ہاشم کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ، ہر حرف، ہر جملے سے نفرت تھی۔ اسے اس کی باتیں یاد آتیں اور اس کی نیند غائب ہو جاتی۔ ایک عجیب سی وحشت اسے گھیر لیتی۔ اس نے اس رات جن باتوں کا مذاق اڑایا تھا، وہ اب ہر وقت اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔

"کیا میں پاگل ہو رہا ہوں، کیا میں اپنے ہوش و حواس آہستہ آہستہ کھوتا جا رہا ہوں، کیا میں شیزوفرینیا کا شکار ہوں۔" بعض دفعہ اسے بیٹھے بٹھائے خوف محسوس ہونے لگتا۔

ہر چیز کی بے معنویت بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر چیز کی بے مقصدیت اور عیاں ہو رہی تھی۔ وہ کون تھا، کیا تھا، کیوں تھا، کہاں کھڑا تھا، کیوں کھڑا تھا؟ اسے ہر وقت یہ سوالات تنگ کرنے لگے۔ کیا ہو گا اگر میں

Yale سے ایک ایم بی اے کی ڈگری لے لوں گا۔ بہت اچھی جاب مل جائے گی، کوئی فیکٹری شروع کرا دوں مگر پھر کیا یہ وہ کام تھا جس کے لئے مجھے زمین پر اتارا گیا ــــ ۱۵۰+ آئی کیو لیول کے ساتھ کہ میں چند اور ڈگریاں لوں، شاندار سا بزنس کروں، شادی کروں، بچے پیدا کروں، عیش کروں پھر مر جاؤں، بس

اس نے زندگی میں چار دفعہ صرف اپنے تجسس کے لئے موت کے تجربے سے گزرنے کی کوشش کی تھی مگر اب شدید ڈپریشن کے عالم میں بھی وہ خودکشی کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ چوبیس گھنٹے موت کے بارے میں سوچنے کے باوجود بھی وہ اسے چھونا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اگر اس سے کوئی یہ پوچھ لیتا کہ کیا وہ زندہ رہنا چاہتا ہے تو وہ ہاں میں جواب دینے میں بھی تامل کرتا۔ وہ زندہ رہنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ زندگی کے مفہوم کو نہیں جانتا تھا۔

وہ مرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ موت کے مفہوم سے بھی واقف نہیں تھا۔

وہ کسی خلا میں معلق تھا، کسی درمیان والی جگہ میں، کسی بیچ والی کیفیت میں۔ زندہ رہتے ہوئے مردہ، مردہ ہوتے ہوئے زندہ وہ سرشاری کی انتہا پر پہنچ رہا تھا، لمحہ بہ لمحہ۔ ۱۵۰+ آئی کیو رکھنے والا وہ شخص جو اپنے سامنے کہی اور سنی جانے والی کوئی بھی چیز نہیں بھلا سکتا تھا۔ سگریٹ کا دھواں اڑاتے، بیئر کے گھونٹ لیتے، نائٹ کلب میں رقص کرتے، مہنگے ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے، اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ رات گزارتے، وہ صرف ایک بات سوچتا رہتا تھا۔

کیا زندگی کا مقصد یہی ہے؟

"عیش اور آسائش .....؟ شاندار لباس، بہترین خوراک، اعلیٰ ترین سہولتیں۔ ساٹھ ستر سال کی ایک زندگی اور پھر؟"

اس کے بعد اس پھر کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا مگر اس "پھر" کی وجہ سے اس کی زندگی کے معمولات بگڑ گئے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ بے خوابی کا شکار ہو رہا تھا اور یہ ان ہی دنوں تھا کہ اس نے اچانک مذہب میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ڈپریشن سے نجات کے لئے وہ بہت سے لوگوں کو یہی کام کرتے دیکھتا تھا۔ اس نے بھی یہی کام شروع کر دیا۔ اس نے اسلام کے بارے میں کچھ کتابیں پڑھنے کی کوشش کی۔ تمام کتابیں اس کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ کوئی لفظ، کوئی بات اسے اپنی طرف نہیں کھینچ رہی تھی۔ وہ خود پر جبر کر کے چند صفحات پڑھتا اور ان کتابوں کو رکھ دیتا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد پھر اٹھاتا پھر رکھ دیتا۔

"نہیں، شاید مجھے عملی طور پر عبادات شروع کرنی چاہئے۔ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجھے کچھ فائدہ ہو۔"

وہ اپنے آپ کو خود ہی سمجھاتا اور ایک دن جب وہ سعد کے پاس تھا تو اس نے یہی کیا۔

"میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" اس نے سعد کو باہر نکلتے دیکھ کر کہا۔

"مگر میں تو عشاء کی نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔" سعد نے اسے یاد دہانی کروائی۔

"میں جانتا ہوں۔" اس نے اپنے جاگرز کے تسمے کستے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ مسجد چلو گے؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"نماز پڑھنے کے لئے؟"

"ہاں!" سالار نے کہا۔ "اس طرح دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، میں کافر تو نہیں ہوں۔"

"کافر تو نہیں ہو مگر چلو خیر، پڑھ لینا آج۔" سعد نے کچھ کہتے کہتے بات بدل دی۔

"میں تو تمہیں پہلے ہی کتنی بار ساتھ چلنے کے لئے کہہ چکا ہوں۔"

سالار نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے چلتے ہوئے اس کے ساتھ باہر آ گیا۔

"اب اگر آج مسجد جا ہی رہے ہو تو پھر جاتے رہنا۔ یہ نہ ہو کہ بس آج پہلا اور آخری وزٹ ہی ہو۔" سعد نے عمارت سے باہر نکلتے ہوئے اس سے کہا۔ باہر اس وقت برف باری ہو رہی تھی۔ مسجد، رہائش کی عمارت سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہ ایک مصری خاندان کا گھر تھا جس کا نچلا حصہ مسجد کے طور پر ان لوگوں نے استعمال کے لئے دیا ہوا تھا جبکہ اوپر والے حصے میں وہ لوگ خود رہتے تھے۔ بعض دفعہ وہاں نمازیوں کی تعداد بیس پچیس ہو جاتی مگر زیادہ تر یہ تعداد دس پندرہ کے درمیان ہی رہتی تھی۔

سعد مسجد تک پہنچنے تک سالار کو ان تفصیلات سے آگاہ کرتا رہا۔ سالار خاموشی اور کچھ لاتعلقی کے عالم میں سڑک پر احتیاط سے پھسلتی گاڑیوں اور ہر طرف موجود برف کے ڈھیر پر نظریں دوڑاتا اس کے ساتھ چلتا رہا۔

پانچ سات منٹ چلتے رہنے کے بعد ایک موڑ مڑ کر سعد ایک گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ بند تھا مگر لاک نہیں تھا اور سعد نے دروازے پر دستک دی تھی، نہ ہی کسی سے اجازت مانگی تھی۔ بڑے مانوس سے انداز میں اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ سالار نے اس کی پیروی کی۔

"تم وضو کر لو۔" سعد نے اچانک اسے مخاطب کیا اور پھر اسے ساتھ لے کر ایک دروازہ کھول کر ایک باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

سعد کی زیرِ نگرانی جب تک وہ وضو کے آخری حصے تک پہنچا، ٹھنڈا پانی گرم میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اپنے بالوں کا مسح کرتے کرتے وہ ایک بار پھر ٹھٹکا۔ سعد سمجھا اسے صحیح طریقہ پتا نہیں، اس نے ایک بار پھر اسے ہدایت دی۔ وہ خالی الذہنی کے عالم میں اپنے ہاتھوں کو ایک بار پھر حرکت دینے لگا۔

گدی تک ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کا ہاتھ گردن میں موجود زنجیر سے ٹکرایا تھا۔ اس کی نظر بے اختیار

سامنے آئینے میں گئی۔ وہ ایک بار پھر کہیں اور پہنچ چکا تھا۔ سعد نے اس سے کچھ کہا تھا۔ اس بار اس نے نہیں سنا۔

کمرے میں موجود دس افراد دو صفوں میں کھڑے ہو رہے تھے۔ وہ سعد کے ساتھ پچھلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ امام صاحب نے امامت شروع کر دی، سب کے ساتھ اس نے بھی نیت کی۔

"نماز سے واقعی سکون ملتا ہے؟" اس نے کوئی دو ہفتے پہلے ایک لڑکے کو نماز کے مسئلے پر سعد کے ساتھ بحث میں اُلجھا پایا تھا۔

"مجھے تو ملتا ہے۔" سعد نے کہا تھا۔

"میں تمہاری بات نہیں کر رہا۔ میں سب کی بات کر رہا ہوں، سب کو ملتا ہے؟" اس لڑکے نے کہا تھا۔ "یہ منحصر ہے کہ سب کتنا انوالو ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔"

سالار بڑے اکتائے ہوئے انداز میں ان کی بحث کسی مداخلت یا تبصرے کے بغیر سنتا رہا تھا۔ اس وقت وہ شعوری طور پر نماز میں انہماک پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سکون؟ میں واقعی دیکھنا چاہتا ہوں کہ نماز سے سکون کیسے ملتا ہے۔" اس نے رکوع میں جاتے ہوئے اپنے دل میں سوچا پھر اس نے پہلا سجدہ کیا۔ اس کے اضطراب اور بے چینی میں یک بہ یک اضافہ ہو گیا۔ جن الفاظ کو وہ امام صاحب کی زبان سے سن رہا تھا، وہ بہت نامانوس لگ رہے تھے، جو لوگ اس کے اردگرد کھڑے تھے وہ اسے ناآشنا لگ رہے تھے، جس ماحول میں وہ موجود تھا وہ اسے غیر فطری لگ رہا تھا اور جو کچھ وہ کر رہا تھا وہ اسے منافقت محسوس ہو رہی تھی۔

ہر سجدے کے ساتھ اس کے دل و دماغ کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے پہلی چار رکعتیں بمشکل ختم کیں۔ سلام پھیرنے کے دوران اس نے اپنے دائیں جانب والے ادھیڑ عمر شخص کے گالوں پر آنسو دیکھے، اس کا دل وہاں سے بھاگ جانے کو چاہا۔ وہ جی کڑا کر کے ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک بار پھر نماز میں پوری طرح منہمک ہونے کی کوشش کی۔

"اس بار میں پڑھی جانے والی آیات کے ہر لفظ پر غور کروں گا۔ شاید اس طرح -" اس کی سوچ کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ نیت کی جا رہی تھی۔ اس کا دل مزید اچاٹ ہو گیا۔ سر کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے آیات کے مفہوم پر غور کرنے کی کوشش کی۔

"الحمد للہ رب العالمین۔" سورۂ فاتحہ کی تلاوت شروع ہوئی۔

"الرحمٰن الرحیم۔" اس نے توجہ مرکوز رکھنے کی پوری کوشش کی۔

"مالک یوم الدین۔" توجہ بھٹکی۔

"ایاک نعبد وایاک نستعین۔" اسے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ آتا تھا۔ اس نے چند دن پہلے ہی پڑھا تھا۔

"اھدنا الصراط المستقیم۔" (سیدھا راستہ) اس نے ذہن میں دہرایا۔

"صراط المستقیم ... سیدھا راستہ؟" اس کا دل چاہا وہاں سے بھاگ جائے۔ اس نے وہاں نماز جاری رکھنے کی ایک آخری کوشش کی۔

"صراط الذین انعمت۔" اس کا ذہن ایک بار پھر پیچھے گیا۔

"علیہم غیر المغضوب علیہم والضالین۔" اس نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ کھول لیے۔ وہ آخری صف میں کھڑا تھا، بہت آہستگی سے چند قدم پیچھے گیا اور صف سے نکل گیا۔

"یہ کام میں نہیں کر سکتا، میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔" اس نے جیسے اعتراف کیا۔ بہت خاموشی کے ساتھ وہ اور پیچھے ہوتا گیا۔ باقی لوگ اب رکوع میں جا رہے تھے۔ وہ مڑ کر دبے قدموں مگر تیز رفتاری سے باہر نکل آیا۔

مسجد سے نکلتے ہوئے اس کے جاگرز اس کے ہاتھ میں تھے۔ غائب دماغی کے عالم میں وہ باہر سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اس کے بعد وہ سیڑھیاں اتر گیا۔ پاؤں میں جرابیں اور ہاتھوں میں جاگرز پکڑے وہ خالی الذہنی کے عالم میں عمارت کی عقبی دیوار کی طرف آ گیا۔ وہاں بھی ایک دروازہ اور کچھ سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں مگر وہ سیڑھیاں برف سے اٹی ہوئی تھیں۔ دروازے پر موجود لائٹ بھی روشن نہیں تھی۔ اس نے جھک کر سب سے اوپر والی سیڑھی کو اپنے جاگرز کے ساتھ صاف کیا اور برف صاف کرنے کے بعد وہاں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر پہلے ہونے والی برف باری اب ختم ہو چکی تھی۔ اس نے سیڑھی پر بیٹھ کر اپنے جاگرز پہن لیے۔ تسمے کسنے کے بعد وہ ایک بار پھر سیدھا ہو کر دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں تھے۔ جیکٹ کے ساتھ لگے ہوئے hood کو وہ سر پر چڑھا چکا تھا۔ سامنے سڑک پر اکا دکا گاڑیوں کی آمدورفت جاری تھی۔

وہ سیڑھیوں پر اپنی ٹانگیں پھیلائے اپنی پشت دروازے سے ٹکائے ان اکا دکا گاڑیوں اور فٹ پاتھ پر چلنے والے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ وہاں اس سرد اور کہر آلود رات میں کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوئے وہ کچھ دیر پہلے مسجد کے گرم کمرے سے زیادہ سکون محسوس کر رہا تھا یا کم از کم بہتر ضرور محسوس کر رہا تھا۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر لائٹر نکال لیا اور اسے جلا کر اپنے پیروں کے قریب سیڑھیوں پر پڑی برف کو پگھلانے لگا۔ کچھ دیر تک وہ اس سرگرمی میں مشغول رہا پھر جیسے اس نے اکتا کر لائٹر دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ جس وقت وہ سیدھا ہوا اس نے اپنے بالکل سامنے ایک عورت کو کھڑا پایا۔ وہ یقیناً اس وقت وہاں آ کر کھڑی ہوئی تھی جس وقت وہ سیڑھیوں پر جھکا اپنے دونوں پاؤں کے درمیان موجود برف کو لائٹر سے پگھلا رہا تھا۔ وہ نیم تاریکی میں بھی اس کے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ منی اسکرٹ اور ایک مختصر بلاؤز میں ملبوس تھی۔ اس نے فرکوٹ پہنا ہوا تھا مگر وہ فرکوٹ آگے سے دانستہ طور پر کھلا

چھوڑا گیا تھا۔

وہ فرکوٹ کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے سالار کے بالکل سامنے بڑے اسٹائل سے کھڑی تھی۔ سالار نے سر سے لے کر پاؤں تک اسے دیکھا۔ اس کی لمبی ٹانگیں اس سردی میں بھی برہنہ تھیں۔ اس کے عقب میں موجود دکانوں کی روشنیوں کے بیک گراؤنڈ میں اس کی ٹانگیں یک دم بہت نمایاں ہو رہی تھیں اور اس کی ٹانگیں بہت خوب صورت تھیں۔ کچھ دیر تک وہ ان سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ اس عورت کے پیروں میں بوٹ نما اونچی ہیل کے جوتے تھے۔ سالار حیران تھا وہ برف کے اس ڈھیر پر ان جوتوں کے ساتھ کس طرح چلتی ہو گی۔ "I charge 50 for an hour."

اس عورت نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا۔ سالار نے اس کی ٹانگوں سے نظریں ہٹا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر اس کی ٹانگوں پر گئیں۔ کئی سالوں میں پہلی بار اسے کسی پر ترس آیا۔ کیا مجبوری تھی کہ وہ اس برف باری میں بھی اس طرح برہنہ پھرنے پر مجبور تھی، جبکہ وہ اس موٹی جینز میں بھی سردی کو اپنی ہڈیوں میں گھستے محسوس کر رہا تھا۔ "OK 40 dollars."

اسے خاموش دیکھ کر اس عورت کو اندیشہ ہوا کہ شاید وہ قیمت اس کے لیے قابل قبول نہیں تھی، اس لیے اس نے فوراً اس میں کمی کر دی۔ سالار جانتا تھا پچاس ڈالرز بھی زیادہ تھے۔ وہ اس سڑک پر بیس ڈالرز میں بھی ایک گھنٹہ کے لیے کسی لڑکی کو حاصل کر سکتا تھا۔ وہ پینتیس چالیس سال کی تھی اور بات کرتے ہوئے محتاط نظروں سے سڑک پر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ سالار جانتا تھا یہ احتیاط کسی پولیس کار یا پولیس والے کے لیے تھی۔

"OK 30 .. No more bargaining."

"take it or leave it."

سالار کی خاموشی نے اس کی قیمت کو کچھ اور کم کیا۔ سالار نے اس بار کچھ بھی کہے بغیر اپنی جیکٹ کے اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہاں موجود چند کرنسی نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس کے پاس اس وقت والٹ نہیں تھا۔ اس عورت نے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر ان نوٹوں کو اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ وہ پہلا گاہک تھا، جو اسے ایڈوانس پے منٹ کر رہا تھا اور وہ بھی پچاس ڈالر، جبکہ وہ اپنی قیمت کم کر چکی تھی۔

"تم میرے ساتھ چلو گے یا میں تمہارے ساتھ۔" وہ اب بڑی بے تکلفی سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا، نہ تم میرے ساتھ۔ بس تم یہاں سے جاؤ۔" سالار نے ایک بار پھر سڑک کے دوسری طرف موجود دکانوں پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

وہ عورت بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

"واقعی؟"

"ہاں۔" سالار نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"تو پھر تم نے یہ کیوں دیے ہیں؟" اس عورت نے اپنے ہاتھ میں پکڑے نوٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

"تاکہ تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، میں سڑک کے اس پار ڈکانیں دیکھنا چاہتا ہوں اور تم اس میں رکاوٹ بن گئی ہو۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔

عورت بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسی۔ "تم اچھا مذاق کر لیتے ہو، کیا میں واقعی چلی جاؤں؟"

"ہاں۔"

وہ عورت کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ "او کے، ٹھیک یو ہنی۔" سالار نے اسے مڑ کر سڑک پار کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ لاشعوری طور پر اسے جاتا دیکھتا رہا۔ وہ سڑک پار کر کے ایک دوسرے کونے کی طرف جا رہی تھی، وہاں ایک اور آدمی کھڑا تھا۔

سالار نے دوبارہ نظریں ان دکانوں پر جمالیں، برف باری ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔ وہ پھر بھی اطمینان سے وہیں بیٹھا رہا۔ برف اب اس کے اوپر بھی گر رہی تھی۔

وہ رات کے ڈھائی بجے تک وہیں بیٹھا رہا جب سڑک کے پار دکانوں کی اندر کی لائٹس اس نے یکے بعد دیگرے بند ہوتے دیکھیں تو وہ اپنی جیکٹ اور جینز سے برف جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر وقفے وقفے سے وہ اپنی ٹانگیں ہلا نہ رہا ہوتا تو اس وقت تک وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے باوجود کھڑا ہو کر قدم اٹھانے میں اسے کچھ وقت ہوئی۔ چند منٹ وہیں کھڑا وہ اپنے پیروں کو جھٹکتا رہا اور پھر اسی طرح جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر واپس اپارٹمنٹ کی طرف جانے لگا۔ وہ جانتا تھا سعد نے اسے مسجد سے نکل کر بہت زیادہ ڈھونڈا ہوگا اور اس کے بعد وہ واپس چلا گیا ہوگا۔

☆......☆......☆

"کہاں چلے گئے تھے تم؟" سعد اسے دیکھتے ہی چلایا۔ وہ کچھ کہے بغیر اندر چلا آیا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" سعد دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آگیا۔ سالار اپنی جیکٹ اُتار رہا تھا۔

"کہیں نہیں گیا تھا۔" اس نے جیکٹ لٹکاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے کہ میں نے تمہیں کتنا تلاش کیا ہے، کہاں کہاں فون کیے ہیں اور اب تو میں اتنا پریشان ہو چکا تھا کہ پولیس کو فون کرنے والا تھا...... تم آخر اس طرح نماز چھوڑ کر گئے کہاں تھے؟"

سالار کچھ کہے بغیر اپنے جاگرز اُتارنے لگا۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے، کہیں نہیں۔"

"تو پھر اب تک کہاں تھے؟" سعد اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"وہیں تھا، مسجد کے پچھلے حصے میں فٹ پاتھ پر۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"واٹ! اتنے گھنٹے تم وہاں فٹ پاتھ پر برف میں بیٹھے رہے ہو۔" سعد دم بخود رہ گیا۔

"ہاں!"

"کوئی تک بنتی ہے اس حرکت کی۔" وہ کچھ جھلایا۔

"نہیں، کوئی تک نہیں بنتی۔" سالار نے اسی طرح سیدھا بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"کچھ کھایا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو کھانا کھالو۔"

"نہیں، بھوک نہیں ہے۔" وہ اب چھت پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ سعد اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"تمہارے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟ بتا سکتے ہو مجھے۔" سالار نے گردن کو ہلکی سی حرکت دے کر اسے دیکھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" بے تاثر لہجے میں کہا گیا۔ "میں سمجھا، تم اپنے اپارٹمنٹ چلے گئے ہو، مگر وہاں بار بار رنگ کرنے پر بھی تم نہ ملے۔" سعد بڑبڑا رہا تھا۔ سالار کی نظریں چھت پر ہی تھیں۔

"اس سے بہتر تھا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ نماز پڑھنے لے کر ہی نہ جاتا۔ آئندہ میرے ساتھ مت جانا تم۔" سعد نے ناراضی سے کہا۔ وہ اب اس کے بیڈ سے اٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اپنے کام بتاتا رہا پھر وہ نائٹ بلب آن کر کے اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس نے ابھی آنکھیں بند کی تھیں، جب اس نے سالار کی آواز سنی۔

"سعد!"

"ہاں!" اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"یہ "صراط مستقیم" کیا ہوتا ہے؟"

سادہ لہجے میں پوچھے گئے سوال نے سعد کو حیران کر دیا۔ اس نے گردن موڑ کر بائیں جانب بیڈ پر سیدھا لیٹے ہوئے سالار کو دیکھا۔

"صراط مستقیم...... سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔"

"جانتا ہوں مگر سیدھا راستہ کیا ہوتا ہے؟" اگلا سوال آیا۔

سعد نے اس کی طرف کروٹ لے لی۔ "سیدھا رستہ...... مطلب نیکی کا رستہ"

"نیکی کیا ہوتی ہے؟" لہجہ ابھی بے تاثر تھا۔

"اچھے کام کو نیکی کہتے ہیں۔"

"اچھا کام کیا ہوتا ہے؟"

"اچھا کام کوئی ایسا کام جو کسی دوسرے کے لئے کیا گیا ہو۔ کسی کی مدد کی گئی ہو۔ کسی پر مہربانی کی گئی ہو، وہ اچھا کام ہوتا ہے اور ہر اچھا کام نیکی ہوتی ہے۔"

"ابھی کچھ گھنٹے پہلے میں نے وہاں فٹ پاتھ پر ایک hawker کو پچاس ڈالر دیئے، جبکہ وہ صرف تین ڈالر مانگ رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے یہ نیکی ہوئی؟"

سعد کا دل چاہا وہ ایک گھونسا اس کے منہ پر کھینچ مارے، وہ عجیب آدمی تھا۔

"بکواس بند کرو اور سو جاؤ، مجھے بھی سونے دو۔" اس نے کمبل لپیٹ لیا۔

سالار کو حیرت ہوئی، وہ کس بات پر ناراض ہوا تھا۔ "تو یہ نیکی نہیں ہوئی؟"

"میں نے تم سے کہا ہے، اپنا منہ بند کرو اور سو جاؤ۔" سعد ایک بار پھر دھاڑا۔

"اتنا ناراض ہونے کی ضرورت تو نہیں ہے، میں نے تم سے ایک بہت معمولی سا سوال کیا ہے۔" سالار نے بڑے تحمل سے کہا۔

سعد یک دم کچھ مشتعل ہوتے ہوئے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس نے لیمپ آن کر دیا۔

"تمہارے جیسے آدمی کو میں کیا صراط مستقیم سمجھاؤں۔ کیا تم پاگل ہو یا جاہل ہو یا غیر مسلم ہو کیا ہو کچھ بھی نہیں ہو تمہیں خود پتا ہونا چاہئے کہ صراط مستقیم کیا ہوتا ہے مگر تم جیسا آدمی جو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے نماز درمیان میں چھوڑ کر چلا آتا ہے، وہ کیسے جان سکتا ہے یہ۔"

"میں نماز اس لئے چھوڑ کر چلا آیا کیونکہ تم کہتے ہو اس میں سکون ملے گا۔ مجھے سکون نہیں ملا، میں چھوڑ آیا۔" اس کے پر سکون انداز میں کہے ہوئے جملے نے سعد کو مزید مشتعل کیا۔

"تمہیں نماز میں اس لئے سکون نہیں ملا، کیونکہ مسجد تمہاری جگہ نہیں ہے، تمہارے لئے سکون کی جگہیں سینما، تھیٹر، بار اور کلب ہیں۔ مسجد تمہارے لئے نہیں ہے۔ تمہیں نماز میں سکون کہاں سے مل جاتا ...... اور تم چاہتے ہو، میں تمہیں بتاؤں صراط مستقیم کیا ہوتا ہے۔"

وہ بیڈ پر سیدھا لیٹا پلکیں جھپکائے بغیر سعد کو دیکھتا رہا۔

"تمہارے جیسا شخص جو نماز سے بھاگ جاتا ہے، شراب پیتا اور زنا کرتا ہے۔ وہ صراط مستقیم کے مطلب کو سمجھ سکتا ہے نہ اس پر آ سکتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے جو شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں مگر نماز سے بھاگتے نہیں، نماز بھی پڑھ لیتے

ہیں، وہ صراط مستقیم کا مطلب سمجھتے ہیں اور صراط مستقیم پر ہیں۔"

سعد کچھ بول نہیں سکا۔ مدھم آواز اور بے تاثر لہجے میں کئے گئے ایک ہی سوال نے اسے خاموش کر دیا تھا۔ سالار اب بھی اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے سالار!" اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ سالار کے کانوں میں ایک جھماکے کے ساتھ ایک دوسری آواز گونج اٹھی تھی۔

"ہاں، میں واقعی نہیں سمجھ سکتا۔ لائٹ آف کر دو، مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے مزید کچھ کہے بغیر آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆ ☆

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم اپنے اپارٹمنٹ پر ہی ہو گے، صرف تم نے جان بوجھ کر answerphone لگا دیا ہوگا۔"

سعد اگلے دن دس بجے سالار کے اپارٹمنٹ پر موجود تھا۔ سالار نے نیند میں اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

"تم اس طرح بتائے بغیر بھاگ کیوں آئے میرے اپارٹمنٹ سے۔" سعد نے اندر آتے ہوئے جھاڑا۔

"بھاگا تو نہیں، تم سو رہے تھے، میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" سالار نے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا۔

"کس وقت آئے تھے تم؟"

"شاید چار پانچ بجے۔"

"یہ جانے کا کون سا وقت تھا؟" سعد نے تنک کر کہا۔

"اور تم اس طرح آئے کیوں؟" سالار کچھ کہنے کے بجائے لونگ روم کے صوفہ پر جا کر اوندھے منہ لیٹ گیا۔

"شاید میری باتوں سے تم ناراض ہو گئے تھے۔ میں اسی لئے ایکسکیوز کرنے آیا ہوں۔" سعد نے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کون سی باتوں سے؟" سالار نے گردن کو ہلکا سا ترچھا کرتے ہوئے اسی طرح لیٹے سعد سے پوچھا۔

"وہی سب کچھ جو میں نے کچھ غصے میں آ کر رات کو تم سے کہہ دیا۔" سعد نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"نہیں، میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو ناراض نہیں ہو سکتا۔ تم نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس پر تمہیں ایکسکیوز کرنے کے لئے یہاں آنا پڑتا۔" سالار نے اسی کے انداز میں کہا۔

"پھر تم اس طرح اچانک میرے اپارٹمنٹ سے کیوں آ گئے؟" سعد بضد ہوا۔

"بس میرا دل گھبرا گیا اور میں یہاں آ گیا اور چونکہ سونا چاہتا تھا اس لئے answerphone لگا دیا۔" سالار نے پر سکون انداز میں کہا۔ "پھر بھی میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ مجھے تم سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ میں صبح سے بہت پچھتا رہا ہوں۔"

"جانے دو یار۔" اس نے اسی طرح چہرہ صوفے پر چھپائے کہا۔

"سالار! تمہارے ساتھ آج کل پرابلم کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"نہیں، کچھ نہ کچھ تو ہے۔ کچھ عجیب سے ہوتے جا رہے ہو تم۔"

اس بار سالار ایک دم کروٹ بدلتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔ چت لیٹے سعد کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"مثلاً کون سی بات عجیب سی ہوتی جا رہی ہے مجھ میں۔"

"بہت ساری ہیں، تم بہت چپ چپ رہنے لگے ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اُلجھنے لگے ہو۔ عباد مجھے بتا رہا تھا کہ یونیورسٹی جانا بھی چھوڑا ہوا ہے تم نے اور سب سے بڑی بات کہ مذہب میں دلچسپی لے رہے ہو۔" اس کے آخری جملے میں سالار کے ماتھے پر تیوریاں آ گئیں۔

"مذہب میں دلچسپی؟ یہ تمہیں غلط فہمی ہے۔ میں مذہب میں دلچسپی لینے کی کوشش نہیں کر رہا، میں صرف سکون حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کیونکہ میں بہت ڈپریس ہوں۔ مجھے زندگی میں کبھی اس طرح کا..... اور اس حد تک ڈپریشن نہیں ہوا جس کا شکار میں آج کل ہوں اور میں صرف اس ڈپریشن سے نجات حاصل کرنے کے لئے رات نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا تھا۔ اس نے بہت ترشی سے کہا۔

"ڈپریشن کیوں ہے تمہیں؟" سعد نے پوچھا۔

"اگر یہ مجھے پتا ہوتا تو مجھے یقیناً ڈپریشن نہ ہوتا۔ میں اب تک اس کا کچھ نہ کچھ کر چکا ہوتا۔"

"پھر بھی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی۔ یوں بیٹھے بٹھائے ڈپریشن تو نہیں ہو جاتا۔" سعد نے تبصرہ کیا۔

سالار جانتا تھا، وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، مگر وہ اسے وجہ بتا کر خود پر ہنسنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کسی دوسرے کے بارے میں تو مجھے پتا نہیں، مگر مجھے تو بیٹھے بٹھائے ہی ہو جاتا ہے۔" سالار نے کہا۔

"تم کوئی اینٹی ڈیپریسنٹ لے لیتے۔" سعد نے کہا۔

"میں ان کا ڈھیر کھا چکا ہوں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔"

"تو تم کسی سائیکاٹرسٹ سے مل لیتے۔"

"میں یہ کام تو کبھی نہیں کروں گا، میں تنگ آ چکا ہوں ان لوگوں سے ملتے ملتے۔ کم از کم اب تو میں نہیں ملوں گا۔" سالار نے بے اختیار کہا۔

"پہلے کس سلسلے میں ملتے رہے ہو تم؟" سعد نے کچھ چونک کر تجسس کے عالم میں پوچھا۔ "بہت سی باتیں تھیں، تم انہیں رہنے دو۔" وہ اب چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔

"تو پھر تم ایسا کرو کہ عبادت کیا کرو، نماز پڑھا کرو۔"

"میں نے کوشش کی تھی مگر میں نماز نہیں پڑھ سکتا نہ تو مجھے وہاں کوئی سکون ملا، نہ ہی میں یہ جانتا تھا کہ میں جو پڑھ رہا ہوں وہ کیا ہے، کیوں پڑھ رہا ہوں۔"

"تو تم یہ جاننے کی کوشش کرو کہ ..... "

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب پھر رات والی بحث شروع ہو جائے گی، صراطِ مستقیم والی اور پھر تمہیں غصہ آئے گا۔"

"نہیں، مجھے غصہ نہیں آئے گا۔" سعد نے کہا۔

"جب مجھے یہ ہی نہیں پتا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے تو پھر میں نماز کیسے پڑھ سکتا ہوں۔"

"تم نماز پڑھنا شروع کرو گے تو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے۔"

"کیسے؟"

"تم خود ہی غلط کاموں سے بچنے لگو گے، اچھے کام کرنے لگو گے۔" سعد نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

"مگر میں کوئی غلط کام نہیں کرتا اور نہ ہی مجھے اچھے کام کرنے کی خواہش ہے۔ میری زندگی نارمل ہے۔"

"تمہیں یہ احساس ہو بھی نہیں سکتا کہ تمہارا کون سا کام صحیح ہے اور کون سا غلط۔ جب تک کہ "

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔

"صحیح اور غلط کام میرا مسئلہ نہیں ہے --- ابھی تو مجھے بس بے سکونی رہتی ہے اور اس کا تعلق میرے کاموں سے نہیں ہے۔"

"تم وہ تمام کام کرتے ہو جو انسان کی زندگی کو بے سکون کر دیتے ہیں۔"

"مثلاً؟" سالار نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم پورک کھاتے ہو۔"

"کم آن۔" وہ بے اختیار بلبلایا۔ "پورک یہاں کہاں آ گیا، تم مجھے ایک بات بتاؤ۔" سالار اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ "تم تو بڑی باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہو، بڑی عبادت کرتے ہو، نماز نے تمہاری زندگی میں

کون سی تبدیلیاں کر دیں؟"

"مجھے بے سکونی نہیں ہے۔"

"حالانکہ تمہارے فارمولے کے مطابق تمہیں بھی بے سکونی ہونی چاہئے، کیونکہ تم بھی بہت سے غلط کام کرتے ہو۔" سالار نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"مثلاً میں کیا غلط کام کرتا ہوں؟"

"تم جانتے ہو، میرے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں میں نہیں جانتا، تم دہراؤ۔" سعد نے جیسے اسے چیلنج کیا۔

سالار اسے کچھ دیر دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "میں نہیں سمجھتا سعد کہ صرف عبادت کرنے سے زندگی میں کوئی بہت نمایاں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ اچھے کاموں یا کردار کا تعلق عبادت کرنے یا نہ کرنے سے نہیں ہوتا۔"

سعد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں اسی لئے تم سے کہتا ہوں کہ اپنے مذہب میں کچھ دلچسپی لو، اسلام کے بارے میں کچھ علم حاصل کرو تاکہ اپنی اس غلط قسم کی فلاسفی اور سوچ کو بدل سکو۔"

"میری سوچ غلط نہیں ہے۔ میں نے مذہبی لوگوں سے زیادہ جھوٹے، منافق اور دھوکے باز کسی کو نہیں پایا۔ میں اُمید کرتا ہوں تم برا نہیں مانو گے، مگر میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ابھی تک مجھے تین ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا جو بہت بڑے مسلمان بنتے ہیں اور اسلام کی بات کرتے ہیں اور تینوں fake (منافق) ہیں۔" وہ بڑی تلخی سے کہہ رہا تھا۔

"سب سے پہلے میں ایک لڑکی سے ملا، وہ بھی بڑی مذہبی بنتی تھی، پردہ کرتی تھی، بڑی پارسا اور پاک باز ہونے کا ڈرامہ کرتی تھی اور ساتھ میں ایک لڑکے کے ساتھ افیئر چلا رہی تھی، اپنے منگیتر کے ہوتے ہوئے اس کے لئے گھر سے بھاگ بھی گئی۔ اسے ضرورت پڑی تو اس نے ایک ایسے شخص کی بھی مدد لی جسے وہ بہت برا سمجھتی تھی یعنی اسے اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھا ان محترمہ پارسا خاتون نے۔" اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

"اس کے بعد میں ایک اور آدمی سے ملا جس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ بڑا پکا اور سچا قسم کا مسلمان تھا وہ بھی لیکن اس نے اس لڑکی کی مدد نہیں کی، جس نے اس سے بھیک مانگنے کی حد تک مدد مانگی تھی۔ اس نے اس لڑکی سے شادی نہیں کی جسے وہ محبت کے نام پر بے وقوف بناتا رہا اور ابھی کچھ عرصہ پہلے میں یہاں امریکہ میں اس سے ملا تو اس کی داڑھی بھی غائب ہو چکی تھی، شاید اس کے اسلام کے ساتھ۔"

وہ ہنسا۔ "اور تیسرے تم ہو ..... تم پورک نہیں کھاتے، صرف یہ ایک حرام کام ہے، جو تم نہیں کرتے، باقی تمہارے لئے سب کچھ جائز ہے۔ جھوٹ بولنا، شراب پینا، زنا کرنا، کلب میں جانا ... غیبت

کرنا، دوسروں کا مذاق اُڑانا، حالانکہ ویسے تم بڑے نیک ہو، تم نے داڑھی رکھی ہوئی ہے، تم ہمارا دماغ کھا جاتے ہو اسلام کی باتیں کر کر کے۔ زبردستی نماز پڑھانے پر تلے رہتے ہو، ہر بات میں مذہب کا حوالہ لے آتے ہو، یہ آیت اور وہ حدیث وہ آیت اور یہ حدیث اس کے علاوہ تمہاری زبان پر اور کچھ ہوتا ہی نہیں اور جب میں تمہارا عمل دیکھتا ہوں تو میں ذرہ بھر بھی تم سے متاثر نہیں ہوتا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے اسلام کے بارے میں تمہارا لیکچر سننا، میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ مجھ میں اور تم میں زیادہ فرق تو نہیں ہے۔ تم داڑھی رکھ کر اور اسلام اسلام کر کے وہ سارے کام کرتے ہو جو میں داڑھی کے اور اسلام کی بات کئے بغیر کرتا ہوں۔ عبادت نے کیا انقلاب برپا کیا ہے تمہاری زندگی میں، سوائے اس کے کہ تمہیں ایک خوش فہمی ہو گئی ہے کہ تم تو سیدھے جنت میں جاؤ گے اور ہم سارے دوزخ میں۔ تمہارے قول و فعل میں اگر یہ تضاد نہ ہو تو میں کبھی تم سے یہ سب نہ کہتا مگر میں تم سے ریکویسٹ کرتا ہوں کہ تم دوسروں کو مذہب کی طرف راغب کرنے کی کوشش نہ کیا کرو، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ تم خود بھی مذہب کے صحیح مفہوم سے واقف نہیں ہو۔ اب میری ان ساری باتوں کو مائنڈ مت کرنا۔"

سالار اب ٹیبل پر پڑا ایک سگریٹ سلگا رہا تھا۔ سعد تقریباً گونگا ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے، مجھ سے کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں، مگر اللہ انسان کو معاف کر دیتا ہے اور میں نے کبھی یہ تو نہیں کہا کہ میں بہت ہی اچھا مسلمان ہوں اور میں ضرور جنت میں جاؤں گا لیکن میں اگر ایک اچھا کام کرتا ہوں اور دوسروں کو اس کی ہدایت کرتا ہوں تو یہ اللہ کی طرف سے مجھ پر فرض ہے۔"

سعد نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس سے کہا۔

"سعد! تم خواہ مخواہ دوسروں کی ذمہ داری اپنے سر پر مت لو، پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرو، پھر دوسروں کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرو تاکہ کوئی تمہیں منافق نہ کہہ سکے اور جہاں تک اللہ کے معاف کر دینے کا تعلق ہے تو اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ تمہاری غلطیوں کو معاف کر سکتا ہے تو پھر وہ ہمیں بھی معاف کر سکتا ہے۔ ہمارے گناہوں کے لئے تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے سے تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہو گا اور تم اپنے گناہوں سمیت اللہ کے قریب ہو جاؤ گے تو ایسا نہیں ہو گا۔ بہتر ہے تم اپنا ٹریک ریکارڈ ٹھیک کرو، صرف اپنے آپ کو دیکھو، دوسروں کو نیک بنانے کی کوشش نہ کرو، ہمیں برا ہی رہنے دو۔"

اس نے ترشی سے کہا۔ اس لمحے اس کے دل میں جو آیا اس نے سعد سے کہہ دیا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا تو سعد اٹھ کر چلا گیا۔

اس دن کے بعد اس نے دوبارہ کبھی سالار کے سامنے اسلام کی بات نہیں کی۔

☆ ☆ ☆

وہ اس ویک اینڈ پر بہت دنوں کے بعد کسی ریسٹورنٹ گیا تھا۔ اپنا آرڈر ویٹر کو نوٹ کروانے کے بعد وہ ریسٹورنٹ کے شیشوں سے باہر سڑک کو دیکھنے لگا۔ وہ جس میز پر بیٹھا تھا وہ کھڑکی کے قریب تھی اور قد آدم کھڑکیوں کے شیشوں کے پاس بیٹھ کر اسے یونہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ باہر فٹ پاتھ پر بیٹھا ہوا تھا۔

کسی لڑکی کی سسکیوں نے اس کی محویت کو توڑا تھا، اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا۔ اس سے پچھلی میز پر ایک لڑکا اور لڑکی بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی کسی بات پر روتے ہوئے سسکیاں لے رہی تھی اور ٹشو کے ساتھ اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔ لڑکا اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے شاید اسے تسلی دے رہا تھا۔ ریسٹورنٹ اتنا چھوٹا اور ٹیبلز اتنی قریب قریب تھیں کہ وہ بڑی آسانی سے ان کی گفتگو سن سکتا تھا مگر وہ وہاں اس کام کے لئے نہیں آیا تھا، وہ سیدھا ہو گیا۔ ناگواری کی ایک لہر سی اس کے اندر سے اٹھی تھی۔ اسے اس طرح کے تماشے اچھے نہیں لگتے تھے۔ اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا، وہ وہاں سکون سے کچھ وقت گزارنے آیا تھا اور یہ سب کچھ۔ اس کا دل اچاٹ ہونے لگا۔ وہ دونوں رشین تھے اور اسی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا مگر غیر محسوس طور پر اس کی سماعتیں ابھی بھی ان ہی سسکیوں کی طرف مرکوز تھیں۔ اس نے کچھ دیر بعد مڑ کر ایک بار پھر اس لڑکی کو دیکھا۔ اس بار اس کے مڑنے پر لڑکی نے بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ چند لمحوں کے لئے ان دونوں کی نظریں ملی تھیں اور وہ چند لمحے اس پر بہت بھاری گزرے تھے۔ اس کی آنکھیں متورم اور سرخ ہو رہی تھیں۔ اسے یک دم ایک اور چہرہ یاد آیا۔ امامہ ہاشم کا چہرہ، اس کی متورم آنکھیں۔

ویٹر اس کا آرڈر لے کر آ چکا تھا اور وہ اسے سرو کرنے لگا۔ اس نے پانی کے چند گھونٹ پیتے ہوئے اپنے ذہن سے اس چہرے کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ اس نے چند گہرے سانس لئے۔ ویٹر نے اپنا کام کرتے کرتے اسے غور سے دیکھا مگر سالار کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔

"آج موسم بہت اچھا ہے اور میں یہاں اچھے لمحے گزارنے آیا ہوں۔ ایک اچھا کھانا کھانے آیا ہوں، اس کے بعد میں یہیں سے ایک فلم دیکھنے جاؤں گا۔ مجھے اس لڑکی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہئے، کسی بھی طرح نہیں۔ وہ پاگل تھی، وہ بکواس کرتی تھی اور مجھے اس کے حوالے سے کسی قسم کا کوئی پچھتاوا نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے کیا پتا وہ کہاں گئی، کہاں مری، یہ سب اس نے خود کیا تھا۔ میں نے صرف مذاق کیا تھا اس کے ساتھ۔ وہ مجھ سے رابطہ کرتی تو میں اسے طلاق دے دیتا۔"

لاشعوری طور پر خود کو سمجھاتے سمجھاتے ایک بار پھر اس کا پچھتاوا اس کے سامنے آنے لگا تھا۔ پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کی سسکیاں اب اس کے دماغ میں نیزے کی انی کی طرح چبھ رہی تھیں۔

"میں اپنی ٹیبل تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے بہت کھردرے انداز میں ویٹر کو مخاطب کیا۔ ویٹر حیران ہو گیا۔

"کس لئے سر؟"

"یا تو ان دونوں کی ٹیبل تبدیل کر دو یا میری۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ ویٹر نے ایک نظر اس جوڑے کو دیکھا پھر وہ سالار کا مسئلہ سمجھا یا نہیں مگر اس نے کونے میں لگی ہوئی ایک ٹیبل پر سالار کو بٹھا دیا۔ سالار کو چند لمحوں کے لئے وہاں آ کر واقعی سکون ملا تھا۔ سسکیوں کی آواز اب وہاں نہیں آ رہی تھی مگر اب اس لڑکی کا چہرہ اس کے بالکل سامنے تھا۔ چاولوں کا پہلا چمچ منہ میں ڈالتے ہی اس کی نظر اس لڑکی پر دوبارہ پڑ گئی۔

وہ ایک بار پھر بدمزہ ہو گیا اسے ہر چیز یک دم بے ذائقہ لگنے لگی تھی۔ یہ یقیناً اس کی ذہنی کیفیت تھی، ورنہ وہیں کا کھانا بہت اچھا ہوتا تھا۔

"انسان نعمتوں کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔ یہ میری زبان پر ذائقہ چکھنے کی حس ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ میں اگر کوئی چیز کھاتی ہوں تو میں اس کا ذائقہ محسوس کر سکتی ہوں۔ اچھا کھانا کھا کر خوشی محسوس کر سکتی ہوں۔ بہت سے لوگ اس نعمت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔"

اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی تھی اور یہ شاید انتہا ثابت ہوئی۔ وہ کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ اس نے پوری قوت سے چمچ اپنی پلیٹ میں پٹخا اور بلند آواز میں دھاڑا۔

"شٹ اپ۔ جسٹ شٹ اپ۔" ریسٹورنٹ میں یک دم خاموشی چھا گئی۔

"یو چیپ   بچ باسٹرڈ۔ جسٹ شٹ اپ۔" وہ اب اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"تم میرے ذہن سے نکل کیوں نہیں جاتیں؟"

دونوں کنپٹیوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ چلایا۔

"میں تمہیں مار ڈالوں گا، اگر تم مجھے دوبارہ نظر آئیں۔"

وہ ایک بار پھر چلایا اور پھر اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پیا اور اس وقت پہلی بار اسے ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگوں، ان کی نظروں کا احساس ہوا، وہ سب اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک ویٹر اس کی طرف آ رہا تھا، اس کے چہرے پر تشویش تھی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے سر!"

سالار نے کچھ بھی کہے بغیر اپنا والٹ نکالا اور چند کرنسی نوٹ ٹیبل پر رکھ دیئے۔ ایک لفظ بھی مزید کہے بغیر وہ ریسٹورنٹ سے نکل گیا۔

وہ امامہ نہیں تھی، ایک بھوت تھا جو اسے چمٹ گیا تھا۔ وہ جہاں جاتا وہ وہاں ہوتی۔ کہیں اس کا چہرہ،

کبھی اس کی آواز اور جہاں یہ دونوں چیزیں نہ ہوتیں وہاں سالار کا پچھتاوا ہوتا۔ وہ ایک چیز بھولنے کی کوشش کرتا تو دوسری چیز اس کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی۔ بعض دفعہ وہ اتنا مشتعل ہو جاتا کہ اس کا دل چاہتا وہ اسے دوبارہ ملے تو وہ اس کا گلا دبا دے یا اسے شوٹ کر دے۔ اسے اس کی ہر بات سے نفرت تھی۔ اس رات اس کے ساتھ سفر میں گزارے ہوئے چند گھنٹے اس کی پوری زندگی کو تباہ کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

"مگر آپ کیوں آ رہے ہیں؟" سالار نے جھنجلا کر اپنے سب سے بڑے بھائی سے پوچھا۔ وہ دونوں فون پر بات کر رہے تھے اور اس نے سالار کو چند دنوں بعد نیو ہیون آنے کی اطلاع دی تھی۔ سالار اس وقت روٹین کی زندگی گزار رہا ہوتا تو وہ اس اطلاع پر یقیناً خوش ہوتا مگر وہ اس وقت ذہنی ابتری کے جس دور سے گزر رہا تھا اس میں کامران کا آنا اسے بے حد ناگوار گزر رہا تھا اور وہ یہ ناگواری چھپا بھی نہیں سکا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا، کیوں آ رہے ہیں تم سے ملنے کے لئے آ رہا ہوں۔" کامران اس کے لہجے پر کچھ حیران ہوا۔ "اور پاپا نے بھی کہا ہے کہ میں تم سے ملنے کے لئے جاؤں۔" وہ ہونٹ بھینچے اس کی بات سنتا رہا۔

"تم مجھے ایئرپورٹ سے پک کر لینا۔ میں تمہیں ایک دن پہلے اپنی فلائٹ کی ٹائمنگ کے بارے میں بتا دوں گا۔"

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

چار دن کے بعد اس نے کامران کو ایئرپورٹ سے ریسیو کیا۔ وہ سالار کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"تم بیمار ہو؟" اس نے چھوٹتے ہی سالار سے پوچھا۔

"نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" سالار نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"لگ تو نہیں رہے ہو۔" کامران کی تشویش میں کچھ اور اضافہ ہونے لگا۔ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کیا کرتا تھا، آج خلافِ معمول وہ آنکھیں چرا رہا تھا۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھی وہ بہت غور سے سالار کو دیکھتا رہا۔ وہ بے حد احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ کامران کو حیرانی ہوئی تھی، وہ اس قدر ریش ڈرائیو کرتا تھا کہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بڑے سے بڑا دل والا آدمی ڈرتا تھا۔ صرف یہ ایک مثبت تبدیلی لگی تھی مگر یہ واحد مثبت تبدیلی تھی جو اس نے محسوس کی تھی۔ باقی تبدیلیاں اس کو پریشان کر رہی تھیں۔

"اسٹڈیز کیسی جا رہی ہیں تمہاری؟"

"ٹھیک ہیں۔"

اسے سفر کے دوران بھی اسی طرح کے جواب ملتے رہے تھے۔ یہ اس کے اپارٹمنٹ کی حالت تھی جس نے کامران کے اضطراب کو اتنا بڑھایا تھا کہ وہ کچھ مشتعل ہو گیا تھا۔

"یہ تمہارا اپارٹمنٹ ہے سالار مائی گاڈ۔" سالار کے پیچھے اس کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی وہ چلا اٹھا تھا۔ سالار اپنی چیزوں کو جس طرح منظم رکھنے کا عادی تھا وہ نظم و ضبط وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہاں ہر چیز ابتر حالت میں نظر آ رہی تھی۔ جگہ جگہ اس کے کپڑے، جرابیں اور جوتے بکھرے پڑے تھے۔ کتابوں، اخباروں اور میگزینز کا بھی یہی حال تھا۔ کچن کی حالت سب سے بری تھی اور باتھ روم کی اس سے بھی زیادہ۔ کامران نے کچھ شاک کی حالت میں پورے اپارٹمنٹ کا جائزہ لیا۔

"کتنے ماہ سے تم نے صفائی نہیں کی ہے؟"

"میں ابھی کر دیتا ہوں۔" سالار نے سرد مہری کے عالم میں چیزیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم اس طرح رہنے کے عادی تو نہیں تھے اب کیا ہوا ہے؟" کامران بہت پریشان تھا۔ کامران نے اچانک ایک میز پر سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری ایش ٹرے کے پاس جا کر سگریٹ کے ٹکڑوں کو سونگھنا شروع کر دیا۔ سالار نے چبھتی ہوئی تیز نظروں سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ کامران نے چند لمحوں کے بعد وہ ایش ٹرے نیچے پٹخ دیا۔

Salar! what are you upto this time?

"مجھے صاف صاف بتاؤ، کیا ہے۔ ڈرگز استعمال کر رہے ہو تم؟"

"نہیں، میں کچھ استعمال نہیں کر رہا۔" اس کے جواب نے کامران کو خاصا مشتعل کر دیا۔ وہ اسے کندھے سے پکڑ کر تقریباً کھینچتے ہوئے باتھ روم کے آئینے کے سامنے لے آیا۔

"شکل دیکھو اپنی، ڈرگ ایڈکٹ والی شکل ہے یا نہیں اور حرکتیں تو بالکل ایسی ہی ہیں۔ دیکھو، نظریں اٹھاؤ اپنی، چہرہ دیکھو اپنا۔"

وہ اسے اب کالر سے کھینچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سالار آئینے میں اپنے آپ کو دیکھے بغیر بھی جانتا تھا کہ وہ اس وقت کیسا نظر آ رہا ہو گا۔ گہرے حلقوں اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ کیسا نظر آ سکتا تھا۔ رہی سہی کسر اس کے مہاسوں اور ہونٹوں پر جمی ہوئی پپڑیوں نے پوری کر دی تھی جو بے تحاشا کافی اور سگریٹ پینے کا نتیجہ تھے۔ مہاسوں کی وجہ سے اس نے روز شیو کرنی بند کر دی تھی۔ کچھ ناراضی کے عالم میں اس نے کامران سے اپنا کالر چھڑایا اور آئینے پر نظریں ڈالے بغیر باتھ روم سے نکلنے کی کوشش کی۔

"لعنت برس رہی ہے تمہاری شکل پر۔"

لعنت وہ لفظ تھا جو کامران اکثر استعمال کیا کرتا تھا سالار نے پہلے کبھی اس لفظ کو محسوس نہیں کیا تھا مگر اس وقت کامران کے منہ سے یہی جملہ سن کر وہ جیسے بھڑک اٹھا تھا۔

"ہاں، لعنت بھی رہتی ہے میری شکل پر تو؟" وہ قدرے بپھرے ہوئے انداز میں کامران کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

"جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں ڈرگز نہیں لے رہا تو میں نہیں لے رہا۔ آپ کو میرا یقین کرنا چاہئے۔"

"تم پر یقین "

کامران نے طنزیہ لہجے میں اس کے پیچھے باتھ روم سے باہر آتے ہوئے کہا۔ اس نے ہونٹ بھینچ لئے اور کمرے کی چیزیں سمیٹنے کا کام جاری رکھا۔

"یونیورسٹی جا رہے ہو تم؟" سعد کو اچانک ایک اور اندیشہ ہوا۔

"جا رہا ہوں۔" وہ چیزیں اٹھاتا رہا کامران کو تسلی نہیں ہوئی۔

"میرے ساتھ ہاسپٹل چلو، میں تمہارا چیک اپ کروانا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ یہ سب کرنے آئے ہیں تو بہتر ہے واپس چلے جائیں میں کوئی کنڈر گارٹن کا بچہ نہیں ہوں۔ میں اپنا خیال رکھ سکتا ہوں۔" کامران نے اس بار کچھ کہنے کے بجائے اس کے ساتھ مل کر چیزیں اٹھانی شروع کر دیں۔ سالار نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ اس معاملے پر دوبارہ بحث نہیں کرے گا مگر اس کا یہ اندازہ غلط تھا۔ کامران نے اس کے پاس اپنے قیام کو لمبا کر دیا۔ وہ تین دن کے بجائے وہ پورا ایک ہفتہ وہاں رہا۔ سالار اس کے قیام کے دوران باقاعدگی سے یونیورسٹی جاتا رہا مگر کامران اس دوران اس کے دوستوں اور یونیورسٹی کے پروفیسرز سے ملتا رہا۔ سمسٹر میں فیل ہونے کی خبر بھی اسے سالار کے دوستوں سے ہی ملی تھی اور کامران کے لئے یہ ایک شاک تھا۔ سالار سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی تھی، مگر سمسٹر میں فیل ہونا اور وہ بھی اس بری طرح سے جبکہ وہ کچھ عرصہ پہلے تک یونیورسٹی کے پچھلے ریکارڈ بریک کرتے ہوئے ٹاپ کر رہا تھا۔

اس بار اس نے سالار سے اس معاملے کو ڈسکس نہیں کیا بلکہ پاکستان سکندر عثمان کو فون کر کے اس سارے معاملے سے آگاہ کر دیا۔ سکندر عثمان کے پیروں تلے سے ایک بار پھر زمین نکل گئی تھی۔ سالار نے اپنا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھا تھا۔ وہ ایک ڈیڑھ سال کے بعد ان کے لئے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ کھڑا کر رہا تھا اور ہاشم مبین والے معاملے کو بھی اتنا ہی عرصہ ہونے والا تھا۔

"آپ ابھی اس سے اس معاملے پر بات نہ کریں۔ یونیورسٹی میں کچھ چھٹیاں ہونے والی ہیں، آپ اسے پاکستان بلا لیں، کچھ عرصے کے لئے وہیں رکھیں پھر ممی سے کہیں کہ وہ اس کے ساتھ واپس یہاں آ جائیں اور جب تک اس کی تعلیم ختم نہیں ہوتی اس کے ساتھ رہیں۔" کامران نے سکندر عثمان کو سمجھایا۔

سکندر نے اس بار ایسا ہی کیا تھا۔ وہ بتائے بغیر چھٹیاں شروع ہونے سے پہلے نیو ہیون پہنچ گئے۔ اس کا حلیہ دیکھ کر سکندر عثمان کے پیٹ میں گرہیں پڑنے لگی تھیں مگر انہوں نے کامران کی طرح

اس سے بحث نہیں کی۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ پاکستان چلنے کے لئے کہا۔ اس کے احتجاج اور تعلیمی مصروفیات کے بہانے کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے زبردستی اس کی سیٹ بک کروا دی اور اسے پاکستان لے آئے۔

☆ ☆ ☆

وہ رات ایک بجے پاکستان پہنچے۔ سکندر اور طیبہ سونے کے لئے چلے گئے۔ وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد اپنے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ لائٹ آف کر کے اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ فلائٹ کے دوران سوتا رہا تھا، اس لئے اس وقت اسے نیند محسوس ہو رہی تھی۔ شاید یہ جغرافیائی تبدیلی تھی جس کی وجہ سے وہ سو نہیں پا رہا تھا۔

"میں واقعی آہستہ آہستہ بے خوابی کا شکار ہو جاؤں گا۔"

اس نے تاریکی میں کمرے کی چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر اسی طرح بیڈ پر کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی کھڑکیوں کی طرف جاتے ہوئے اس نے پردوں کو ہٹا دیا۔ اس کی کھڑکیوں کے پار وسیع سائیڈ لان کے دوسرے طرف ہاشم مبین کا گھر نظر آ رہا تھا۔ اس نے اتنے سالوں اس کھڑکی کے پردے آگے پیچھے کرتے کبھی ہاشم مبین کے گھر پر غور نہیں کیا تھا۔ مگر اس وقت وہ بہت دیر تک تاریکی میں اس گھر کے اوپر والے فلور کی لائٹس میں نظر آنے والی اس عمارت کو دیکھتا رہا۔ بہت ساری باتیں اسے یک دم یاد آنے لگی تھیں۔ اس نے پردے ایک بار پھر برابر کر دیئے۔

"وسیم کے گھر والوں کو امامہ کا پتا چلا؟"

اس نے اگلے دن ناصرہ کو بلا کر پوچھا۔ ناصرہ نے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"نہیں جی، کہاں پتا چلا۔ انہوں نے تو ایک ایک جگہ چھان ماری ہے، مگر کہیں سے کچھ پتا نہیں چلا۔ انہیں شک ابھی بھی آپ پر ہی ہے۔ سلمیٰ بی بی تو بہت گالیاں دیتی ہیں آپ کو۔" سالار اسے دیکھتا رہا۔

"گھر کے نوکروں سے بھی پولیس نے بڑی پوچھ گچھ کی تھی مگر میں نے تو مجال ہے ذرا بھی کچھ بتایا ہو۔ انہوں نے مجھے کام سے بھی نکال دیا تھا۔ مجھے بھی، میری بیٹی کو بھی پھر بعد میں دوبارہ رکھ لیا۔ آپ کے بارے میں مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں۔ شاید رکھا بھی ان لوگوں نے دوبارہ اسی لئے ہے کہ یہاں کی خبریں میں وہاں دیتی رہوں۔ میں بھی آئیں بائیں شائیں کر کے ٹال دیتی ہوں۔" وہ بات کو کہاں سے کہاں لے کر جا رہی تھی۔

سالار نے فوراً مداخلت کی۔ "پولیس ابھی بھی ڈھونڈ رہی ہے ؟"

"ہاں جی! ابھی بھی تلاش کر رہے ہیں۔ مجھے زیادہ تو پتا نہیں، وہ لوگ ہر چیز چھپاتے ہیں نوکروں

ے۔ امامہ بی بی کی بات بھی نہیں کرتے ہمارے سامنے مگر پھر بھی کبھی کبھار کوئی اڑتی اڑتی خبر مل جاتی ہے ہمیں۔ سالار صاحب! کیا آپ کو بھی امامہ بی بی کا پتا نہیں ہے۔"

ناصرہ نے بات کرتے کرتے اچانک اس سے پوچھا۔

"مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟" سالار نے ناصرہ کو گھورا۔

"ایسے ہی پوچھ رہی ہوں جی! آپ کے ساتھ ان کی دوستی تھی، اس لئے میں نے سوچا شاید آپ کو پتا ہو۔ وہ جو ایک بار آپ نے میرے ہاتھ کچھ کاغذ بھجوائے تھے، وہ کس لئے تھے؟" اس کا تجسس اب تشویشناک حد تک بڑھ چکا تھا۔

"اس گھر کے کاغذات تھے، میں نے یہ گھر اس کے نام کر دیا تھا۔" ناصرہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا پھر وہ کچھ سنبھلی۔

"پر جی! یہ گھر تو سکندر صاحب کے نام پر ہے۔"

"ہاں! مگر یہ مجھے تب پتا نہیں تھا۔ یہ بات تم نے ان لوگوں کو بتائی ہے کہ تم یہاں سے کوئی کاغذ لے کر اس کے پاس گئی تھیں۔" ناصرہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"توبہ کریں جی! میں نے کیوں بتانا تھا۔ میں نے تو سکندر صاحب کو نہیں بتایا۔"

"اور یہی بہتر ہے کہ تم اپنا منہ اسی طرح ہمیشہ کے لئے بند رکھو، اگر یہ بات ان کو پتا چلی تو پاپا تمہیں سامان سمیت اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیں گے۔ تم ان کے غصے کو جانتی ہو۔ جاؤ اب یہاں سے۔"

سالار نے ترشی سے کہا۔ ناصرہ خاموشی سے اس کے کمرے سے نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ ویک اینڈ پر کبھی کبھار ہائیکنگ کے لئے مارگلہ کی پہاڑیوں پر جایا کرتا تھا۔ وہ ویک اینڈ نہیں تھا مگر اچانک ہی اس کا موڈ وہاں جانے کا بن گیا۔

ہمیشہ کی طرح گاڑی نیچے پارک کر کے وہ ایک بیگ اپنی پشت پر ڈالے ہائیکنگ کرتا رہا۔ واپسی کا سفر اس نے تب شروع کیا جب سائے لمبے ہونے لگے۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اسے اپنی گاڑی تک پہنچنے میں دو گھنٹے لگیں گے۔ واپسی کے سفر کو کچھ تیزی سے طے کرنے کے لئے وہ سڑک پر آ گیا جہاں سے عام طور پر لوگ گزرتے تھے۔ اس نے ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا جب اسے اپنے پیچھے تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ سالار نے ایک نظر مڑ کر دیکھا۔ وہ دو لڑکے تھے جو اس سے کافی پیچھے تھے، مگر بہت تیزی سے آگے آ رہے تھے۔

سالار نے گردن واپس موڑ لی اور اسی طرح اپنا نیچے کا سفر جاری رکھا۔ اسے اپنے حلیے سے وہ لڑکے مشکوک نہیں لگے تھے۔ جینز اور شرٹس میں ملبوس ان کا حلیہ عام لڑکوں جیسا تھا مگر پھر چلتے چلتے

اسے یک دم کوئی اپنے بالکل عقب میں محسوس ہوا۔ وہ برق رفتاری سے پلٹا اور ساکت ہو گیا۔ ان دونوں لڑکوں کے ہاتھ میں ریوالور تھے اور وہ اس کے بالکل سامنے تھے۔

"اپنے ہاتھ اوپر کرو، ورنہ ہم تمہیں شوٹ کر دیں گے۔"

ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔ سالار نے بے اختیار اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ ان میں سے ایک اس کے پیچھے گیا اور بہت تیزی سے اس نے اسے کھینچتے ہوئے دھکا دیا۔ سالار لڑکھڑایا مگر سنبھل گیا۔

"ادھر چلو۔" سالار نے کسی قسم کی مزاحمت کئے بغیر اس طرف جانا شروع کر دیا جہاں وہ اسے سڑک سے ہٹانا چاہتے تھے، تاکہ کوئی یک دم وہاں نہ آ جائے۔ ان میں سے ایک اسے تقریباً دھکیلتے ہوئے اس راستے سے ہٹا کر جھاڑیوں اور درختوں کے بہت اندر تک لے گیا۔

"گھٹنوں کے بل بیٹھو۔" ایک نے درشتی سے اس سے کہا۔

سالار نے خاموشی سے اس کے حکم پر عمل کیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ اس کی چیزیں چھینیں گے اور پھر اسے چھوڑ دیں گے اور وہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا، جس پر وہ دونوں مشتعل ہو کر اسے نقصان پہنچاتے۔ ان میں سے ایک اس کے پیچھے گیا اور اس نے اس کی پشت پر لٹکا ہوا چھوٹا سا بیگ اتار لیا۔ اس بیگ میں ایک کیمرہ، چند قلم رول، بیٹری، ٹیلی اسکوپ، فرسٹ ایڈ کٹ، والٹ، پانی کی بوتل اور چند کھانے کی چیزیں تھیں جس لڑکے نے بیگ اتارا تھا وہ بیگ کھول کر اندر موجود چیزوں کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے والٹ کھول کر اس کے اندر موجود کرنسی اور کریڈٹ کارڈز کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد اس نے بیگ میں سے ٹشو کا پیکٹ نکال لیا اور پھر فرسٹ ایڈ کٹ بھی نکال لی۔

"اب تم کھڑے ہو جاؤ۔" اس لڑکے نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ سالار اس طرح ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے کھڑا ہو گیا۔ اس لڑکے نے اس کی پشت پر جا کر اس کی شارٹس کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر انہیں ٹٹولا اور اس میں موجود گاڑی کی چابی نکال لی۔

"گاڑی کہاں ہے؟" سالار کو پہلی بار کچھ تشویش ہوئی۔

"تم لوگ میرا بیگ لے جاؤ مگر کار کو رہنے دو۔" سالار نے پہلی بار انہیں مخاطب کیا۔

"کیوں؟ کار کو کیوں رہنے دیں۔ تم ہماری خالہ کے بیٹے ہو کہ کار کو رہنے دیں۔" اس لڑکے نے درشت لہجے میں کہا۔

"تم لوگ اگر کار لے جانے کی کوشش کرو گے تو تمہیں بہت سے پرابلمز ہوں گے۔ صرف کار کی چابی مل جانے سے تم کار نہیں لے جا سکو گے۔ اس میں اور بھی بہت سے لاکس ہیں۔" سالار نے ان سے کہا۔